احقاقِ حق
صدر الافاضل مولینا مفتی محمد نعیم الدین قدس سرہٗ
ادارہ نعیمیہ رضویہ سواد اعظم لاہور
موچی گیٹ

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

قرآنِ کریم پر ستیارتھ پرکاش کے اعتراضات کا جواب، آریہ دھرم
ہندو مت اور آواگون (تناسخ) کے فلسفیانہ اوہام کا محققانہ ابطال

المسمّٰی بہ

احقاقِ حق

از امام المناظرین، سلطان المتکلمین، صدر الافاضل!
اُستاذ العلماء حضرت مولانا حکیم حافظ قاری سید محمد نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہٗ

پیش کردہ

فاضلِ جلیل حضرت علامہ مفتی حکیم سید غلام معین الدین نعیمی خادم آستانۂ نعیمیہ

یکے از مطبوعات

ادارۂ نعیمیہ رضویہ سوادِ اعظم، لال کھوہ موچی گیٹ لاہور

قیمت دو روپے پچاس پیسے

احقاقِ حق

قرآنِ کریم پر ستیارتھ پرکاش کے اعتراضات کا جواب

آریہ دھرم اور آواگون (تناسخ) کے فلسفیانہ اوہام کا محققانہ بُطلان

جس طرح دنیا میں ہر صاحبِ کمال کیلئے معاند و حساد لازم ہیں اور ہر یکتائے دوراں
کو رشک و حسد کے سنان و سہام کا ہدف بننا ناگزیر ہے اور جس طرح حاسدوں
کے حسد اور معاندوں کی عداوت سے اہلِ کمال کی شہرت و رواج اور انکے کمال کا
اظہار و اعلان اور زیادہ ہو جایا کرتا ہے، اسی طرح مقدس اسلام کو حاسدوں اور
معاندوں سے واسطہ پڑا، اور پڑتا رہتا ہے، اور جس قدر اسکے ساتھ حسد اور عداوت
کی رسمیں برتی گئیں، اور اس کو مٹانے اور نیست و نابود کرنے کیلئے اہلِ باطل کی ساری
قوتیں تل تل کر آئیں، اور انہوں نے اپنی زور آزمائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں
کیا، اسی قدر اسلام کے کمالات اپنی شان و شوکت دوبالا کرتے گئے۔ دورِ حاضر میں
جہاں صدہا مشینیں اور کلیں، اور طرح طرح کی عجیب و غریب چیزیں ایجاد ہو رہی ہیں
مذہب سازی کی صنعت بھی اپنے اوجِ کمال پر پہنچ گئی ہے، اور آئے دن نئے نئے
مذہب ایجاد ہوتے رہتے ہیں۔ انہیں میں ایک "دیانندی" مذہب بھی ہے (جو
اپنے آپ کو آریہ کہلاتا ہے) جو تھوڑے زمانہ سے پیدا ہوا ہے اس نے مذہبی دنیا
میں ہلچل مچا رکھی ہے، اور اپنے دل آزار طرزِ عمل سے دنیا کو جگر خراش صدمے پہنچائے
ہیں۔ سخت کلامی اور بدزبانی تو گویا انہوں نے جزوِ مذہب قرار دے لی ہے کہ ان
کے مذہب کی مستند کتاب پنڈت دیانند کی تصنیف "ستیارتھ پرکاش" دریدہ دہنی اور
بدزبانی، بلکہ سب و شتم کا ذخیرہ ہے۔ اس کتاب کا چودھواں باب قرآن پاک پر

اعتراض کرنے کیلئے مخصوص کر دیا گیا ہے، اور اس میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ قرآن پاک کی ہر ایک سورۃ کی علیحدہ علیحدہ سرخی قائم کر کے دل کے پھپولے پھوڑے ہیں، اور مسلمانوں کے دلوں کو صدمے پہنچاتے ہیں ان اعتراضات کی جو حقیقت ہے اور پنڈت کے علم ولیاقت کا جو مبلغ ہے وہ ان کے اعتراضات سے آپ کو معلوم ہوگا اور اسی سے اس کی شرافت کا پتہ چل سکے گا۔ میں اس کی عبارت بجنسہٖ نقل کر کے جواب لکھتا ہوں واللہ الموفق والمعین۔

اعتراض بر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم شروع ساتھ نام اللہ بخشش کرنے والے مہربان کے" (منزل اول سپارہ اول سورۃ فاتحہ آیت اول) **(محقق)** مسلمان لوگ ایسا کہتے ہیں کہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے لیکن اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا بنانے والا کوئی دوسرا ہے کیونکہ اگر خدا کا بنایا ہوتا تو شروع ساتھ نام اللہ کے ایسا نہ کہتا، بلکہ شروع واسطے ہدایت انسانوں کے' ایسا کہتا۔ ستیارتھ پرکاش ص ۵۹۰ باب ۱۴

جواب:۔ کسی چیز پر اعتراض کرنے کیلئے پہلے اسکی واقفیت حاصل کرنا چاہیئے لیکن معترض قرآن پاک سے محض نابلد ہے حتیٰ کہ اسکو یہ بھی خبر نہیں کہ قرآن پاک خود اپنی نسبت کلام الٰہی ہونے کی شہادتیں دے رہا ہے اور ایسی زبردست براہین پیش فرما رہا ہے جن کے جواب سے زمانہ ہمیشہ سے عاجز ہے اور ہمیشہ عاجز رہیگا اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ط یہ وہ تحدی تھی وہ معارضہ تھا، جسکی ہیبت نے ہاتھوں سے قلم چھڑا دیئے، بولنے والی زبانیں ساکت، بلکہ گنگ ہو گئیں قلم کی جگہ تلوار ہاتھ میں لینا پڑی اور ایک آیت کا نظیر پیش کرنے کی بجائے دشمنانِ اسلام خونوں کی ندیاں بہانے کیلئے تیار ہو گئے، بلغاءِ عرب کی ہمتیں پست ہو گئیں، اور انہوں نے عملی طور پر اپنے عجز کا اعتراف کر لیا قرآنِ پاک نے کچھ ایک ہی

جگہ نہیں جابجا اپنے کلام الٰہی ہونے کا اعلان کیا ہے، لیکن پنڈت جی ابھی بے خبر ہیں اور یہی سمجھتے ہیں کہ مسلمان لوگ ایسا کہتے ہیں، اور اس پر غرور یہ کہ اپنے آپ کو محقق لکھتے ہیں۔ اپنے منہ سے اپنی غلط تعریف کیا کسی ذی علم کا کام ہو سکتا ہے میں نہیں سمجھتا کہ پنڈت جی نے کون سے ایسے تحقیق کے دریا بہائے ہیں جس سے وہ محقق کے خطاب کے مستحق ہو سکیں، اور یہ خود ساختہ خطاب ان کیلئے موزوں ہو سکے جس بات کا قرآن پاک بصراحت مدعی اور دھوم دنیا میں مچ گئی، پنڈت صاحب کو اسکی تو خبر نہیں مگر ہیں محقق عجب تحقیق ہے اسکے بعد پنڈت جی نے لکھا ہے کہ "اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کلام کا بنانیوالا کوئی دوسرا ہے" یہ ہے آپ کے محقق ہونیکی حقیقت اور قابلیت کا نمونہ جسکی سخن فہمی اس درجہ پہنچ گئی ہو وہ ضرور محقق کے خطاب کے شایاں ہے، آیت میں کونسا لفظ ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا کونسا حرف ہے جس کا مدلول یا مفہوم یہ ہو کہ اس کتاب کا بنانیوالا خداوند عالم کے سوا کوئی دوسرا ہے، خود پنڈت جی نے جو ترجمہ کیا ہے اسکے کون سے لفظ میں اشارہ ہے کہ قرآن کلام الٰہی نہیں؟ جو شخص کلام کے معنی سمجھنے سے اسقدر قاصر ہو اسکا اعتراض کس وقعت کے قابل ہے۔ اللہ کے نام کے ساتھ شروع ہونا کلام الٰہی ہونیکا کس طرح منافی ہو سکتا ہے؟ کیا کوئی دیانتدی اسکے ثابت کرنے کی ہمت رکھتا ہے؟ اگر ناممکن کسی طرح ممکن ہو، تو کوئی آریہ بھی اسکا جواب دے سکے گا، کیا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اللہ کا نام آنا اس بات کی دلیل ہو سکتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں؟ ہر شخص اپنے رسالہ یا کتاب میں، اپنے خط و تحریر میں اول یا آخر اپنا نام لکھ دیتا ہے تو کیا اسکے یہ معنی ہوتے ہیں کہ یہ کتاب یا خط اس شخص کا لکھا ہوا نہیں ہے اگر نام مذکور ہونے سے کوئی شخص یہ نتیجہ نکالے تو بجز اسکے اور کیا کہا جائیگا کہ اس کا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ خود پنڈت نے اپنی اسی ستیارتھ میں اپنا نام لکھا ہے، تو کیا اسکے

یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ یہ کتاب اس کی تصنیف نہیں؟ جو کتاب قلوب پر عظمت الٰہی کے سکے
بٹھانے اور جمانے کیلئے آئے کیسے ممکن ہے کہ اس کا آغاز اللہ کے نام سے نہ ہو؟ ہر ایک
مضمون کی سرخی اور ہر ایک بحث کے عنوان میں ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جن سے
مضمون کی جھلک معلوم ہو، اور مدعا کا نشان ملے، تو جس کتاب کا مقصود ذات و صفات
حق سے باخبر کرنا ہو، اس کی ابتداء نام خدا سے نہ ہونا جائے تعجب ہے، نہ کہ خدا کے
نام سے شروع کرنے پر اعتراض کیا جائے۔ ہر شخص جو خداوند عالم کے کارساز حقیقی
ہونے پر یقین رکھتا ہے، اور اس کو قادر مطلق سمجھتا ہے، اپنے ہر کام میں اسکی کارسازی اور
قدرت کاملہ پر نظر رکھنا اور اسی کے نام سے شروع کرنا اس کیلئے ضروری ہے تاکہ وہ اپنے ہر
کام میں اپنا عجز اور اس کی آثار قدرت کا مشاہدہ کر سکے اور کسی وقت اس سے غافل نہ
ہو، یہ قرآن پاک کا سب سے پہلا سبق ہے جس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان اپنے کام میں رہ
کر بھی اپنے رب کو فراموش نہ کرے، اور اس کی عقیدت و نیاز کے روابط منقطع نہ ہونے
پائیں پنڈت جی کی نظر "وید" کی طرف گئی۔ انہوں نے جب یہ خیال کیا ہو گا کہ وید کے کلام
الٰہی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، مگر اسکی اس کمی کا کوئی جواب نہیں کہ اس کا آغاز ہی
خدا کے نام سے نہیں ہے۔ اس سخت اعتراض اور شدید الزام سے بچنے کی یہی صورت
پنڈت جی کے خیال میں آئی کہ قرآن پاک کے حسن و کمال ہی کو عیب قرار دے دیجئے ؎

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے ست ∴ گل ست سعدی و در چشم دشمناں خار ست

کسی خوبی کو عیب قرار دینا، اور کمال کو مورد الزام بنانا کسی شائستہ اور نیک مزاج آدمی
کا فعل نہیں ہو سکتا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ وید کا خدا کے نام سے شروع ہونا تو درکنار،
تمام وید میں کہیں کسی جگہ خدا کا نام (اسم ذات) تک نہیں[1] ہے۔ ایسی حالت میں کسی کتاب

[1] تنہا وید ہی نہیں بلکہ سنسکرت زبان ہی خدا کے نام سے محروم ہے۔ پنڈت دیانند سرسوتی
"ستیارتھ پرکاش" میں لکھتے ہیں: "سب وید وغیرہ شاستروں میں پرمیشور کا افضل اور

ذاتی نام "اوم" کہا گیا ہے اور سب نام صفاتی ہیں" (ستیارتھ پرکاش باب ا صفحہ) اس سے
معلوم ہوا کہ اوم کے سوا کوئی نام پرمیشور کا ذاتی (اسم ذات) نہیں رہا "اوم" وہ بھی صفاتی ہے
اسم ذات وہ بھی نہیں۔ ستیارتھ پرکاش کے اسی صفحہ میں پنڈت صاحب نے تصریح فرمائی
ہے کہ "پرمیشور کا کوئی بھی نام بے معنی نہیں ہے" (ستیارتھ صفحہ) اور اسی صفحہ میں ہے "
حفاظت کرنیکے باعث "اوم" بمعنی "حافظ" ہے تو اب ثابت ہوگیا کہ "اوم" بھی اسم صفت
ہے "اسم ذات کوئی نہیں۔ یہ کس قدر کمی ہے کہ تمام وید میں تمام زبان میں آج تک خدا کے
لئے کوئی نام نہیں اس کا ذکر اگر کہیں آگیا ہے تو استعاروں اور صفتوں سے بیان کیا گیا
ہے۔ اسکی ذات کیلئے ایک لفظ تک تجویز نہیں کیا گیا "کس قدر تنگ اور بخیل زبان ہے جس
میں خدا کی ذات کیلئے ایک لفظ بھی نہیں۔ کیا یہی زبان الہام کی زبان اور ایسی ہی کتاب
ہوسکتی ہے؟ جس میں خدا کا نام تک نہ ہو؟ جن ملکوں میں کسی چیز کا رواج نہیں
ہوتا وہاں کی زبانوں میں اس چیز کا کوئی نام بھی نہیں ہوتا پھر ضرورت کے وقت استعارہ
اور مجاز سے کام لیا جاتا ہے یا صفات سے تعبیر کیا کرتے ہیں جیسے اطباء مرکبات کو
صفات کے ساتھ پکارتے ہیں، ہاضم، مقوی، مسہل، مصفی خون، وغیرہ۔ اگر ان مرکبات
کے ذاتی نام ہوتے تو صفات کا ذکر ان کے مواقع پر کیا جاتا۔ مگر نام لینے سے مجبوری نہ
ہوتی سنسکرت زبان میں زمین آسمان گائے بیل وغیرہ تمام کارآمد چیزوں کیلئے نام
ہیں جن کا مدار اول ان اشیاء کی ذات ہے۔ مگر خدا کی ذات پاک کے لئے کوئی نام نہیں اس
سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زبان والوں کو خدا کی ہستی کی اور وجود کی کچھ خبر نہ تھی اور غافلانہ
زندگی بسر کرتے تھے یہی تھی کہ ان کی زبان میں اللہ کی ذات پاک کیلئے کوئی لفظ بھی وضع نہ
ہوا تھا جب دوسری قوموں سے اختلاط ہوا اور خدا کی ہستی کا کچھ پتہ چلا تو اس کو صفات
کے ساتھ تعبیر کرنے پر مجبور ہوئے جو لوگ اس قدر پستی میں ہوں کہ انکی کتاب اور زبان میں
خدا کا نام تک نہ ہو، وہ اگر قرآن پاک میں اول ہی بسم اللہ الرحمن الرحیم دیکھ کر بھڑک اٹھیں تو کیا

کا اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ شروع ہونا ویدوں کی تعلیم کے عادی شخص کیلئے ضرور تعجب خیز ہونا چاہیئے جس شخص نے عمر بھر میں کبھی خدا کا نام (اسم ذات) ہی نہیں سنا وہ اگر بسم اللہ سنکر جھجک اٹھے تو کچھ بعید نہیں، لیکن جو قلوب خدا شناسی کا ذوق رکھتے ہیں انکے جذباتِ صادقہ کا یہی مقتضاء ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے ہر کام کو نام خدا سے شروع کریں۔ شاہی فرمان میں مضمون سے قبل بادشاہ کے نام کا طغراء ہوتا ہے تو جو کتاب فرمانِ الٰہی ہو، اس میں سب سے پہلے نام خدا ہونا چاہیئے۔ پنڈت صاحب کی الٹی منطق یہ کہتی ہے کہ اول میں بادشاہ کا نام ہونے سے وہ فرمان شاہی فرمان ہی نہیں رہ سکتا خدا کا نام ابتداء میں ہونے سے قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے میں پنڈت صاحب کو تردد ہو گیا، یہ عقل و حواس ہیں جس پر "محقق" ہونے کا دعویٰ ہے۔ تعجب تو ان عقلمندوں پر ہے، جو ایسے لچر اعتراضات پر ناز کرتے ہیں، اور معترض کے غلام بنے بیٹھے ہیں۔ برادران نوع آپ اپنے عقل و انصاف سے کام لیجیئے، اور عدل کی میزان میں پنڈت صاحب کے اقوال کو تولئے، جب آپ دیکھ لیں کہ اس میں واقعیت کا شائبہ بھی نہیں ہے، تو اپنی لازوال ہستی کھوٹے داموں فروخت نہ کیجیئے کسی کتاب کی عالمگیر عظمت و جلالت اور شہرۂ آفاق کمالات پر پردہ ڈالنے کی غرض سے لغو اعتراضات کرنا اسکی خوبیوں کو عیب بتانا، روز روشن کو شب تاریک کہنا، اور جوش تعصب کو اس مذموم طریقہ سے ادا کرنا، درحقیقت دنیا کے سامنے اپنے قلب کی سیاہی نمودار کرنا ہے اہل خرد کی نگاہ میں ایسے معترض کی کوئی وقعت باقی نہیں رہتی۔ افسوس پنڈت صاحب نے قرآن پاک کے کمال کو محض تعصب کے جوش میں عیب قرار دیا، اگر نفسانیت کی پٹی انکی آنکھوں پر نہ بندھی ہوتی تو وہ قرآن پاک کی نعمتوں سے بہرہ مند (مسلمان) ہوتے اور اسکی روحانی اور الٰہی تعلیم سے فائدہ اٹھاتے اور جسقدر شہرت و رواج پنڈت جی کو حاصل ہوا وہ بھی انہی چند باتوں کا نتیجہ ہے جو وہ قرآنی اور اسلامی تعلیم سے لے اڑے تھے

اعتراض اگر انسان کو نصیحت کرتا ہے کہ تم بھی ایسا کہو، تو بھی درست نہیں، کیونکہ اس
سے گناہ کا شروع بھی خدا کے نام سے ہونا صادق آئیگا اور اسکا نام بھی بدنام ہو جائیگا

جواب پنڈت صاحب کو خیال آیا، یا کسی مسلمان کی زبان سے انہوں نے سنا ہو
کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" بندوں کو تعلیم ہے کہ تلاوت قرآن پاک کی ابتدا اس
طرح نام خدا سے کیا کریں، کیونکہ سب سے اول جو آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے اِقْرَأ
بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ؕ اس کا پہلا لفظ قرأت کا امر ہے، یعنی پڑھئے تو اسکے بعد جو
کچھ بھی وہ تعلیم ہے، جس طرح کچہری میں حلف دینے والا کہتا ہے "کہو میں سچ کہونگا" اس
سے کوئی نادان بھی یہ نہیں سمجھتا کہ حلف دینے والا یہ حلف کر رہا ہے، بلکہ اس کا کام فقط
سکھانا ہے، قرآن پاک میں پہلا لفظ جو نازل ہوا وہ اقرأ ہے جس کے معنی ہیں پڑھ
تو اب آئندہ جو کچھ ہے وہ تعلیم ہے۔ پنڈت جی نے جب یہ دیکھا کہ اب کوئی جائے اعتراض
نہیں، تو اپنے دل کا غبار اس طرح نکالا کہ اگر انسان کو نصیحت کرتا ہے تو بھی درست
نہیں کیونکہ اس سے گناہ کا شروع بھی خدا کے نام سے صادق آئیگا" پنڈت کا یہ
باطل دعویٰ کہ گناہ کا شروع بھی خدا کے نام سے صادق آئیگا کسی دلیل سے ثابت
نہیں ہو سکتا بلکہ اسکا بطلان بدیہی ہے۔ کتاب ہدایت کا شروع نام خدا سے کیا جا
ہے اسمیں گناہ کا کیا ذکر، مگر پنڈت کو تو کسی نہ کسی طرح اعتراض کرنا اور الزام لگانا
تھا اس لئے ایسی بے اصل اور غلط بات کہی۔ مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ ناجائز
کام پر بسم اللہ پڑھنا ممنوع ہے، اسی کو مسلمانوں کے سر منڈھنا ایک جھوٹ بات
لکھ کر دنیا کو غلطی میں ڈالنے کی کوشش کرنا نہایت شرمناک جرم ہے۔ پنڈت
جی کو واضح رہنا چاہیئے کہ قرآن پاک گناہ کو منع کرتا ہے اور بندوں کو گناہوں سے
بچانا چاہتا ہے تو ضرور جس کام کے شروع کی وہ اجازت دیگا، وہ ہرگز گناہ نہ ہوگا
پھر نام خدا سے کس طرح ممکن ہو سکتا ہے جو کتاب گناہ مٹانے آئی ہے اسکی

تعلیم کہ آغاز نام خدا سے ہو، صاف بتاتی ہے کہ امور خیر کا آغاز ہو، پنڈت جی کی نظر میں وہ کتابیں ہونگی جن میں گناہوں کی تعلیم ہو، ممکن ہے انہیں پر قیاس کر کے پنڈت صاحب نے یہ اعتراض جمایا ہو، لیکن قرآن پاک کی نسبت یہ اعتراض سراپا لغو اور باطل ہے قرآن پاک کی حکمتوں سے پنڈت جی کو کیا مس ہے اور انکا دماغ وہاں تک کب پہنچتا ہے؟ لیکن اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ بندوں کو ہر کام میں بسم اللہ کے ساتھ آغاز کرنے کی عادت ڈالنا گناہوں کے دروازہ کا بند کر دینا ہے، اس لئے جب بندہ کسی کام کو شروع کرتے وقت اپنے پروردگار کا نام لیگا اور اسکے عظمت و جلال کا پرتو اسکے قلب میں پڑیگا، تو خوف الٰہی اس پر غالب ہوگا، اور وہ گناہ کی جرات نہ کریگا۔ ایک نکتہ میں گناہوں کا انسداد فرما دیا۔ کتاب برحق کی اس نفیس تعلیم پر قربان ہونا چاہئے کہ کتنے بڑے سیلاب کو روکنے کیلئے کیسی آسان تدبیر تعلیم فرمائی، لیکن جو دماغ گناہوں میں محو ہیں، اور وہ عظمت و جلال خداوندی کو بھول کر گناہ کرنے کے درپے ہو جاتا ہے۔ پنڈت صاحب نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے لفظ لفظ پر اعتراض کرنیکی کوشش چنانچہ وہ الرحمٰن الرحیم پر یہ اعتراض کرتے ہیں۔

اعتراض اگر وہ بخشش و رحم کرنیوالا ہے تو اس نے اپنی مخلوق میں انسانوں کے آرام کے واسطے دوسرے جانداروں کو مار سخت ایذا دینا اور ذبح کرا کر گوشت کھانے کی اجازت کیوں دی؟ کیا وے ذی روح بیگناہ اور خدا کے بنائے ہوئے نہیں ہیں؟

جواب ایسے اعتراض پنڈت صاحب کی علم و لیاقت کا نمونہ ہیں، اس اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اپنے بنائے ہوئے اور ذی روح کو ذبح کرنے اور ایذاء دینے کی اجازت دینا رحم کے خلاف ہے۔ یہ اعتراض اس قابلیت سے کیا گیا ہے کہ اسکی زد خود پنڈت جی پر پڑتی ہے، کیونکہ اگر ایذا دینے کی اجازت دینا رحم کے خلاف ہے، تو جانوروں سے خدمتیں لینا، انسانکی آزادی کو آسائش کیلئے برباد کرنا، ہل جتوانا،

بوجھ لادنا، سواری لینا، سردی اور بارش کے وقت میں دق کرنا، منزلوں لئے
پھرنا۔ تھک جائیں تو مار مار کر لہو لہان کرنا، انکے بچوں کا حق دودھ ان سے چھین
لینا، انکی آنکھوں کے سامنے انکے بچوں کی گردنوں میں رسیاں ڈالکر ان سے علیحدہ کرنا
انکی قدرتی غذا چھیننے کیلئے انہیں ترسانا، ادھر بچہ چلاتا ہے ادھر ماں بیقرار ہوتی
ہے۔ یہ سب کچھ دیکھنا اور ذرا پرواہ نہ کرنا، ان سب باتوں کی اجازت آپ کے
پرمیشور نے دی ہے؟ تو بقول آپکے وہ رحم والا نہیں۔ اگر نہیں دی ہے تو آپ کے
یہ سب افعال ناجائز ہیں۔ دودھ، دہی، گھی سب آپکے قاعدہ پر حرام، سواری، زراعت
باربرداری میں ان سے کام لینا سب ناجائز، لیکن کیا پنڈت جی نے یا ان کے کسی
اور ہم خیال نے کسی رشی منی نے کبھی ان ناجائز مظالم کے ترک کا عملی ثبوت دیا
ہے؟ اور انکو دنیا سے نیست و نابود کرنے کی کوشش کی ہے؟ لیکن عمل پنڈت
صاحب کی تکذیب کرتا ہے۔ آپکا گھی دودھ استعمال کرنا جانوروں سے سواری، بار
برداری کی خدمتیں لینا ثابت کرتا ہے کہ آپ اپنے ایشور کو رحم والا نہیں مانتے۔

پرندوں میں شکرہ، باز، شاہین وغیرہ کچھ تو ایسے ہیں کہ انکے پاس آلات شکار بھی
ہیں، اور کچھ کبوتر کیطرح ایسے بے بس اور کمزور ہیں نہ وہ اپنی حفاظت کا بھی کوئی سامان
اپنے پاس نہیں رکھتے۔ اور اسی طرح چوپایوں میں شیر کے پاس تو شکار کرنے کے آلات
ہیں لیکن دوسرے جانوروں کے پاس اپنی حفاظت کے لئے بھی کوئی چیز نہیں۔ یہ
سب خدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں یا کسی اور کے؟ گوشت خور جانوروں کی غذا اس
نے مقرر کی ہے یا کسی دوسرے نے؟ آلات صید اس نے عنایت فرمائے یا کسی اور نے
قتل و شکار پر انکی غذا اور زندگی کا مدار اس نے مقرر فرمایا یا نہیں؟۔ اب پنڈت صاحب
یہ بتائیں یہ رحم کے خلاف ہے۔ اور انکا ایشور رحم کا دشمن ہے، یا اسکو رحم کے خلاف کہنا
ہی نادانی اور بے ادبی ہے اس اعتراض کے ضمن میں پنڈت جی کے قلم سے ایک

لفظ "بیگناہ" کا بھی لکل گیا ہے جو پنڈت صاحب شوق اعتراض میں لکھ گئے ہیں، لیکن انہیں خبر نہیں کہ اس لفظ نے انکے مذہب کا ہی خاتمہ کر دیا۔ اصولِ تناسخ کی بنیاد پر تو کوئی جانور بیگناہ ہو ہی نہیں سکتا جانور کو جون ہی اسکو کسی نہ کسی گناہ کی پاداش میں ملتی ہے علاوہ بریں بے گناہ کو ایذا پہنچانا، یہ بھی اصول تناسخ کیخلاف ہے جو کوئی تکلیف کسی کو پہنچتی ہے بقاعدۂ تناسخ ضرور کسی خطا قصور کا بدلہ ہوتی ہے، اب تو پنڈت صاحب کو اعتراض نہ کرنا چاہیئے جو کوئی جانور ذبح ہوتا ہے وہ ضرور کسی نہ کسی گناہ کی پاداش میں ذبح ہوتا ہے اور اسکے لئے ذبح ہونا بقاعدۂ تناسخ ضروری ہے۔ البتہ اگر دنیا کی قومیں گوشت خوری چھوڑ دیں، اور ذبح کا دستور جہاں سے ناپید ہو جائے، تو پھر پنڈت جی کا ایشور اس طریقہ کی سزا کسی کو نہ دے سکے گا جو بقاعدۂ تناسخ اس پر لازمی اور ضروری تھی۔ ایشور کی وہ مجبوری قابل رحم ہوگی۔ ہندوستان کے مسلمان اس وقت گائے کا ذبیحہ ترک کرنیکی فکر میں ہیں آریوں کو بہت جلد اعلان کر دینا چاہیئے کہ مسلمان ایسا ہرگز نہ کریں، ورنہ ایشور کو ناگفتہ بہ مصیبت کا سامنا ہوگا، اور اس کا قانونِ سزا لکما ہو کر رہ جائیگا۔ جرائم بیشتہ جبوکی چڑھ بن جائیگی اور رویدکے ایشور کو مجبوری معطل ہو جانا پڑیگا۔ پنڈت جی نے یہ جو لکھا ہے کہ گیا وے خدا کے بنائے ہوئے نہیں اس سے پنڈت جی کا یہ مدعا ہے کہ اپنے بنائے ہوئے کے ساتھ ضرور بنانیوالے کو ایسا محبت کا تعلق ہو جاتا ہے کہ وہ اس کا ذبح ہونا گوارا نہیں کرتا۔ اس لئے اگر وہ ذبح کی اجازت دے تو یہ رحم کے خلاف ہے۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ اپنے بنائے ہوئے کے ساتھ جو محبت ہوتی وہ اس بات کو تو گوارا نہیں کرتی کہ اسکے ذبح کی اجازت دیجائے، لیکن یہ گوارا کر لیتی ہے کہ اپنے آپ کو اس پر فنا کر دیا جائے محبس کیلئے یہ بھی گوارا نہیں کہ دوسرا اپنا اسکی جان لینے کیلئے خود آمادہ ہو جاتا تو اعلیٰ درجہ کی بیرحمی اور پرلے سرے کا ظلم عظیم

ہوگا تو کیا پنڈت صاحب کے نزدیک موت خدا کے اختیار سے باہر ہے۔ خدا کے اختیا
سے باہر کوئی چیز ہے کہ بغیر اسکے قصد و ارادہ کے واقع ہو جاتی ہے؟ یا کوئی دوسرا فنا کر
دیتا ہے؟ اور ایشور اپنی بنائی ہوئی مخلوق کی موت کے صدمے اٹھایا کرتا ہے ایسا مجبو
اگر ہے تو اسکو پرمیشور کہنا' اور کارساز عالم' اور سروسکتیمان و قادر مطلق اعتقاد کرنا
بالکل باطل و غلط ہے۔ یہ وہ اشکال ہے جس کا پنڈت صاحب کے پاس جواب نہیں
اعتراض کے شوق میں ایسی ایسی لغو و باطل باتیں کہنا پنڈت صاحب کی قابلیت کا
نتیجہ ہے اور اس پر اپنے آپ کو محقق ہونیکا دعویٰ بھی ہے۔ تعصب کا جوش جو پنڈت
صاحب کے سینہ میں بھرا ہوا تھا اس نے مجبور کیا کہ پنڈت صاحب قرآن شریف پر اعتراض
کرنے کیلئے باطل و غلط اور لغو و رکیک باتیں لکھ کر شیخی مارنے پر تل گئے اور قرآن
پاک کی روشن تعلیم سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ چشم بینا اور نظر انصاف ہو انسان قرآن
پاک دیکھنے کے بعد اسکا گرویدہ ہو جاتا ہے' اور اپنی درستی و اصلاح کے علاج ا
میں تلاش کر کے سعادت دارین کے منازل تک پہنچتا ہے' لیکن نظر عداوت خوبیو
کے دیکھنے سے مجبور ہے اسکو ہر کمال عیب ہی معلوم ہوتا ہے۔ اللھم ارنا الحق حقا و
الباطل باطلا۔

اعتراضات متعلق سورۂ فاتحہ

اعتراض ۱: ۔ اگر قرآن کا خدا دنیا کا پروردگار ہوتا' اور سب پر بخشش اور رحم
کیا کرتا' تو دوسرے مذہب والوں اور حیوانات وغیرہ کو بھی مسلمانوں کے ہاتھوں
سے قتل کرانیکا حکم نہ دیتا' اگر معاف کرنیوالا ہے تو کیا گناہگاروں پر بھی رحم کریگا
اور اگر کریگا تو آگے ذکر آئیگا کہ کافروں کو قتل کرنا یعنی جو قرآن اور پیغمبر کو نہ مانے و
کافر ہیں' ایسا کیوں کہتا؟ اس لئے قرآن خدا کا کلام ثابت نہیں ہوتا۔

جواب:- ایسے رکیک اور لایعنی اعتراض پیش کرتے ہوئے پنڈت صاحب کو عار نہیں آتی، جس سے انکی غایت بدفہمی اور انتہا درجہ کی نادانی کا پتہ چلتا ہے انہیں یہ بھی خبر نہیں کہ ماں باپ کا رحم دنیا میں کون نہیں جانتا، لیکن اولاد کی خطاؤں پر والدین کا سزا دینا کیا کسی نے بیرحمی سمجھا ہے؟ پنڈت صاحب کی فہم اتنا سمجھنے سے بھی قاصر ہے، انکے خیال میں گناہ گار کو سزا دینا لامحالہ رحم کے خلاف ہے اور اس سے مدت العمر کے احسانات جو ایک ایک آن میں بیحد و پایاں شامل حال رہے ہیں، سب جاتے رہتے ہیں کہ قصور کی سزا دینے سے وہ رحیم نہیں رہتا۔ کیا پنڈت صاحب کے نزدیک سزا دینے والے والدین، اور مارنیوالا استاد بچوں کا دشمن اور بیرحم ہوتا ہے؟ یہ عقل اور قرآن پاک پر تمہارا اعتراض؟ مگر دروغ گو را حافظہ نباشد، پنڈت صاحب کو خود اپنی تحریر یاد نہیں ہے "ستیارتھ پرکاش ص۳۵۳ میں لکھتے ہیں۔ یہ کام اراکین سلطنت کا ہے کہ جو جانور یا آدمی ایذا رساں ہوں انکو سزا دیں، اور جان سے بھی مار ڈالیں" یہ رحم کی تعلیم ہو رہی ہے یا بیرحمی کی؟ یہی پنڈت دیانند صاحب ستیارتھ پرکاش ص۲۲۰ پر لکھتے ہیں:- "اعضائے تناسل، پیٹ، زبان، ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک، کان، دولت و جان یہ دس موقع سزا کے ہیں کہ جن پر سزا دیجاتی ہے"، ص۲۲۲ پر لکھتے ہیں "جو جس طریق پر جس جس عضو سے انسانوں میں نامناسب حرکات کا کام کرتا ہے اس عضو کو سب کی عبرت کیلئے راجہ کاٹ دیوے" کہئے یہ رحم کی تعلیم ہے یا بیرحمی کی؟ ص۲۲۳ پر لکھتے ہیں "خواہ گرو ہو خواہ بیٹا وغیرہ اولاد ہوں خواہ باپ وغیرہ بزرگ ہوں، خواہ برہمن، خواہ شاستر وغیرہ کا سننے والا کیوں نہ ہو جو دھرم کو چھوڑ کر ادھرم میں پھنسا ہوا دوسرے کو بلا جرم مارنیوالے ہیں انکو بغیر تامل کے مار ڈالنا چاہیئے، یعنی پہلے مار کر بعد میں سوچ کر لی چاہیئے"۔ —— کیا عجیب فلسفہ ہے سزا کا حکم تو پہلے دیدیا جائے، مگر مقدمہ کی تحقیقات، شہادتوں کی سماعت اور

واقعات میں غور و فکر لیجد کو کیا کریں پنڈت جی کی یہ دماغی قابلیت اپنا جواب نہیں رکھتی۔ سنا ہے کہ کسی افیونی کا لوٹا لوٹ گیا تھا، تو اس خیال سے کہ پانی نہ نکل جائے وہ حاجتِ انسانی سے الفراغ کے قبل ہی آبدست لے لیا کرتا تھا۔

پنڈت جی کے فلسفہ کی رو سے انکا اصول بالکل ٹھیک تھا جہاں تجویز سزا کے بعد واقعات پر غور کرنیکا حکم دیا گیا ہے لتعجب تو ان عقل کے پتلوں پر ہے جو باوصف اس ذکاوت و فہم کے پنڈت صاحب کے گرویدہ بنے ہوئے ہیں خیر مجھے تو یہاں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ پنڈت جی جرم کی سزا کو رحم کے خلاف بتاتے تھے انہوں نے سزا قبل فیصلہ تک کا حکم دیدیا، اور کیسی کیسی سخت اور مہذب سزائیں تجویز کیں صفحہ ۲۲۴ میں لکھتے ہیں " جو عورت اپنے حسب و نسب کے گھمنڈ سے شوہر کو چھوڑ کے زنا کرے اسکو جیتے جی بہت عورتوں اور مردوں کے سامنے کتوں سے کٹوا کر مروا ڈالے " کیا معقول سزا ہے، اور کس قدر رحم کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ذرا گریبان میں منہ ڈالئے۔ پھر اسی صفحہ میں لکھتے ہیں :۔ اسی طرح اپنی عورت کو چھوڑ کر دوسرے کی عورت خواہ رنڈی سے زنا کرے، تو ہے کے پلنگ کو آگ میں تپا کے اور سرخ کر کے اس پر گنہگار مرد کو سلا کر بہت سے آدمیوں کے سامنے جلا دیوے " کیوں پنڈت صاحب! آپ کے مذہب نے جو یہ سزائیں بتائی ہیں، آپ انکو رحم سمجھتے ہیں یا بیرحمی ؟ آپ نے کس منہ سے قرآن پاک پر اعتراض کر دیا؟ کون عقلمند ہے جو سزائے جرم کو رحم کے خلاف سمجھتا ہے ؟ ذبح حیوانات کا مسئلہ میں آپکو سمجھا ہی چکا ہوں، باقی رہا قتلِ کفار، اس پر آپ کیا اعتراض کر سکتے ہیں جب زنا کا جرم آپکے نزدیک اس برے طریقہ سے قتل کا مستحق ہے، تو خداوند عالم کی ذات و صفات، کتاب و رسل کا منکر، اور رب العالمین کی تکذیب کرنیوالا کیسی شدید اور سخت ترین سزا کا مستوجب ہوگا یہ تو آپ اپنے اصول سے آپکو تسلیم کر لینا پڑیگا کہ کافر کو سخت سے سخت سزا دینا چاہیئے۔ اگر آپ خدا شناسی کی کچھ بھی قدر جانتے تو یہ اعتراض

آپ کے قلم سے نکل سکتا۔

قرآن پاک اور پیغمبر علیہ السلام چونکہ حق تعالیٰ کی معرفت کرا کے نفوس انسانیہ کو رذائل سے پاک کرنے اور علوم یقینیہ اور معارف کی تعلیم فرماتے ہیں اور بندوں کو خدا کی طرف متوجہ کرتے ہیں، اسلئے ان سے اعراض و انحراف بیشک کفر اور سب سے بڑا سنگین جرم ہے۔

اب آپ اپنے اعتراض کو ملاحظہ کیجئے کہ "گر قرآن کا خدا دنیا کا پروردگار ہوتا اور سب پر بخشش اور رحم کیا کرتا تو دوسرے مذہب والوں اور حیوانات وغیرہ کو بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کرانیکا حکم نہ دیتا" یہ اعتراض آپ ہی پر لوٹ پڑا۔ اپنے قوانین سزا پر نظر ڈالئے اور پھانسی کو اپنی گردن سے نکالنے کی کوشش کیجئے۔ کیا آپ اپنے خیال میں ایشور کو پروردگار نہیں مانتے؟ اور مانتے ہیں تو یہ قتل و خونخواری کے قوانین جو آپ کے اصول پر اسکی پروردگاری کو نیست و نابود کئے ڈالتے ہیں، اس سے کیسے صادر ہوئے اور اگر یہ اسکے احکام نہیں ہیں، اور آپ نے اپنی طرف سے لکھ دیئے ہیں، تو کیا آپکا مذہب آپ کی اپنی من گھڑت کا نام ہے؟ ؎

پاؤں صنم کا الجھا ہے زلف دراز میں ؛ لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔

اعتراض خداوند دن انصاف کا، تجھ ہی کی عبادت کرتے ہیں ہم اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ہم دکھا ہمکو راہ سیدھا منزل اول سپارہ اول سورہ فاتحہ آیت ۴-۵ (محقق) کیا خدا ہمیشہ انصاف نہیں کرتا؟ کسی خاص دن انصاف کرتا ہے۔ یہ تو اندھیر کی بات ہے۔ اسی کی عبادت کرنا اور اس سے مدد چاہنا تو ٹھیک ہے کیا بری بات ہیں بھی مدد کا چاہنا درست ہے، اور سیدھا راستہ صرف مسلمانوں ہی کا ہے یا دوسروں کا بھی؟ سیدھے راستہ کو مسلمان کیوں نہیں قبول کرتے؟ کیا راستہ برائی کیطرف کا تو نہیں چاہتے؟ اگر اچھی باتیں سب کی یکساں ہیں تو پھر مسلمانوں میں خصوصیت کچھ نہ رہی

اور اگر دوسروں کی اچھی باتیں نہیں مانتے، تو متعصب ہیں۔

جواب پنڈت صاحب کے اعتراضات کا مادہ' افسوس ہے کہ تنہا سوء فکر اور خالص نافہمی رفیع کیجا سکتی ہے' لیکن عناد ایک ناقابل علاج امراض میں سے ایک سخت بیماری ہے۔ اس ظلم کی کیا انتہا ہے کہ جس بات کا قرآن پاک میں نشان نہیں' رمق اور بو بھی نہیں اسکو قرآن پاک کی طرف بیدھڑک منسوب کیا جاتا ہے جس معترض کا سرمایۂ اعتراض' افترا و بہتان ہو بجز ذلت و رسوائی کے اور کیا فائدہ حاصل کرسکتا ہے۔ قرآن پاک میں کہیں نہیں ہے کہ خدا ہمیشہ انصاف نہیں کرتا کسی خاص دن انصاف کرتا ہے پھر اس کو قرآن شریف کیطرف منسوب کرکے اعتراض جمانا اور جھوٹ بول کر اس مقدس کتاب کو بدنام کرنیکی کوشش کرنا کس درجہ کی کمینہ حرکت ہے ایسے لچر اور لغو اعتراض جو قرآن پاک سے چھو بھی نہیں گئے اور اس پاک کتاب کے کسی ایک لفظ سے انکا تعلق نہیں پنڈت صاحب کی عمر قریری کا نتیجہ ہیں حقانیت قرآن کی ظاہر اور روشن دلیل ہے کہ دشمن معاند جوش عداوت میں اعتراض کرنے بیٹھتا ہے' اسکو قرآن پاک میں جائے حرف زدن نہیں ملتی' مجبور ہو کر افترا کرتا ہے اور اپنے دل کے پھپولے توڑتا ہے۔

پنڈت صاحب کا ترجمہ بھی غلط ہے' اور اس غلط ترجمہ کی بنیاد پر بھی اعتراض صحیح نہیں' کیونکہ "انصاف کا دن" مرکب اضافی ہے جہاں اضافت تخصیص کیلئے ہوتی ہے' وہاں مضاف الیہ قید ہوتا ہے اور مضاف خاص ہوتا ہے' نہ کہ مضاف الیہ خاص ہو جائے۔ زید کا گھوڑا' اور بکر کی کتاب' اسمیں گھوڑے اور کتاب کی تخصیص ہے' نہ کہ زید بکر کی' مگر پنڈت صاحب کو سخن فہمی سے کیا مطلب' اور ان کا دماغ ان باتوں سے کب آشنا ہے کہ وہ مضاف الیہ (انصاف) کی تخصیص نہیں بلکہ انحصار کے مدعی ہیں۔ ایک چیز کا دوسری کی طرف مضاف ہونا مضاف الیہ کی نسبت کو مضاف کے فرد مذکور میں منحصر نہیں کرتا' ورنہ زید بکر کا بیٹا ہے' اسکے یہ معنی ہونگے کہ بکر کا بیٹا ہونا

زیدیں منحصر ہے، اور دیانند صاحب آریہ کے پنڈت ہیں اسکے یہ معنی ہونگے کہ آریہ میں دوسرا پنڈت ہی نہیں، یہ ایسی باطل بات ہے جس کو ہر سلیم العقل جانتا ہے، مگر شوق اعتراض نے پنڈت صاحب کو ایسی بدیہی اور صاف بات میں ٹھوکر کھلائی، اور انہوں نے "روز انصاف" کے یہ معنی سمجھے کہ انصاف اس روز معین میں منحصر ہے۔ اس علم و فہم پر آپ کو "محقق" ہونے کا دعویٰ ہے، اور قرآن پر اعتراض کرنے کی ہمت، غنیمت ہے کہ پنڈت صاحب نے یہ اعتراض نہ کیا کہ روز جزا کا مالک، اور کسی دن کا مالک نہیں، کیونکہ انکی فہم سے کچھ بعید نہ تھا ورنہ پھر انہیں سمجھانا پڑتا کہ سلاطین کو مالک تاج و تخت کہتے ہیں، اسکے یہ معنی نہیں ہوتے کہ صرف تاج و تخت کے مالک ہیں، جاگیرات و اراضی، فوج و لشکر، کنیز و غلام، کچہری و دفتر وغیرہ کسی چیز کے مالک نہیں۔

پنڈت صاحب کی عادت ہے کہ وہ اپنے خیالات کو قرآن کی طرف منسوب کرکے ان پر اعتراض کیا کرتے ہیں، باوجودیکہ قرآن پاک میں انکا شائبہ بھی نہیں ہوتا سوءِ فہم اور بلادت تو پنڈت صاحب سے کچھ بعید نہیں، لیکن بے اصل بات کا الزام لگانا اور جس بات کا قرآن پاک میں نام اور اشارہ بھی نہ ہو، اسکو قرآن کا مدلول یا مفہوم ٹھہرانا غایت درجہ کی ذلیل حرکت ہے، لیکن قرآن پاک کے بے عیب ہونے کی دلیل ہے کہ معترض اسکے کسی حرف پر اعتراض نہیں کرسکتا، بمجبوری جھوٹی اور بے اصل باتیں اپنے دل سے گھڑتا ہے، تاکہ لوگوں کو بہکائے۔

پنڈت صاحب نے لکھا ہے کہ "ہم کیا بری بات میں بھی مدد چاہنا درست ہے؟" کسقدر بے اصل بات ہے یہاں بری بات کا ذکر ہی کہاں ہے؟ پنڈت خود لکھ چکے ہیں کہ اسی کی عبادت کرنا اور اسی سے مدد چاہنا تو درست ہے" یہ ٹھیک ہے۔ قرآن پاک نے جو فرمایا تھا وہ بیشک ٹھیک، جو کچھ پنڈت دل سے نکالا وہ اپنے منہ پر مارتے قرآن پر کیا اعتراض! جو بات اس میں ہے ہی نہیں، اسکا الزام قرآن پاک پر کیونکر آسکتا ہے بری بات کا تو قرآن پاک دروازہ

بند کر رہا ہے اور دنیا کی تمام برائیوں کو نیست و نابود کئے ڈالتا ہے اسکی نسبت یہ الزام بالکل
ایسا ہے جیسا کوئی یہ شخص یہ کہے کہ آفتاب میں سب خوبیاں ہیں لیکن اسکا توے کی
طرح کالا ہونا بہت عیب کی بات ہے اسکے جواب میں جو کہا جائیگا۔ پنڈت اسی کے
مستحق ہیں، پنڈت صاحب یہ دریافت کرتے ہیں "سیدھا راستہ کیا صرف مسلمانوں ہی
کا ہے"، یہ کوئی اعتراض تو نہیں ایک سوال ہے۔ جسکا جواب یہ ہے کہ بیشک منزل مقصود
تک پہنچانیوالا سیدھا راستہ صرف مسلمانوں ہی کا ہے ان الدین عند اللہ الاسلام
پنڈت صاحب فلسفہ سے بہت واقف ہیں اسلئے انہوں نے یہ سوال کیا ورنہ کوئی صاحب
خرد ایسا سوال نہیں کر سکتا۔ ہر منزل کیلئے کسی خاص مقام سے ایک ہی راستہ سیدھا ہو
سکتا ہے، باقی اور جس قدر راستے ہونگے سب ٹیڑھے اور خمیدہ ہونگے۔ کاغذ کے صفحہ پر دو نقطے
قائم کیجئے انکے درمیان راستوں کے خطوط کھینچئے" ایک سیدھا ہوگا" باقی سب ٹیڑھے ہونگے
کیا پنڈت صاحب، یا انکا کوئی ہوا خواہ دو نقطوں کے درمیان ایک خط مستقیم کے علاوہ
دوسرا خط مستقیم بھی بنا کر دکھا سکتا ہے؟ ـــــــ اسی پر کہتے تھے کہ وید سرچشمہ علوم
ہے؟ آج تک آپ کو یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ سیدھا راستہ ایک ہی ہو سکتا ہے دوسرا ناممکن
پنڈت صاحب نے اپنی عادت کے موافق یہ بھی کہا ہے کہ سیدھا راستہ بدی کا تو نہیں
چاہیے؟ باوجودیکہ قرآن پاک میں موجود ہے صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب
علیہم ولا الضالین اس میں صراط مستقیم کو متعین کر دیا ہے کہ ان لوگوں کا راستہ
جن پر تونے رحمت فرمائی نہ ان لوگوں کا جن پر تونے غضب کیا نہ گمراہوں کا۔ اس پر
بھی سودہ روش میں آنکھیں میچ کر سات رات اکارے جانا پنڈت صاحب کے باطن کا
نمونہ ہے۔ ان حرکات سے دنیا کو جو نفرت ہونا چاہیئے محتاج بیان نہیں۔ مجھے پنڈت صاحب
کے معتقدین پر تعجب ہے کہ انکا کیسا مضبوط اعتقاد ہے جو باوجود ایسے بطلان کے
خلل پذیر نہیں ہوتا مگر اس اعتراض کی تقریر میں پنڈت صاحب نے اپنے مذہب

خاتمہ ہی کر ڈالے، جو یہ فرمایا کہ اگر اچھی باتیں سب کی یکساں ہیں تو مسلمانوں کی خصوصیت نہ رہی اور اگر دوسروں کی اچھی باتیں نہیں مانتے تو متعصب ہیں۔

آواگون یعنی تناسخ کی بحث اور اسکا بطلان

اعتراض راہ ان لوگوں کی جن پر فضل کیا تو نے انکا راہ مت دکھا کہ جن پر تو نے غصہ کیا نہ گمراہوں کا راستہ دکھا۔ (منزل اول سپارہ اول سورۂ فاتحہ آیت ۶-۷) (محقق) جب مسلمان تناسخ اور پہلے کئے ہوئے گناہ اور ثواب نہیں مانتے تو بعض لوگوں پر رحمت کرتے اور بعض لوگوں پر نہ کرنے سے خدا طرفدار ٹھہراتا ہے، کیونکہ گناہ و ثواب کے بغیر رنج و راحت کا دینا قطعی بے انصافی کی بات ہے، اور بلا سبب کسی پر رحم اور کسی پر غضب کرنا یہ بات ہی نہیں بن سکتی۔

جواب پنڈت صاحب کے دماغ کی کہاں تک تعریف کیجائے، جو بات ہے بے محل جو صدا ہے بے ہنگم، وہاں بندے کو دعا کی تعلیم و تلقین ہے کہ وہ خداوند کریم سے راہ راست پر چلنے کی توفیق طلب کرے، جسکے چلنے والوں پر انعام ہوا ہے، اور کجروی سے محفوظ رہنے کی دعا کرے جسکے اختیار کرنیوالوں پر خدا کا غضب ہے، تو یہ ظاہر ہے کہ یہاں اس نعمت و غضب کا تذکرہ ہے، جو راہ راست پر چلنے اور اس سے انحراف کرنے کی جزا یا سزا میں ہو، اس پر یکہدینا کہ "بعض لوگوں پر رحمت کرتے اور بعض پر رحمت نہ کرنے سے خدا طرفدار ٹھہراتا ہے، کیونکہ گناہ و ثواب کے بغیر رنج و راحت کا دینا قطعی بے انصافی کی بات ہے" اس کلام کا یہاں کیا محل تھا؟ یہاں بغیر عمل کے رنج و راحت کا تذکرہ ہی کس نے کیا؟ جو آپ تناسخ لے دوڑے۔ ع سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست

لالہ صاحب کو ابھی تک فہم سخن کا تو سلیقہ ہی نہیں، اتنا شعور ہی نہیں متکلم کے کلام کو سمجھ سکیں کہ کیا کہہ رہا ہے، مگر نام کے محقق بنکر اعتراض بازی شروع کر دی، اب

ذرا سی آپکے تناسخ کی بھی خبر گیری کرتے چلیں جسکو آپنے یہاں بے موقع دھنسایا ہے۔ تناسخ کی سب سے بڑی دلیل جو پنڈت صاحب کے پاس ہے وہ یہی ہے کہ رنج و راحت بے سابقہ عمل متصور نہیں۔ درحقیقت یہ خود ایک دعویٰ ہے جو محتاج دلیل کا ہے۔ پنڈت صاحب اور انکے متبعین نے رنج و راحت کے جزا و سزا میں منحصر ہونے پر آج تک کوئی دلیل نہیں پیش کی نہ آئندہ کبھی پیش کر سکیں گے، بلکہ خود انکی عبارتیں، اور انکے قلم سے لکھے ہوئے الفاظ اور انکے وید کا طرز بیان انکے اس دعوے کی تکذیب اور ابطال کیلئے کافی شہادت ہے۔ رگوید[۱] آدی بہاشیہ بھومی کا ہیں پر جنم "یعنی بیانِ تناسخ میں سب سے منتر یہ پیش کیا ہے" اسے پران[۲] کے قائم رکھنے والے ایشور ہم اگلے جسم میں ہمیشہ سکھ پاویں، یعنی جب ہم پچھلے جسم کو چھوڑ کر اگلا آنیوالا جسم اختیار کریں، تو اس جسم میں ہمیں پھر آنکھ اور پران ملیں، اے بھگوان ہمیں اگلے جنم میں تمام سامانِ راحت دیجیئے" ہم تمام جنموں میں سورج کی روشنی دیکھ سکیں، اور اندر اور باہر جانیوالے پران سے بہرہ یاب ہوں، اے سب کو عزیز رکھنے والے پرمیشور ہم آپ سے یہی التجا کرتے ہیں کہ آپکی رحمت سے تمام جنموں میں سکھ حاصل ہو۔ (رگوید اسٹک وودھیا ورگ ۲۳ منتر ۶)

وید میں اس قسم کے صدہا منتر ہیں جنمیں اس قسم کی التجائیں تعلیم کی گئی ہیں، جو پنڈت صاحب کے دعوے کو باطل کر رہی ہیں۔ اگر تکلیف و راحت، رنج و خوشی، سکھ اور دکھ عملوں اور کرموں پر موقوف ہے اور پرمیشور اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کر سکتا" تو دعا کی تعلیم سراسر لغو اور ابلہ فریبی ہے اصول تناسخ کی بنیاد پر ایشور مجبور ہے کہ جیسے عمل ہوں ویسا بدلہ دینے پر اگلے جنم میں تمام سامان راحت دینا اسکے اختیار میں کیا ہے جسکی دعا وید میں تعلیم کی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وید کے مصنف کے نزدیک بھی تناسخ باطل ہے، اور ایشور قادر ہے کہ وہ اپنے کرم سے جس انسان کو چاہے راحت دے رگوید کا ساتواں منتر ملاحظہ فرمایئے۔

اے بھگوان آپکی عنایت سے ہمیں ہران، اشیاء خوردنی اور قوت ہر جنم میں حاصل ہوں زمین، سورج، انترکش (خلاء یا لائے زمین) اور سرم (نباتات) ہمیں پھر اگلے جنم میں زندگی دینے والے اور جسم کی پرورش کرنیوالے ہوں ہمیں قوت عطا کرنیوالے پرمیشور ہمیں اگلے جنم میں پھر دھرم کا راستہ دکھاتے رہیں ہر جنم میں آپکی رحمت سے سکھ حاصل ہو یہی آپ سے التجا ہے۔"

پنڈت صاحب جب آپکے قواعد سے نیکی کا بدلہ راحت دینے پر مجبور ہے اور بدی کا بدلہ رنج و تکلیف دینا بھی اسپر ایسا ہی لازمی اور ضروری ہے۔ اور معاف کرنا آپکے مذہب میں ایشور کے مقدور اور امکان سے باہر ہے تو رحمت و عنایت کے معنی کیا اور سکھ کی التجا کیسی؟ ویدآپ کے مدعا کو خاک میں ملا رہا ہے، اور تناسخ کے اصول کی بیخ کنی کر رہا ہے۔ اگر میں آپکو وید کے منتر شمار کراؤں جو آپکی تکذیب کرتے ہیں، تو آپ پریشان ہو جائیں یجروید ادھیائے ۴ منتر ۱۵ ملاحظہ ہو۔ اے جگدیشور مالک جہان! مجھے اگلے جنم میں آپکی عنایت سے علم وغیرہ نیک گنوں سے آراستہ من (دل) اور عمر نیک خیالات سے پُر اور پاک آتما آنکھ اور کان عطا ہوں تمام دنیا کو نور یا بصارت چشم عطا کرنیوالا پرمیشور جو مکر وغیرہ تمام حیلوں سے پاک اور جسم وغیرہ کا محافظ یعنی علم و راحت مطلق ہے جنم جنم میں ہمیں پاپ کے کاموں سے بچاتا ہو، اور ہماری حفاظت کیجیو تاکہ ہم پاپ سے بچکر ہر جنم میں سکھ پاویں"۔ اب فرمائیے کہ دعا پر دعا سوال پر سوال ایسے ایشور سے جو اپنی طرف سے کوئی راحت و آسائش دینے کا مالک و مختار نہیں کسی تکلیف سے بچانا اسکے اختیار میں نہیں کیونکہ کرم کا پھل بھوگنا ضروری ہے۔ ایسے مجبور اور لاچار ایشور سے سوال اور دعا غو و بے حاصل نہیں، تو کیا ہے؟ اور اگر اسکا کچھ حاصل ہے، اور ایشور کو بغیر عمل کے عنایت و مرحمت کا اختیار ہے تو تناسخ باطل اور آواگون غلط اور آپکا اعتراض آپکی گردن پر سوار کہ بغیر سابقہ عمل کے کسطرح اسنے رنج و راحت پہنچایا۔ اس سے اور بھی زیادہ سخت تر تکلیف اور عظیم مصیبت آپکیلئے وہ ہے جو ذیل میں بایں الفاظ تحریر ہے جنم جنم میں ہمیں پاپ کے کاموں سے بچاتا ہو"۔ اگر ایشور کی قدرت میں ہے کہ وہ مخلوق

کو گناہوں سے بچالے تو کسی کو بچالینا اور کسی کو نہ بچانا بلکہ دیدہ و دانستہ گناہ میں مبتلا کرنا آریہ اصول کی بناء پر انتہا درجہ کی ستمگاری اور ظلم ہے۔

درحقیقت آریہ ایشور کو مالک و مختار نہیں مانتے بلکہ مجبور و بے اختیار سمجھتے ہیں جب تو پنڈت دیانند نے قرآن پاک پر اعتراض کرتے وقت کہدیا کہ بعض لوگوں پر رحمت کرنے اور بعض پر نہ کرنے سے خدا طرفدار ٹھہرتا ہے کیونکہ گناہ و ثواب کے بغیر رنج و راحت کا دینا قطعی بے انصافی کی بات ہے یہ اعتراض قرآن پاک کیطرف متوجہ بھی نہیں ہوا جیسا کہ میں گزارش کرچکا ہوں اور مسلمانوں کا اعتقاد اس مضمون کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے۔

اہل اسلام خداوند عالم کی عظمت و جلالت سے باخبر اور اسکی قدرتِ تامہ اور مالکیت حقیقیہ پر ایمان رکھتے ہیں انہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ مالک الملک وہ قادرِ مطلق ہے جو اپنی ملک میں اپنی ملک میں جو کچھ بھی تصرف کرے وہ حق و بجا ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو مالک و قدرت کے معنی ہی کیا ہیں۔ لیکن پنڈت صاحب اللہ کے اوصاف کمال اسکی عظمت و جبروت سے بالکل ناواقف اور محض ناآشنا ہیں۔ انکے نزدیک ایشور کا یہی مرتبہ ہے کہ وہ کسی کو ذرہ بھر تکلیف یا راحت نہیں پہنچا سکتا لیکن وید کی دفعاؤں کا سلسلہ انکے قدم نہیں جمنے دیتا اور انکے خیال کو باطل کر دیتا ہے اور جو اعتراض انہوں نے قرآن پاک پر جانا چاہا تھا قرآن شریف تک تو نہیں پہنچ سکا خود پنڈت جی کی گردن کیلئے پھانسی بن گیا جس سے انکی رہائی کسی طرح ممکن نہیں۔

رگوید آدی بھاشیہ بھومکا مطبوعہ مفید عام پریس لاہور صفحہ ۱۳۱ میں ہے: جو پاپ کا کام کئے ہوتا ہے وہ اگلے جنم میں انسان کا جسم نہیں پاتا بلکہ حیوان وغیرہ کا جسم پاکر دکھ بھوگتا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انسان کا جسم وہی پاتے ہیں جو پچھلے جنم میں بالکل بیگناہ تھے کیونکہ پاپی کو انسان کا جسم نہیں مل سکتا۔ تو اس قاعدہ سے کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس نے پچھلے جنم میں کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ پھر حمل و وضع کی تکلیفیں جو سب کو پہنچتی ہیں کس گناہ کی پاداش میں ہیں؟ اب پاپ کس کے گھر سے آئیگا؟ کسی کو امیر دولتمند کسی کو مفلس

غریب، فقیر، حاجتمند کسی کو عورت، کسی کو مرد، کسی کو مخنث، کسی کو تندرست، کسی کو بیمار کر دینا بے سبب، بیگناہ اور ظلم عظیم آپکے اصول سے ایشور اس سخت جرم کا مرتکب ہے کہ اسنے بغیر کسی گناہ کے انسان کی پیدائش میں اسقدر فرق رکھے۔ دیکھئے آریہ اسکے لئے کیا سزا تجویز کریں؟

علاوہ بریں آریہ نے کسی کو معصوم تو مانا نہیں، انسانونکی عام حالت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ ایسی چیز ہے، جس سے کوئی شخص نہیں بچتا، بڑا نہیں چھوٹا سہی، بہت نہیں تھوڑا سہی کچھ نہ کچھ گناہ بندہ سے ہو ہی جاتا ہے، اور ایشور معاف کرنیکی تو قدرت ہی نہیں رکھتا، اور پاپی انسان کی جون نہیں پاسکتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی بھی انسان کی جون ہی نہ پائے، اور انسان صفحہ ہستی سے نیست و نابود ہو جائے۔

اگر عالم کا انتظام آریوں کے اعتقاد کے موافق ہوتا، تو عالم میں کہیں انسان کا نام و نشان بھی نہ ہوتا لیکن انسانوں کی کثرت، اور مردم شماری کا روز افزوں ترقی کرنا، ویدک دھرم اور اعتقاداتِ آریہ کے بطلان کی زبردست شہادت ہے۔ کہو پنڈت جی پھر قرآن پاک پر اعتراض کرو گے؟ غیرت۔ شرم۔ گھبرائیے نہیں! میں آپکی پوتھی اور کھولتا ہوں تاکہ آپکو معلوم ہو جائے کہ کس سرمایہ پر آپکو غرور ہے، اور کن اباطیل کو آپ کلام حق مان رہے ہیں، آپکی اندرونی حالت بھی آشکار ہو جائے ؎

اپنے سایہ سے کہیں آپ ہی جائے نہ جھجک — او پریوش تو ادھر ناز سے آتا کیا ہے
چٹکیوں میں اڑادوں ترا جوبن تو سہی — اے بتِ پردہ نشین تو نے سمجھا کیا ہے

رگوید آدی بھاشیہ بھومکا صفحہ ۳۱ میں ہے: "جو جیو ایشور کے کلام یعنی وید کو بخوبی جان اور سمجھ کر اس پر عمل کرتا ہے، وہ مثل سابق پھر عالموں کا جسم پاکر سکھ بھوگتا ہے"۔

وید کی اس عبارت میں صراحت ہے کہ جو وید کے پورے پورے عالم ہیں اور اسکو خوب اچھی طرح جانتے ہیں، اگر وید کیمطابق عمل کریں، تو اگلی جون میں انکو عالموں کا جسم ملیگا اور وہ سکھ ہی پائینگے دکھ نہ پائینگے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ جب سے دنیا میں سلسلۂ آمد و رفت (آواگون)

مانا جاتا ہے؟ آیا کبھی کسی شخص کو بھی ایشور نے اپنے اس قانون سے نوازا ہے اور کبھی اس اصول پر
عملدرآمد ہوا؟ میں یقین کرتا ہوں کہ کسی سمجھدار انصاف پسند شخص خواہ وہ آریہ ہی ہو اسکا جواب
نفی میں دیگا۔ اور بات یقینی ہے کہ ایشور نے کبھی کسی پر ایسی مہربانی نہیں کی۔ مثال کے طور پر آریہ
مذہب کے پیشوا پنڈت دیانند کو سامنے لائیے وہ آریہ مذہب اور ویدک دھرم کے عالم ہیں، ویدک
اس قانون سے لازم آتا ہے کہ انہوں نے عالموں کا جسم پچھلے جنم کی راستبازی اور نیکوکاری اور علم
عرفاں کیوجہ سے پایا ہو لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جب وہ پچھلے جنم میں وید کے بخوبی عالم تھے اور انہوں
نے اسکے مطابق عمل کیئے تھے جسکی وجہ سے انہوں نے عالموں کا جسم پایا تو پھر کیا وجہ ہے کہ
وید کے وعدہ کیمطابق اور ایشور کے قانون کے بموجب وہ پورا پورا سکھ حاصل نہ کر سکے اور
دکھ سے بکلی محفوظ نہ رہ سکے۔ یہ دعویٰ باطل ہوگا کہ پنڈت دیانند کو اپنی حیات میں کوئی
تکلیف بدنی، مالی، اعتزازی پہنچی ہی نہیں، بچپن سے بڑھاپے تک وہ کبھی بیمار نہیں ہوئے، کسی
عضو میں درد نہیں ہوا، آنکھ نہیں دکھی، کھانسی اور زکام تک سے محفوظ رہے، کسی کام سے تھکن
نہیں ہوئی، مناظرہ کی مجلسوں میں جانے سے پہلو تہی نہیں کی، اگر کبھی مناظرہ کا اتفاق ہوا تو
اپنے مقابل سے مجمع کے سامنے شرمندگی نہیں اٹھائی؟ میں امید کرتا ہوں کہ آریوں میں سے کوئی
ایسا دعویٰ کرنیکی جرأت نہ کریگا۔ تو پنڈت صاحب کے لئے دکھ ثابت ہوگیا۔ اور اس سے بھی بڑھ
کر انکا جھیڑی شدہ دکھ ثابت کر دیا جائے جو رگوید کے اسی صفحہ میں نرکت ادھیائے ۱۳ کھنڈ ۲۹
سے منقول ہے "میں مرا ہوں اور پھر پیدا ہوا ہوں، اور پھر پیدا ہو کر پھر مرا ہوں ہزاروں قسم کی
جون میں پڑ چکا ہوں، قسم قسم کی غذائیں کھائیں، اور مختلف پستانوں کا دودھ پیا، بہت سی
مائیں دیکھیں اور بہت سے باپ، اور دوستوں سے تعلق ہوا، اوندھے منہ بڑی تکلیف میں حمل
کے اندر رہا" اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہو کہ حمل میں بچہ کو بہت سخت تکلیف پہنچتی ہے
کیا آریہ یہ ثابت کرنیکی ہمت کر سکتے ہیں کہ پنڈت دیانند صاحب حمل میں نہیں رہے؟ ایسا نہیں
ہے حمل میں انہیں تکلیفیں پہنچیں، اور ضرور پہنچیں تو وید کے ایشور کا سکھ دینے کا وعدہ غلط ہو

گیا۔ اور جب تمام انسان اسی طریقہ سے پیدا ہوتے ہیں، تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا یہ وعدہ کبھی پورا نہیں ہوا اور اس قانون کو کبھی نفاذ میسر نہیں آیا۔ آپکے پاس سب سے مقدس اور پاک ہستیاں صرف ان چار رشیوں کی ہیں، جن پر آپکے زعم میں وید کا الہام ہوا۔ وہ بھی اگر اس طریقہ سے پیدا ہوئے، تو انکا بھی یہی حال ہے، کامل سکھ سے وہ بھی محروم رہے ہیں، دکھ اور تکلیف سے وہ بھی نہ بچ سکے، ایشور کا قانون انکے حق میں بھی بیکار اور نکما ہی رہا، اور وید کا ایشور اپنے وعدہ کو عاملان وید کے ساتھ وفا کرنے سے بھی مجبور رہا اور اگر یہ کہئے کہ وہ توالد و تناسل کے طریقہ سے ماں اور باپ سے نہیں پیدا ہوئے، بلکہ وہ انہی بہت سے لوگوں میں سے تھے جو آریہ اعتقاد کی رو سے ابتدائے دنیا میں بغیر ماں باپ کے جوان جوان پیدا کئے گئے تھے، تو یہ دریافت طلب ہے کہ الہام کیلئے ان کثیر میں سے ان چار کی کیا تخصیص؟ اور تم پر یہ ثبوت دینا ہوگا کہ انکو مدت حیات میں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی؟ کم از کم موت آنا تو انکے حق میں مسلم ہوگا، وہ کیا کچھ کم دکھ ہے؟ بہر حال یہ وعدہ کسی طرح پورا نہیں ہو سکتا اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایشور کی خدائی میں سب پاپی اور بدکار ہی بستے ہیں۔ آج تک ایک راستباز ہوا ہی نہیں، جسکو وہ اپنی مہربانی سے نوازتا اور سکھ عنایت کرتا اور دکھ سے بکلی نجات دیتا۔ یا یوں کہئے کہ اسکی ایسی عادت ہی نہیں

ع وہ ظالم کسی کو نہیں بخشتا ہے۔ نیک و بد سب کو آزار پہنچانا ایک ہی لاٹھی سے سبکو ہانکنا، اسکی خو خصلت میں داخل ہے۔ درحقیقت تناسخ ایک ایسا لچر خیال ہے، جس کے ماننے والوں کو لامحالہ بیشمار الزام کھانا، اور ندامتیں اٹھانا پڑتی ہیں۔ رگوید کی عبارت میں "عالموں کا جسم پانا" بہت عجیب بات لکھی ہے۔ اگر یہ کہا جاتا کہ اگلے جنم میں جیو کو علم دیا جاتا ہے، تو چنداں قابل گرفت نہ تھا، مگر عالموں کا جسم پانے سے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مصنف کے خیال میں علم جسم دینے کے تو یہ معنی ہوئے کہ مختلف قسم کے جسم تیار ہیں، کوئی علم والا کوئی جہل والا جسکو علم والا جسم دیا عالم ہو گیا، جسکو جہل والا جسم دیدیا جاہل ہو گیا۔ اگر درحقیقت یہی مراد ہے، تو عقل و خرد پر ہزار آفریں! ایسی بدیہ البطلان بات زبان سے نکالنا آپکا حصہ ہے

اور اگر کسی اور معنی کو ان الفاظ میں ادا کرنا چاہا ہے، اور ناقص و بے محل عبارت لائی گئی ہے، تو یہ علم و لیاقت کی خوبی ہے اس قابلیت پر محقق ہونے کا دعویٰ کتنا زیبا ہے۔ ہم لفظی اغلاط کے درپے نہیں ہونا چاہیئے۔

رگوید آدی بھاشیہ بھومکا میں پاپ اور پُن کا پھل بھوگنے کے دو راستے بتائے ہیں ہیں، ایک "پتری یان" دوسرا "دیویان"۔ دوسرے کی نسبت لکھا ہے "اور دیویان وہ ہے جس میں موکش کے درجہ کو حاصل کر کے مرنے اور پیدا ہونیکے جنجال یعنی دینوی بندھن سے آزاد ہو جاتا ہے ان میں سے پہلے میں جیوا اپنے کمائے ہوئے پُن کے پھل بھوگ کر پھر پیدا ہوتا ہے اور پھر مرتا ہے اور دوسرے راستہ پر چلنے سے دوبارہ پیدا نہیں ہوتا۔"

اس عبارت نے تو تناسخ کا خاتمہ ہی کر دیا ہے۔ اس سے تو عالم کے ابدی ہونیکا خیال بھی باطل ہے جو آریوں کے عقائد میں سے ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں جیو موکش کے درجہ کو حاصل کر کے مرنے اور پیدا ہونیکے جنجال سے آزاد ہو جائیں، تو عالم حیوانات و نباتات بالکل معدوم ہو جائیگا۔ گائے بیل بھینس، بکری، اونٹ، ہاتھی، چرند پرند حشرات الارض سب ناپید ہو جائینگے، اور اس سے آریوں کے اس قول کا بطلان ظاہر ہوتا ہے کہ سلسلہ توالد و تناسل قدیم ہے، اور ہمیشہ اسی طرح جاری رہیگا جب ارواح نجات پاکر دوبارہ پیدا ہونے اور مرنے سے آزاد ہو جائینگی، تو یہ سلسلہ کہاں رہا؟ نیز پنڈت دیانند کا یہ قول بھی باطل ہوتا ہے کہ ایشور کسی کو ہمیشہ کیلئے راحت نہیں دے سکتا، بلکہ نیک سے نیک شخص کو بھی ایک مدت معینہ کیلئے مکتی خانہ بھیج دیا جاتا ہے جسطرح قیدیوں کو مدت مقرر کر کے جیل بھیجدیا کرتے ہیں، اور جب وہ مدت ختم ہوئی، تو مکتی خانہ سے نکالدیئے گئے۔

روئے گل سیر ندیدند و بہار آخر شد

لیکن رگوید کی یہ عبارت بتاتی ہے کہ وہ دینوی بندھن سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اگر بالفرض اسکو پھر گرفتار کیا جائے اور کسی جون میں لایا جائے، تو اسکا قصور بتانا ضروری ہوگا، اور جو

جون اسکو دیجائیگی تو وہ کس عمل کی پاداش میں ہوگی۔ کیا آریہ اس گتھی کو سلجھانیکی کوشش کرینگے؟

علاوہ بریں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جیو یعنی روح کا کسی نہ کسی جسم سے متعلق ہونا واجب اور ضروری نہیں بلکہ روح مجرّد بھی رہ سکتی ہے۔ یہ بات ہے جس نے تناسخ کے دلائل کا قلع قمع کردیا اور درحقیقت آریوں نے یہ مسئلہ نہایت مضحکہ انگیز اور غیر عاقلانہ طریقہ سے مانا ہے پھر جیو کے ایک جسم سے دوسرے جسم تک پہنچنے کی جو صورت وید نے بتائی ہے اسکو دیکھ کر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ یجروید ادھیائے ۱۹ منتر ۴۷ میں ہے:۔ "جب جیو پچھلے جسم کو چھوڑ کر ہوا پانی اور نباتات میں سے گزرتا ہے، باپ یا ماں کے جسم میں داخل ہوتا اور بار بار جنم پایا ہے، تب وہ جیو جسم اختیار کرتا ہے"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آریوں کے اعتقاد میں روح بدن سے نکل کر ہوا میں گھومتی پھرتی ہے پھر پانی میں غوطے لگاتی ہے پھر نباتات یعنی ساگ وغیرہ پر بیٹھ کر غذا کے ساتھ مرد یا عورت کے جسم میں داخل ہوتی ہے۔ اول تو یہ ترکیب کتنی عجیب وغریب ہے جسے سنتے ہی عقل کو ایک حیرت ہوتی ہے، اسکے علاوہ یہ کس قدر نفیس بات ہے کہ روح نباتات ہی کی وساطت سے جسم میں داخل ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص نباتی غذائیں ترک کردے اور حیوانی غذائیں کھایا کرے گوشت کباب، دودھ، دہی میں اسکی غذا منحصر ہو تو وید کے اصول سے کبھی اسکے اولاد نہیں ہوسکتی کیونکہ جیو اسکے جسم میں داخل ہی نہیں ہوسکتا۔ داخل تو جب ہی ہوتا ہے جب وہ بھجیا کھاتا ہے مگر اس نے ایسا نہیں کیا تو وید کے قاعدہ سے اسکے اولاد نہیں ہوسکتی۔ لیکن تجربہ وید کے اس قانون کو غلط ثابت کر دیگا، اور گوشت خور کی اسقدر کثیر اولاد ہوگی کہ بھجیا والے دیکھ کر ترسا ہی کرینگے۔ عالم حیوانات میں اگر نظر ڈالئے تو آنکو بہت کثیر ایسے حیوانات ملینگے جو نباتات سے آشنا نہیں۔ بعضے مٹی چاٹتے ہیں، بعضے ہوا یا پانی کے کیڑے مکوڑے کھاتے ہیں، بعضے شکاری ہیں کہ وہ پرندہ یا چرندہ کے شکار ہی پر بسر کرتے ہیں، اور ان سب کی نسلیں جاری ہیں، یہ تمام شہادتیں وید کی اس بعید از عقل وقیاس تعلیم

کو لغو و مہمل ثابت کرتی ہیں علاوہ بریں یہ کسقدر نرالی بات ہے کہ نباتات کے ذریعہ سے جیو
ماں یا باپ کے جسم میں داخل ہو کر جنم پاتا ہے۔ فرض کیجئے جس بوٹی پر جیو سوار تھا اسکو کسی نابالغ
بچہ نے کھالیا تو چاہیئے کہ اس بچہ کے اولاد ہو یا جیو زمانہ بلوغ تک اسکے پیٹ میں قید رہے۔ تو یہ
جنم لینے سے پہلے سزا ہو گئی اور جب بغیر جنم لئے سزا ممکن ہوئی تو سزا کیلئے جنم غیر ضروری ہوا
تناسخ باطل۔ اور اگر ناگہانی طور پر کسی برہمچاری (مجرد) نے اس بوٹی کو کھالیا اور وہ جیو
اسکے جسم میں داخل ہوا تو فرمائیے کہ مدت العمر قید ہی رہیگا یا اس برہمچاری مرد کے بچہ پیدا
ہوگا؟ کیا ابتک وید کی اس تعلیم کا کوئی نشان پایا گیا ہے؟ اور کسی برہمچاری نے بچہ جنا ہے؟
اگر وہ بوٹی عنین (نامرد) یا خصی مجبوب مقطوع الآلہ کی غذا بنی اور جیو اسکے جسم میں داخل
ہوا تو وہ کس راہ سے جنا جائیگا، کان سے ناک سے؟ اور اگر کسی ناکتخدا کنواری لڑکی یا بانجھ پن
کرنیوالی عورت نے وہ بوٹی کھائی، تو بغیر شوہر ہی کے اسکے اولاد ہو جائیگی؟ آیا آریہ ایسا مانتے
ہیں؟ اگر روح غذا کے ذریعہ سے ابتداً ماں کے جسم میں داخل ہو جاتی ہے تو اولاد ہونے کیلئے
مرد کیوں درکار ہے؟ ایسا عاقلانہ اور ہوشمندانہ خیال تعجب ہے کہ عقل و ہوش رکھنے
والوں کا عقیدہ ہو سکے۔

پنڈت دیانند اسی تناسخ کے معتقد ہیں، اور قرآن مجید کی آیات میں اسکو ٹھونسنا چاہتے
ہیں۔ یقیناً کتاب الٰہی ایسی لغویات سے پاک ہوتی ہے بلکہ کسی عقلمند آدمی کی زبان و قلم
سے ایسی باتیں نہیں نکل سکتیں، جو بچوں کی نگاہوں میں بھی قابل مضحکہ ہیں۔

اب میں آریہ صاحبان سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ آیا دار العمل اور دار
الجزاء میں کوئی فرق و امتیاز کرتے ہیں یا نہیں؟ اور اس لحاظ سے انکے نزدیک جونیں دو قسم
پر منقسم ہیں یا نہیں یعنی ایک تو ایسی جونیں جنمیں جیو کو عمل کرنے کیلئے آزاد چھوڑ گیا ہو اور
اس جون میں کسی قسم کی جزا و سزا سے کوئی تعلق نہ ہو۔ دوسری وہ جونیں جنمیں جیو کے پاپ
اور پن کے لحاظ سے جزا و سزا دیجائے۔ اگر آریہ دھرم نے کہیں ایسی تقسیم ہے تو اسکا پتہ دیجئے

مگر میں جانتا ہوں کہ آریہ کے اصول انکو اس تقسیم کیطرف نہ جانے دینگے، اسلیئے دکھ اور سکھ کو ہر رنج یا راحت کو وہ جزاء و سزا میں منحصر مانتے ہیں، اور کوئی جون اس سے خالی نہیں ملتی تو ہر جون دار الجزاء ہے، اور جزا کیلئے تقدم عمل ضروری ہے۔ اور جب کوئی جون جزا سے خالی نہیں، تو لا محالہ عمل ہی ان تمام جونوں میں تسلیم کرنا پڑیگا تو نتیجہ یہ نکلا کہ ہر جون دار العمل بھی ہے اور دار الجزاء بھی

میں پوچھتا ہوں کہ ایک جیو جس نے رنڈی کے گھر میں جنم لیا، اور ایک جیو جسنے راجہ کے گھر میں جنم لیا، اور ایک جیو جس نے کسی وید کے عالم پنڈت کے گھر میں جنم لیا کیا ان سب کے عمل اپنی پچھلی زندگی میں یکساں تھے؟۔ اگر ایسا ہو تو انکے ساتھ مختلف قسم کا سلوک ظلم ہوگا کہ ایک کو ایسے گھر میں پیدا کیا جس میں پیدا ہونا اسکے لئے انتہا درجہ کی ذلت ہے اور باوجود اسکے اس گھر میں ایسی تعلیم ملتی رہتی ہے ایسی تربیت و صحبت ملتی ہے جس سے اسکے لئے بدکاری طبیعت ثانیہ ہو جائے۔ کیا یہ ذلت اور ایسی خراب صحبت، اور ایسی غلط تعلیم، یہ کل اسباب جیو نے خود مہیا کئے ہیں؟ ایسا تو نہیں ہے۔ ایشور ہی نے اسکو اس گھر میں پیدا کیا اسی نے یہ صحبت و تربیت بہم پہنچائی۔ تو ضرور ہے کہ کسی عمل کی پاداش میں اسکے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ہوگا دوسرا جیو جس نے راجہ کے گھر میں جنم لیا ہے، اس گھر میں پیدا ہونا اسکے لئے غایت درجہ کی عزت ہے اور اسکو اچھی صحبت اور اچھی تربیت اس جون میں خود بخود میسر ہے۔ اسکے ساتھ یہ سلوک بھی آریہ اصول کی بنا پر ضرور کسی نہ کسی نیک عمل کی جزا میں ہے، اور جسقدر سامان عیش، اور اختیار اس گھر میں اسکو حاصل ہونگے، وہ سب کسی نہ کسی نیکی کا بدلہ ہیں، تیسرا بچہ جو کسی وید کے عالم عامل رشی کے گھر میں پیدا ہوا، اسکو وید کی تعلیم حاصل کرنے، اسپر عمل کرنے کیلئے پہلے دونوں بچوں سے زیادہ سہولت حاصل ہے۔ اسکو وید کی تعلیم ایسی عمدہ بہم پہنچانا یہ بھی ضرور کسی عمل کا بدلہ ہے۔ جب ان تینوں بچوں کی حالتیں اس قدر مختلف و متفاوت ہیں تو انکے سابقہ اعمال کا یکساں ہونا وید ماننے والوں کے اصول پر ایک ناممکن بات ہے۔ بالجملہ ہر ایک اپنے کردار کے موافق اسباب پاتا ہے وہ جیو جسکی سزا یہی تھی کہ رنڈی کے گھر پیدا

ہو، رنڈی کی صحبت میں رہے، رنڈی کی تربیت پائے اور پھر رنڈی بنکر دنیا میں ذلت کے ساتھ دیکھا جائے، رسوائی و بےعزتی کا عذاب اختیار کرے کیا پھر اس جرم میں پکڑا جائیگا کہ اسنے بدکاری کیوں کی، بری صحبت میں کیوں رہا؟ یا نہ پکڑا جائیگا؟ اگر نہ پکڑا جائیگا تو کیا ایسے عمل کرنیوالوں کو آئندہ کیلئے کسی عمدہ جون پانے، اور راحتیں حاصل کرنیکا امید وار رہنا چاہیئے اور اگر پکڑا جائیگا تو کیا جو مصیبت کہ اس پر سزا اً ڈالی گئی تھی، پھر موجب سزا ہو جائیگی؟ جس شخص کو کسی جرم کی پاداش میں جرمانہ کی کوئی سزا دیگئی ہو کیا پھر اس جرمانہ کو اسکی خطا قرار دیکر اسکو دوبارہ سزا دی جاسکتی ہے؟ یا جس اہلکار کو کسی قصور پر ایک ماہ کیلئے معطل کر دیا گیا ہو، اسکو اسی ایک ماہ کام نہ کرنے کے بدلہ میں پھر سزا دیجاسکتی ہے؟

جب ایک جیو کو ایشور نے کسی گناہ ہی کی سزا میں رنڈی بنایا ہے، تو اب اسکے افعال کسطرح قابل مؤاخذہ ہوسکتے ہیں۔ دیکھئے تناسخ کا اعتقاد کرنے سے کیسے برے نتائج پیش آتے ہیں۔ رنڈی بنکر بدکاری کرنا قابل سزا، اور لائق گرفت نہ رہا۔ یہ تو ایک طرف دوسری جون میں ایشور رنج دیگا یا راحت، اسکا فیصلہ آپکو متعذر ہے کیونکہ اس جون کے جسقدر عمل تھے وہ تو سب سزائیں تھیں، نئی جون کیلئے کون سے عمل ہیں جن پر رنج وراحت دیجائیگی۔

اسی طرح ایک جیو جس نے بھنگی کے گھر میں جنم لیا، اور ہوش سنبھالتے ہی ضرورت معاش نے اسکو اپنے کسب موروثی کی پابندیوں پر مجبور کیا۔ بچپن ہی کی عمر میں بغل میں ٹوکری اور ہاتھ میں جھاڑو لئے ہوئے سڑکیں صاف کرتا، اور نجاستیں دور کرتا پھرتا ہے، تمام کو تک کر پڑا رہتا ہے۔ یہ نادانی اور طلب علم کی عمر اس ذلت وخواری اور تکلیف کے ساتھ کاٹتا ہے، اور پھر عمر بھر کیلئے یہی گندہ خدمت اسکا طریق زندگانی اور طرز معاش ہوتی ہے، اور وہ اپنی عمر کے طویل عرصہ میں علم حاصل کرنے کیلئے فراغ نہیں پاتا کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ وید کے مطابق عمل کر سکے۔ اب ویدک دھرم کیخلاف ہونیکی وجہ سے اگلی جون میں اسکو کوئی سزا دی جائیگی۔ اگر ایشور سزا نہ دے، تو آریہ دھرم کی بنیاد پر وہ ظالم ٹھہرتا ہے کہ خطاکار کو سزا نہ دینا اور عفو

کرنا بھی اس مذہب میں ظلم ہے۔ نیز اس تقدیر پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ انسان کی نجات کیلئے وید پر عمل کوئی ضروری چیز نہیں ہے، بلکہ بری سے بری پر جرائم زندگانی بسر کرتے پر بھی نجات مل سکتی ہے، اور اس سے تناسخ کے تار مکڑی کے جالوں کیطرح ٹوٹ جاتے ہیں کہ بغیر عملوں کے بلکہ باوجود برے عملوں کے نجات مل گئی، تو عمل پر جزا کا مدار نہ رہا۔ اور اگر ایشور اس بھگی پر عذاب کرے، اور اس کو کسی بری جون میں گرفتار کر کے سختی و مصیبت میں مبتلا کرے تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر پنڈت کے گھر میں پیدا کیا ہوتا، اور وید کی تعلیم میرے کان میں پڑی ہوتی، اور پھر میں نے اطاعت نہ کی ہوتی، تو میں مجرم ہو سکتا تھا جب مجھے ایسی جگہ پیدا کیا جہاں وید کی صدا سے کان ہی آشنا ہو ہی نہیں سکتے تھے، اور ایسی صحبتیں تھیں جہاں ان باتوں کا کبھی تذکرہ بھی نہ تھا، تو پھر وید پر عمل کرنا میرے امکان میں کہاں تھا، اور کسی ناممکن بات کے نہ کرنے پر کوئی شخص کیسے مجرم قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس اعتراض کا ایشور کے پاس کیا جواب ہے؟ ظاہر ہے کہ کچھ جواب نہیں۔ پھر بھی اگر اسکو سزا دے، تو یہ سزا بے سابقہ جرم ظلم ہو گی۔

اسی طرح ان ممالک کے رہنے والے جہاں زبان تو کیا وید کے نام اور وید کے ماننے والوں سے بھی لوگ واقف و آشنا نہیں ہیں، اور انکو خبر نہیں ہے کہ وید کوئی چیز بھی ہے یا نہیں کیا انہیں بھی وید پر عمل نہ کرنیکی وجہ سے گرفتار کیا جائیگا یا نہیں؟۔ اور سزا دی جائیگی یا نہیں اگر دی جائیگی، تو سزا بے جرم ہے، نہ دی جائیگی تو عمل بلا سبب سزا نہیں۔

کہئے تناسخ کتنا عاقلانہ اعتقاد ہے؟ اسکا اسی زمانہ میں چلن ہو سکتا تھا اور یہ سکہ جبھی رواج پا سکتا تھا جب انسان وحوش کیطرح زندگانی بسر کرتے تھے، اور علم و خرد سے انکو سر وکار نہ تھا آج جب دنیا کے ہاتھ میں علم کی نورانی مشعلیں ہیں تو انکو تاریک گڑھے میں گرا لینے کی توقع عبث ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حیوانات کی جونیں دار العمل اور دار الجزا، دونوں تو ہو ہی نہیں سکتیں

اسکا بطلان تو ظاہر ہو چکا۔ اب صرف تین صورتیں باقی رہ جاتی ہیں، ایک یہ کہ تمام جونیں دار العمل ہوں تو پوچھا جائیگا کہ جزا کہاں دی جائیگی؟ اور زندگی میں جو تکلیفیں یا راحتیں پہنچیں وہ کیوں پہنچیں؟ کیونکہ آریہ کے نزدیک رنج و راحت جزا یا سزا میں منحصر نہیں ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ آریہ اصول کی بنا پر یہ جونیں تنہا دار العمل بھی نہیں ہو سکتیں۔ تو دوسری صورت یہ ہے کہ تمام جونیں دار الجزا ہوں اس صورت میں دار العمل بتلا دینا ہوگا کہ وہ کونسی ولایت ہے جہاں کے عملوں کی پاداش میں دیجاتی ہے۔ یہ بتانا بھی آریوں کو محال سے کم نہیں۔ اب تیسری صورت صرف یہ باقی رہتی ہے کہ بعض جونیں دار العمل ہوں اور بعض دار الجزا۔ اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جو جونیں دار الجزا قرار دیجائیں انمیں جیو صرف پھلے کرم یعنی اعمال سابقہ کا پھل بھوگیں اور بدلہ پائینگے، اور ان پر تکلیفی احکام، فرائض اور منہیات کچھ نہ ہونگے۔ اگر ایسا ہے تو اس جون کے بعد پھر دوسری جون انسانی خواہ حیوانی کوئی بھی ہو، انہیں کس استحقاق میں ملیگی؟ اگر بے استحقاق ملی تو راحت و رنج اور داد و دہش کیلئے تقدم عمل ضروری نہیں رہتا اور تناسخ کی بنیاد و برباد ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس جون میں کچھ ان پر تکلیفی احکام بھی ہوں جن پر عمل کرنے سے وہ آئندہ اچھا جنم اور سکھ پانیکے مستحق، اور خلاف کرنے پر سزا اور عذاب کے متوجب ٹھہریں، تو یہ جون تنہا دار الجزا نہ رہی۔ اور باوجود اسکے یہ سوال ہوتا ہے کہ ان احکام کی تعمیل کیلئے انسانوں کیطرح دوسرے جانداروں کے پاس بھی کوئی دستور العمل، کوئی دستور العمل، کوئی وید کی تعلیم دینے والا پنڈت پہنچتا ہے، جو ایشور کی مرضی اور نامرضی یعنی نیک و بد افعال کے امتیاز بتائے، اور وید کی وہ تعلیم ان تک پہنچائے جو آریہ اعتقاد میں نجات کیلئے ضروری ہے اگر انکے لئے کوئی وید و پنڈت ہے تو کہاں؟ کس صورت میں؟ کسطرح تعلیم دیتا ہے؟ ثبوت دیجئے۔ اور نہیں تو انسان کو ہر جنم میں باوصف کمال ادراک ایک دستور العمل اور وید دیا جائے اور اسکی رہنمائی کیجائے، اور یہ گزرد حیوانات کو جو عقل و خرد میں انسان سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتے ان احکام کی خبر تک نہ دیجائے جن پر عمل کرنا انکی نجات کیلئے ضروری اور لازمی

ہے. پھر انہیں ماخوذ کرنا اور سزا دینا عقلاً کب درست ہے خود پنڈت دیانند صاحب نے اسی سورۃ فاتحہ پر زبان کھولتے ہوئے لکھا ہے:-

"جس کتاب میں طرفداری کی باتیں پائی جاویں وہ کتاب خدا کی بنائی ہوئی نہیں ہو سکتی مثلاً عربی میں نازل کرنے سے عرب والوں اسکا پڑھنا سہل اور دوسری زبان والوں کو مشکل ہو جاتا ہے اس سے خدا طرفدار ٹھہرتا ہے، اور جس طرح خدا نے کل زبان کے رہنے والے آدمیوں پر نظر انصاف سے سب ملکوں کی زبان سے نرالی سنسکرت زبان میں جو سب ملک والوں کیلئے یکساں محنت سے حاصل ہوتی ہے، ویدوں کو نازل کیا ہے، ایسی ہی زبان میں میں اگر قرآن کو نازل کرتا تو یہ نقص عائد نہ ہوتا" (ستیارتھ ۷۶۱)

خود اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے ماننا پڑیگا کہ انسانوں کو وید دینے اور حیوانوں کو محروم رکھنے سے ایشور پر طرفداری اور ظلم کا الزام آتا ہے جبکہ وہ بھی انسانوں کی طرح مکلف ہیں اور انہیں بھی نیک و بد اعمال کی سزا ملتی ہے۔ —— اسکے ساتھ ہی یہ بھی بتانا ہوگا کہ وہ جانور جنکی غذا گوشت پر منحصر ہے، اور انکی زندگانی کا دارومدار شکار ہی ہے جو کبھی گھاس اور دانہ کیطرف التفات نہیں کرتے اور یہ انکی نوع کا خاصہ ہے، جو انکے تمام افراد میں پایا جاتا ہے اور کوئی فرد اس سے مستثنیٰ نہیں ملتا۔ آیا انکی یہ خوراک گناہ یا جرم ہے؟ ایسا تو ہو نہیں سکتا، کیونکہ شکار اور گوشت خوری انکا طبعی مقتضا ہے، انکے بنانے والے نے، انکے پیدا کرنیوالے نے انکی فطرت میں یہ اقتضاء رکھا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا، تو انکا کوئی فرد تو ترک گوشت کرتا، یا سب نے متفقہ اتفاق کر لیا ہے کہ ایشور کے قانون کو توڑنا چاہیئے، وہ بھی نان کوآپریٹر ہو گئے ہیں؟ (NON-COOPRATOR) یہ بھی بداہتہً باطل، تو لا محالہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ گوشت انکی جائز غذا اور مباح خوراک ہے۔ اور گوشتوں ہیں بھی یہانتک وسعت کہ ہندوؤں کی گئو ماتا تک سے انہیں درگزر نہیں۔ آیا گوشت کی اباحت اور شکار کا جواز انہیں وید کا عطا کردہ انعام ہے؟ اسپر یہ سوال ہوتا ہے کہ جو وید انکے لئے گوشت کو جائز کرتا ہے دوسرے حیوانات کیلئے کیوں ناجائز

کرتا ہے؟ ـــــ دیکھا آپ نے تناسخ کا ثمرہ اور آواگون کا تماشا!

پنڈت دیانند صاحب سے پوچھو کیا ہوئیں انکی تعلیاں۔ اسی منہ سے قرآن پاک پر اعتراض کرتے تھے۔ مگس فضلہ خوار را بشہباز ے آہنگ ہمسری۔

مگر یہ دعویٰ جانچنے کے قابل ہے کہ وید تمام بنی نوع انسان سے نسبت برابر رکھتا ہے اول تو ایسی زبان میں ہونا جو کسی ملک میں نہ بولی جاتی ہو کسی قوم کی زبان نہ ہو اک مخلوقی انسانوں کی تعلیم کیلئے جو کتاب ہوگی ضرور ہے کہ انسانوں کی زبان میں ہوگی۔ اس سے بھی قطع نظر کیجئے تو میں پوچھتا ہوں کہ رشی جنکو آریہ کے خیال میں وید کا الہام ہوا وید کی زبان کو سمجھے تھے یا نہیں؟ اگر سمجھتے تھے تو کسطرح۔ آیا وہ انکی مادری زبان تھی؟ یہ تسلیم کیجئے تو وہ زبان تمام انسانوں کیلئے یکساں دشوار نہیں رہی۔ اگر سنسکرت رشیوں کی مادری زبان نہ تھی، اور انکے لئے بھی اتنی ہی مشکل تھی، جتنی آج یورپ و امریکہ والوں کیلئے ہے تو سوال یہ ہے کہ انہوں نے وید کو کیسے سمجھا؟ اور جو ذریعہ وید کی تفہیم کا ایشور نے انہیں دیا تھا، اور اسبابوں سے وید کا سمجھنا انہیں آسان کیا تھا، وہی اسباب دوسروں کو کیوں نہ دیئے؟ اس سے تو ایشور طرفدار ٹھہرتا ہے، اور اسکا انصاف پنڈت جی کے قانون سے رفو چکر ہوا جاتا ہے۔

اب پنڈت جی بتائیں کہ رشیوں کیلئے ذریعہ علم کیا ہے؟ اور جو انکے لئے ہے دوسروں کے لئے کیوں نہیں؟ اس طرفداری کا پنڈت جی کے پاس جواب کیا ہے؟ یا یہی الزام وہ وید کو بھی لگاتے ہیں۔ اور قرین انصاف تو یہ ہے کہ جو اعتراض انہوں نے دوسری کتابوں کی نسبت کیا جب وہ خود ان کی کتاب پر عائد ہوتا ہو، تو وہ اسکو تسلیم کرلیں۔ وہ تسلیم کریں خواہ نہ کریں مگر عقلاً جانتے ہیں کہ پنڈت صاحب اپنے اعتراض کی زد میں خود ہی آگئے، اور ان کے لئے اس سے بچنے کی کوئی صورت نہ رہی ؎

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

جوابات اعتراضات متعلق سورۃ بقرۃ

اعتراض :- (۱) کیا اپنے ہی منہ سے اپنی کتاب کی تعریف کرنا خدا کی خودستائی کی بات نہیں۔
جواب :- پنڈت دیانند صاحب نے قرآن پاک کی ایک ایک سورۃ بلکہ ایک ایک آیت پر اعتراض کیا ہے قرآن پاک تو کب اعتراض کے قابل ہے مگر عناد اور دشمنی کا علاج کیا۔
سورۃ بقرہ شریف میں ذٰلِکَ الکِتٰبُ لَا رَیبَ فِیہِ ارشاد فرمایا گیا اسکا ترجمہ پنڈت صاحب نے الفاظ میں کیا ہے۔ "یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں شک نہیں"۔

اس آیت سے بلکہ خود اس ترجمہ سے بھی جو پنڈت صاحب نے کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک وہ کتاب ہے جسکے علوم یقینی ہیں کہ شک و تردد کو اس میں اصلا گنجائش نہیں جیسا کہ فلسفہ سائنس وغیرہ علوم اوہام و ظنیات کا مجموعہ ہیں اور انکے بہت سے مسائل عند التحقیق غلط اور باطل ثابت ہو جاتے ہیں۔ ان علوم کو مذہب یعنی انسان کی نجات کا مدار اور اسکی سعادت اور تکمیل نفس کا کفیل نہیں کہا جا سکتا کیونکہ جو علم یقینی نہ ہو اور جس کے مسائل پر جزم نہ ہو سکے وہ کب اس قابل ہے کہ انسان اس پر بھروسہ کر کے اپنی معاش و معاد کا دار و مدار اسکو قرار دے اور اگر ایسا کرے گا تو یقیناً گمراہ ہو گا۔

ان علوم کے مسائل کی غلطیاں اکثر ثابت ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی آسمان متحرک مانا جاتا ہے زمین ساکن تسلیم کیجاتی ہے صدہا سال تک یہی اعتقاد رہتا ہے پھر زمانہ پلٹتا ہے تو زمین متحرک ثابت ہوتی ہے۔ پرانا فلسفہ لغو اور غلط قرار پاتا ہے۔ کبھی آسمان کو ایک جسم بسیط کر دی بتایا جاتا ہے مدتوں اس پر عقیدہ رہتا ہے ایک زمانہ کے بعد آسمان کی جسم کا انکار کر دیا جاتا ہے اور وہ فقط حد نظر رہ جاتا ہے۔ ان متناقص باتوں میں سے ایک تو یقیناً غلط ہے۔
غرضکہ انسان کے وہم و تخیل کی بنائی ہوئی عمارتیں اور افکار خطا کار کے پیدا کئے ہوئے علوم غلطی سے کس طرح محفوظ ہو سکتے ہیں۔ اور غلطی پر عمل کرنیوالا کہاں تک فلاح و بہبود

کا امید وار ہونے میں حق بجانب ہے نہ تنہا غلطی کرنیوالا بلکہ مجموعہ اغلاط کو اپنا دستور العمل اور مدار کار بنانیوالا۔ سورۃ البقرۃ شریف کی اس پہلی آیت نے یہ ہدایت فرمائی کہ نجات کیلئے وہی علم درکار ہے جو یقینی ہو وہ کتاب چاہئے جو اوہام وتخیل تو کیا شک وتردد سے پاک ہو اسکے علاوہ ایک یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان کو خطا ونسیان لازم ہے اور اسکا کوئی کام بے عیب نہیں ہو سکتا نہ اسکے علوم یقینی تو جو کتاب کسی انسان کی تصنیف ہوگی وہ اگر کتاب الٰہیہ سے مقتبس نہیں ہے تو بشری لغزشوں اور انسانی لغزیدیوں سے اسکا خالی ہونا بعید از عقل ہے اسکے مسائل ہرگز یقینی نہیں ہو سکتے۔

غرض دو نتیجے حاصل ہوئے (۱) جس کتاب میں یقینی علوم نہ ہوں وہ مدار نجات اور انسان کی فلاح کی ضامن نہیں ہو سکتی (۲) جس کتاب کے تمام علوم یقینی نہ ہوں وہ کتاب الٰہی نہیں ہو سکتی۔ یہ دو ایسے زبردست اصول بتائے گئے جن کو سمجھ لینے کے بعد قانون الٰہی کا تلاش کرنیوالا مطمئن ہو جاتا ہے اور اسکو کتاب الٰہی اور علم نجات کیلئے ایک عمدہ معیار ملتا ہے۔

بہت سے مذہب ہیں اور سب اپنی حقانیت کے مدعی بہت سی کتابیں ہیں جنکو کتاب آسمانی کہا جاتا ہے۔ طالب حق اسی معیار سے کتاب الٰہی کا پتہ چلا لیگا اور کسی دوسری چیز کو کتاب الٰہی سمجھکر دھوکے سے نہ اٹھائے گا۔

جس بازار میں کھری جنس آتی ہے وہاں اسکی جانچ بھی کیجاتی ہے چشمہ فروش چشمہ کی جانچ کے سب آلات اپنے ساتھ رکھتے ہیں بشرطیکہ وہ سچا مال فروخت کرتے ہوں۔ لیکن جھوٹے اور کچے چشمے بیچنے والا جوان کو بکا بتا کر فروخت کرتا ہے امتحان کے آلات اپنے ساتھ نہیں رکھتا کیونکہ اسکو ان آلات سے ضرر کے سوا کسی نفع کی امید نہیں ہے اگر یہ آلات کام میں لائے جائینگے تو اسکے دعوے کا کذب ظاہر ہو جائیگا اور اسکو شرمندگی اٹھانا پڑیگی۔ اگر اچھا نا کسی صاحب کے پاس چشمہ جانچنے کے آلات موجود ہوں تو جھوٹا چشمہ بیچنے

والا ان آلات کو نامعتبر اور اس طریقۂ امتحان کو غلط بتلانے پر مجبور ہوگا۔

کتاب الٰہی معیار صداقت پہلے پیش فرماتی ہے تاکہ طالب حق مطمئن ہوجائے۔ لیکن جھوٹی کتاب کا الہامی اس معیار سے اتنا ہی چڑ جاتا ہے جتنا کھوٹی جنس والا آزمائش سے۔ یہی وجہ تھی کہ پنڈت صاحب سے اس نفیس معیار پر اعتراض کی زبان کھولی اور اسکے اجمال حق نما سے آنکھ بند کرلی۔ وہ جانتے تھے کہ اگر اس معیار سے آزمائش کی گئی تو وید کی کتاب الٰہی ہونیکی حقیقت کھل جائیگی۔ اور پھر وہ کسی مرہم پٹی سے اس زخم کا علاج نہ کرسکیں گے جو وید کے الہامی ہونیکی رگ جان پر پہنچا ہے اسلئے پیش بندی کے طور پر پنڈت جی نے اس معیار ہی کو خودنمائی بتایا اور وہ اس کیلئے مجبور تھے انہیں اندیشہ تھا کہ قرآن پاک اپنے ہاتھوں میں ایک میزان رکھتا ہے اسکی شاہراہ پر مہر نیمروز کو شرمادینے والی روشنی ہے۔

چور ہمیشہ اجالے سے گھبراتا ہے اور اندھیرے میں چھپا کرتا ہے ممکن نہ تھا کہ وید اس اس روشنی میں آسکے اگر سوال کیا جاتا کہ وید جسکی نسبت آپکو الہامی ہونے کا دعویٰ ہے آیا وہ یقینی علوم کا ذخیرہ ہے اور اس بات کو کہیں وید نے بیان بھی کیا۔

وید جسکو آپ انسانی سعادت کا معلم قرار دیتے ہیں وہ تخیلات و وہمیات سے پاک ہے یا نہیں اور وید نے کہیں اسکا اعلان بھی کیا ہے اس کا جواب دینا آپکے لئے موت سے بڑھ جانیوالی جنجالی کے سوا اور کچھ نہ تھا اسلئے پنڈت صاحب نے یہ چالاکی کی کہ پہلے سے اس حیلہ کا انکار کردیا اور اسکو خودنمائی بتایا میں نہیں جان سکتا کہ پنڈت صاحب خودنمائی کا مفہوم بھی سمجھتے تھے یا نہیں اور انہیں یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ کونسی خودنمائی مذموم ہے۔ اور کس لئے مذموم ہے کیا ایک شخص کو وکالت کے امتحان میں شامل ہونے کیلئے بی اے کی سند پیش کرنا خودنمائی ہے۔ پھر تو بیرسٹر اور وکیل ڈاکٹر اور پنڈت اور سوداگروں کے سائن بورڈ خودنمائی ہوجائینگے اور پنڈت جی کے اصول سے یہ سب جرم ہے۔ چور مجرم اپنے حالات مستور

رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ غبن کرنیوالا اخراجی نہیں چاہتا کہ محاسبہ کیا جائے۔ آپکے نزدیک وہ نہایت اپر ہنر گار ہے کیونکہ خود نمائی نہیں کرتا مگر درحقیقت اس میں ایسا قصور ایسا نقص موجود ہے جو اسے منظر عام پر آنیکی اجازت نہیں دیتا اور اس میں وہ اپنی ہستی کیلئے خطرہ محسوس کرتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت خوب فرمایا ہے۔ آنراکہ حساب پاک ست از محاسبہ چہ باک۔ جسکا حساب پاک ہے محاسبہ سے نہیں ڈرتا۔ اگر آپکے نزدیک آپکی کتاب میں علوم یقینی ہوتے تو آپکو قرآن پاک کے ان کلمات سے اس قدر وحشت اور سراسیمگی نہ ہوتی۔

مدرسہ میں ممتحن کی صورت اس طالب علم کو نہایت بھیانک اور ناگوار معلوم ہوتی ہے جس نے سال کے تمام اوقات لہو و لعب میں ضائع کئے ہیں مگر جس طالبعلم نے عرقریزی کر کے کچھ کمال پیدا کیا ہے وہ امتحان کے دن کی گھڑیاں گنتا ہے اور انعام پانے کے شوق میں ممتحن کا نہایت پیاری چیز کیطرح انتظار کرتا ہے۔

قرآن پاک کی یہ ضرب خاص زخم پر لگی جس سے وید والے بلبلا اٹھے اور اس سے پہلے ہی لفظ نے تمام باطل دعاوی کا راز فاش کر دیا کسی سنگین جرم کا مرتکب گھر میں چھپکر بیٹھے اور اسکو عزلت گزینی اور زاویہ نشینی سے تعبیر کرے اور مجمع میں آنیوالوں پر خودنمائی کا الزام لگائے یہ کہانتک صحیح ہو سکتا ہے اسکو اسکا چال چلن روپوشی کیلئے مجبور کر رہا ہے وہ اپنا منہ دکھانے کے قابل نہیں پاتا اسلئے اندھیری میں چھپنے کی کوشش کرتا ہے مگر کسی بیگناہ سے بھی ایسی توقع کرنا کہ وہ تحقیقات کے وقت جرائم پیشہ ملزم کیطرح چھپ رہیگا نہایت بھولاپن ہے وہ حکیم یا ڈاکٹر جو کسی ایسے مقام پر علاج کیلئے بھیجا گیا ہو جہاں وبائے عام پھیلی ہوئی ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی طبابت یا ڈاکٹری کی صفت سے لوگوں کو مطلع کرے تاکہ مریض علاج اس سے رجوع کر کے نفع حاصل کر سکیں اگر اس نے اسکو خود نمائی سمجھا اور اپنے اس کمال کا جسکے اجراء کیلئے وہ بھیجا گیا تھا اظہار نہ کیا تو دنیا اس سے نفع حاصل نہ کر سکیگی اور وہ اپنا فرض انجام دینے سے قاصر رہیگا اگر ایسے موقع پر کوئی ڈاکٹر یا حکیم خود نمائی کے وہم کی وجہ

سے جھجک کر اپنے اوصاف کو چھپانیکی اجازت چاہے تو یقین ہے کہ اسکو پنڈت جی جیسے ذی عقل کے سوا اور کوئی اجازت نہ دے سکیگا قرآن پاک ایسے وقت میں خلق خدا کی ہدایت کیلئے نازل ہوا جبکہ مخلوق پرستی کی وبا عام تھی ایسے وقت میں اسکا فرض تھا کہ وہ اپنی معرفت کرائے اس پر زبان کھولنا اور خود نمائی کا الزام لگانا۔ پنڈت جی کی عقل و خرد پر روشنی ڈالتا ہے

حقیقت حال یہ ہے کہ پنڈت جی ٹھیک کی اس کمی کو دیکھ کر پریشان ہیں اور انکو مجبوراً ایسی باتیں منہ سے نکالنا پڑتی ہیں کاش انصاف ہوتا اور وہ اس نیّر ہدایت (قرآن پاک) کے علوم حقہ ولیقینیہ سے فائدہ اٹھاتے اور سفال و خزف کو لآلی آبدار سے ہم سنگ ثابت کرنے کی ناکام کوشش نہ کرتے۔

اعتراض ۱:- جو پرہیزگار ہیں وے تو خود راہ راست پر ہیں اور جو جھوٹی راہ پر ہیں انکو یہ قرآن راہ ہی نہیں دکھلا سکتا تو پھر کس کام کا رہا۔

جواب ۱:- پنڈت صاحب کو اعتراض کا تو بہت ہی شوق ہے قبل اسکے کہ کلام کا مطلب سمجھیں اور متکلم کی مراد تک پہنچیں۔ اعتراض کیلئے منہ پھیلا دیتے ہیں اور کورانہ الزام لگا کر آپ ہی خوش ہو لیا کرتے ہیں سخن شناسی سے مملو ہے اسکے مضامین عالیہ سے آپکے دماغ کو کیا نسبت بے سمجھے جو اعتراض کیا جائے اس سے معترض کی نافہمی کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ھدی للمتقین اس پر گزشتہ زمانہ کے کفار نے بھی اعتراض کیا تھا کہ ھدی للضالین ہونا چاہئے تھا جس کے معنی یہ ہوئے کہ قرآن پاک گمراہوں کیلئے ہدایت ہے کیونکہ ہدایت گمراہ ہی کو کی جاتی ہے اور جو متقی ہے ایمان و اسلام کی دولت اسے حاصل ہے زہد و ورع میں عمر گزار چکا ہے اسکے لئے ہدایت کیا معنی۔

یہ اعتراض بے بصیرتی اور نابینائی سے کیا گیا تھا پنڈت صاحب نے بھی کفار کی تقلید کی اور اپنے بھدے اور بھونڈے الفاظ میں اس اعتراض کو بھی نقل کیا ان بیچارے کو کیا خبر کہ جب قرآنی نکات بیان کئے جائینگے تو معترضین کا نام سفاہت و جہالت کیلئے ضرب المثل ہو جائیگا

یہ قرآن پاک کی غایت بلاغت ہے کہ وہ یہاں ضالین کے لفظ سے تعبیر نہیں فرماتا بلکہ متقین ارشاد کرتا ہے رہنمائی جس کو کیجاتی ہے اور منزل مقصود پر جسکو پہنچایا جاتا ہے اسکی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک ہدایت سے قبل کی اور ایک اسکے بعد کی، ہدایت سے پہلے راہ یابی ہرگز نہیں ہوتی اور بے راہی ہوتی ہے ہدایت کے بعد ہی آدمی راہ یاب ہوتا ہے۔ راہ یابی بعد کی حالت ہے اور بے راہی قبل کی۔ ایک شخص جو اول بے راہ تھا اور انجام کار راہ یاب ہوا اسکی بہترین حالت کے ساتھ تعبیر کرنا مناسب ہے بالخصوص ایسے موقع پر کہ جہاں کتاب کے اوصاف کی معرفت اور اسکی تاثیرات کا دکھانا بھی مقصود ہو۔

کتاب میں سب سے پہلے یہ بتایا گیا کہ یہ یقینی علوم کا ذخیرہ ہے اسکے بعد اسکا اثر دکھایا گیا کہ مہدی متقی راہ یاب نیکو کار زاہد و متورع جو لوگ پائے جاتے ہیں وہ اس کتاب مقدس کی تعلیم کا نتیجہ اور اسکی ہدایت کا اثر ہیں۔ وہ متقی بھی جب ہوئے جب یہ کتاب انکے لئے ہدایت ہوئی، متقی وہی ہے جو اس کتاب پر عامل ہو اور اسکو اسنے اپنا دستور العمل بنالیا ہو تو اس متقی کیلئے ہدایت و رہنمائی کا سبب بجز اسکے اور کیا ہو سکتا ہے رات دن کے محاورات پر نظر کریں یہ عقدہ حل ہو سکتا تھا ایک فاضل و ماہر جب اسکے استاد کی تعریف کا وقت آئے تو فصحا اور خوش زبان لوگ یہی کہینگے کہ اس عالم کو زید نے پڑھایا ہے اور وہی اسکے کمال کا باعث ہوا اس نے اسکی رہنمائی کی۔ پنڈت جی شاید اس عالم کی نسبت یہ کہنا فصاحت سمجھیں کہ اس جاہل کو زید نے پڑھایا ہے اور اسکی یہ دلیل پیش کریں کہ عالم کو پڑھانے کی کیا ضرورت، ضرورت تو جاہل کو پڑھانیکی ہوتی ہے مگر کوئی شائستہ شخص پنڈت صاحب کی اس فصاحت کو پسند نہ کریگا۔

کیا یہ کہنا بھی قابل اعتراض ہے کہ پنڈت جی نے یہ کتاب لکھی پنڈت جی تو اسپر اعتراض کر سکتے ہیں کہ کتاب تو جب ہوئی جب لکھی جاچکی کتاب تو لکھی ہوئی کو کہتے ہیں اسکو کوئی کیونکر لکھے گا لیکن دنیا پنڈت جی کے اس شاستر کو تسلیم نہ کریگی۔ یہ رات دن کے محاورات ہیں کہتے

ہیں کہ قلعہ شاہجہاں نے بنایا پنڈت صاحب کو اعتراض ہو جائیگا کہ قلعہ تو بنے بنائے کا نام ہے اسکا بنانا کیا۔

کچہری میں مقدمہ پیش ہوتا ہے مدعا علیہ جرم کا اقبالی ہے کہتا ہے کہ اس مقتول کو میں نے قتل کیا سوء اتفاق ہے اگر پنڈت جی ایسے دماغ کا کوئی شخص جج ہو تو فوراً مقدمہ چھوڑ دے کہ مقتول تو قتل کئے ہوئے کو کہتے ہیں اس کا قتل کرنا کیا معنی۔

اتنا اور بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اگرچہ ہدایت یہاں رہنمائی یا منزل مقصود تک پہنچانے کے معنی میں ہے مگر ہدیٰ قرآن پاک کا نام بھی ہے اور بلاغت کلام ان تمام باتوں کا لحاظ چاہتی ہے۔ جو شخص کہ اسکی تعلیم سے راہ یاب ہو جائے اسکو اسکے اعلیٰ وصف کے ساتھ تعبیر کرنا حسن کلام ہے ہم اسی کو خوبی سمجھتے ہیں کہ یوں کہیں کہ قرآن پاک متقیوں اور پرہیزگاروں کیلئے ہے (یعنی جو اس سے منتفع ہوتا ہے متقی اور پرہیزگار ہوتا ہے)

پنڈت جی اگر اس محاورے سے ناخوش ہیں تو کیا وہ یہ کہنا گوارا کرینگے کہ صید بد معاشوں کیلئے ہے۔ اب تو پنڈت جی کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ قرآن پاک نے تہذیب و شائستگی اور بلاغت و خوش بیانی کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا تھا اسکو پنڈت صاحب نے اپنی سادہ لوحی سے قابل اعتراض سمجھا اور غلطی کی دلدل میں پھنس گئے۔

اسکے علاوہ مفسرین نے متقی کی تفسیر میں یہ بھی لکھے ہیں کہ متقی اس پاک سیرت شخص کو کہتے ہیں جو قبول حق کی اہلیت رکھتا ہو اور ظاہر ہے کہ رہنمائی ایسے ہی شخص کو مفید ہو سکتی ہے۔ معاند ہٹ دھرم کبھی رہنمائی سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ اسلئے ھدی للمتقین بھی فرمانا حق ہے۔ ہدایت کے معنی رہنمائی کے بھی آتے ہیں اور منزل مقصود پر پہنچانے کے بھی دوسرے معنی کے لحاظ سے ہدایت متقیوں کیلئے خاص ہے اور انکے ماسوا اور کسی کیلئے متصور نہیں اور پہلے معنی کے لحاظ سے ہدایت عام ہے خواہ کوئی منتفع ہو یا نہ ہو۔ یہ اسکا نصیب لیکن رہنمائی تو سبھی کیلئے ہو سکتی ہے۔ ایسے خواص پر نظر رکھنے والا

کلام، کلام حق ہی ہو سکتا ہے۔

معنے اول کے لحاظ سے اسی قرآن پاک کی شان میں ھدی للناس ارشاد فرمایا اور معنی ثانی کے اعتبار سے ھدی للمتقین

بعض دقیقہ رس مفسرین اس سے زیادہ باریک بات تک پہنچے ہیں کہ نظم کلام میں ایک جگہ للناس اور ایک جگہ للمتقین فرماتے ہیں ضرور ہدایت کے دونوں معنی کا لحاظ فرمایا گیا اور انکے مناسب کلمات نظم پاک میں لائے گئے لیکن بحر معنے کی غواصی کرنے سے پتا ملتا ہے کہ دونوں تعبیریں ایک ہی حقیقت کی ہیں۔ ایک جگہ ھدی للمتقین فرماکر دوسری جگہ للناس فرماتے ہیں۔ ایما ہے کہ ناس یعنی انسان کہلانے کے حقدار صرف متقی ہی نہیں جنکو کمالات انسانیہ حاصل ہیں لیکن وہ پیکر اور وہ پتلے جنکا رنگ روپ قدو قامت چہرہ مہرہ اعضاء کی ظاہری صورت تو انسانوں سے ملتی جلتی ہے مگر انسانی اوصاف سے انکی ہستی معرا ہے وہ انسان کہلانے کے مستحق نہیں انکی شان میں ارشاد فرمایا اولئک کالانعام بل ھم اضل وہ چوپایوں کی مثل ہیں بلکہ اور زیادہ گمراہ تو شرف انسانیت متقین ہی کو حاصل ہے اور وہ اس رتبہ پر قرآن پاک کی ہدایت سے پہنچے ہیں تو نتیجہ نکلا کہ انسان کو کمالات انسانیت حاصل کرنے اور آدمی بننے کیلئے قرآن پاک کی حاجت ہے تو اس کتاب مقدس نے بتلایا کہ وہ یقینی علوم پیش کرتی ہے اور یقینی علوم بھی ایسے جسمیں انسان کے شرف وکمال کا اظہار ہے کہ بغیر اسکے حصول سعادت ممکن ہی نہیں اور بیشک کتاب الٰہی کی یہی شان ہونا چاہیئے اور یہ اسکے من عند اللہ ہونیکی ایک برہان ہے۔

عاقل بصیر کو ایمان لانے اور قربان ہونے کیلئے قرآن پاک کی ایک یہی ادا کافی ہے مگر پنڈت جی جب وید کے اسٹاک ٹٹولتے ہیں اور وہاں یہ سامان انکو نظر نہیں آتا تو وہ جھنجلا کر قرآنی کمالات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ کوشش انکے جہل و غوایت کی دلیل بن جاتی ہے۔ پنڈت صاحب کے اعتراض کا تو شیرازہ بکھر گیا۔

اسکے بعد پنڈت صاحب نے بھی عمل سابق کی جبر کے عطا فرمانے پر اعتراض کیا ہے بحث تناسخ میں اس پہ کافی رد ہو چکا۔ اس لئے یہ سوال اس موقع پر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

اعتراض:- اگر بائبل، انجیل وغیرہ پر اعتقاد لانا لازم ہے تو مسلمان انجیل وغیرہ پر ایمان مثل قرآن کے کیوں نہیں لاتے اور اگر لاتے ہیں تو قرآن کا نازل ہونا کس واسطے ہے۔ اگر کہیں کہ قرآن میں زیادہ باتیں ہیں تو کیا پہلی کتاب میں خدا لکھنا بھول گیا تھا۔ اور اگر نہیں بھولا تو قرآن کا بنانا لاحاصل ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بائبل اور قرآن کی چند باتیں آپس میں نہیں ملتیں۔ اور بہت سی ملتی ہیں۔ ایک ہی مکمل کتاب جیسی کہ وید ہے کیوں نہ نازل کی؟۔

جواب:- اس طولانی اعتراض کو دیکھئے کلام کی رکاکت اور بے ربطی پر نظر ڈالئے خوبی تشقیق کی تعریف کیجئے کیا اعتراض ہے جیسا دماغ ویسی نکتہ آفرینی۔

توریت انجیل زبور قرآن یہ تمام کتب الٰہیہ ہیں مسلمان ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور انکے کلام الٰہی اور حق ہونیکی تصدیق کرتے ہیں مگر یہ عجب بات ہے کہ ایک چیز کی تصدیق کرنے سے دوسری چیز کا نزول ہی بیکار ہو جائے نہ معلوم پنڈت صاحب نے کون سے مدرسہ میں تعلیم پائی ہے۔

ایک شخص جو یہ تسلیم کرتا ہے کہ گیہوں خدا کا پیدا کیا ہوا ہے پھر یہ بھی مانتا ہے کہ چاول بھی خدا کا پیدا کیا ہوا ہے پنڈت صاحب کو یہ سنکر بہت وحشت پیدا ہوگی کہ جب چاول خدا کا پیدا کیا ہوا تسلیم کر لیا گیا تو گیہوں کا پیدا کرنا بیکار ہوا اگر کہیں کہ گیہوں میں کچھ اور بات ہے تو کیا العیاذ باللہ چاول پیدا کرتے وقت اس بات کو بھول گیا تھا۔ ایک ہی چیز ایسی مکمل کیوں نہ بنائی جس میں تمام ذائقے اور جملہ خاصیتیں موجود ہوتیں۔

پنڈت جی کو کائنات کی حکمت میں کبھی غور کرنیکا موقع نہیں ملا جب وہ پیدا ہوئے تھے انکے منہ میں دانت اور چہرے پر بال نہ تھے لیکن کچھ عرصہ کے بعد دانت نکلے اور

اس سے اور زیادہ عرصہ کے بعد چہرے اور سینہ پر بال نمودار ہو گئے تو کیا ایشور پہلے دانت اور
بال پیدا کرنے بھول گیا تھا یا اب اس سے غلطی ہوئی جس وقت کی حکمت کا جو تقاضا ہوتا
ہے حکیم وہی کرتا ہے جن امتوں کیلئے جو احکام مناسب تھے انہیں دیئے گئے اس تفاوت پر
اعتراض حکمت الٰہیہ پر لب کشائی اور جہل ہے خدا کی بیشمار مخلوق میں قدرت کے پیدا کئے
ہوئے ایسے تفاوت نظر آرہے ہیں جن کو دیکھ کر عاقل وفہیم مطمئن ہو جاتا ہے اور انکے مطالع
کو اسی کی حکمت پر محمول کرتا ہے یہ اعتراض تو خود پنڈت جی کی گردن پر سوار ہے وہ اسکا
کیا جواب دے سکتے ہیں کہ چار وید کیوں ہیں ایک ہی مکمل کیوں نہ ہوا۔ اور مکمل کتاب کی
نظیر میں وید کا نہایت کا ذکر نہایت ظلم ہے یوں تو بزور زبان پنڈت جی وید کو تمام علوم
کا سرچشمہ کہہ رہے ہیں اور مکمل کتاب بتا رہے ہیں لیکن وید پر یہ بالکل جھوٹا اتہام ہے وہ
پرانے زمانہ کی شاعری اور قرون ماضیہ کے شاعروں کے خیالات کا ذخیرہ ہے اس حکمت
نظریہ اور عملیہ سے واسطہ اور مطلب علم النفس علم اخلاق کا تو کیا ذکر ہے فحش اور شرمناک
تعبیرات سے وہ مملو ہے کسی کتاب حق کے مقابل اسکا نام لے دینا اور اسکو انسانوں کا رہنما
بتانا اس سے بہت زیادہ مبالغہ ہے کہ کسی بڈھے کو چھوٹے لال کو سیاہ فام بھیانک صورت
والی کو سندر کہا جائے۔ پنڈت مہی دھر کے ترجمہ سے ویدک تعلیمات کے جو نمونے ملتے
ہیں وہ میں اہل نظر کی رائے زنی کیلئے خود پنڈت دیانند کی رگوید آدی بھاشیہ بھومیکا سے
نقل کر رہا ہوں۔ یجر وید ادھیائے ۲۳ منتر ۱۹۔ ترجمہ مہی دھر مہشی (زن یجمان
روبروئے جملہ مہمانان تکیہ نر اسپ افتادہ میگوید اے اسپ من دررحم خود نطفہ تو کنم وحمل

قرار می باید میگرم تو ہم آن نطفہ را دررحم من بیند از۔

(منتر ۲۰) اسپ عضو خود در جسم زن می افگند و رشا اسپ را میگویند) زن عضو اسپ
را بدست خود کشیدہ در جسم خود داخل می کند۔

(منتر ۲۲) ادھوریو یعنی کار پرد لزان بگیہ زنان و دوشیزگان باگشت ہائے خود شکل

نہانی ساختہ بطریق تمسخر میگویند کہ بوقت زود گاہی زنان آواز ہلہلہ می خیزد و تتنیکہ عضوِ مرد مثل کنجشک در اندام زن می رود زن آنرا در جسم خود فرو میخورد و انزال میکند دراں وقت آواز گلگلہ می خیزد و دوشیزگان بانگشتہائے خود صورت عضو مرد می نمایند و آو کھوریو را میگویند کہ رو زن حشفہ بار دے تو مشابہت دارد۔

اسکو ملاحظہ فرما کر آپ فیصلہ کیجئے کہ جس کتاب کے ماننے والوں نے خود اسکے یہ ترجمے کئے ہوں اور اسکا مذاق سخن اور طرز گفتگو اسقدر شرمناک ہو کہ اسکے سامنے چرکین کا دیوان اور کوک شاستر بھی ہیچ ہو کر رہ جائے اس کتاب کو مکمل کتاب کہتے ہیں یا انہیں مضامین کو پنڈت صاحب انسانی تکمیل کیلئے ایسا ضروری تصور کرتے ہیں کہ جس کتاب میں یہ نہ ہوں وہ انکے نزدیک نامکمل ہو جاتی ہے۔

پنڈت صاحب نے مہی دھر کے ترجمہ کی تغلیط کی ہے اور بات یوں بنائی ہے کہ یہ انکار یعنی تشبیہ و استعارہ میں گفتگو ہے۔کوئلے کی سیاہی کہاں تک دھوئی جاسکتی ہے لیکن ہم پنڈت صاحب کی خاطر سے فرض کرلیں کہ یہ استعارے ہیں تو کیسے شائستہ اور مہذب استعارے ہیں۔ایسی تعبیریں کیا علم و فضل اور شرم و حیا والے انسان کے قلم سے نکل سکتی ہیں جس مذہب نے ایسی کتاب کو مذہبی کتاب مانا ہو اور اسکو انسانی سعادت و نجات کا کفیل و ضامن بنایا ہو اور جن دماغوں نے اسکو قبول کیا ہو انکو آفریں کہنا چاہیئے۔

جو طبائع اس ذوق تعلیم کی ابتدا ہی سے خوگر ہو چکی ہیں انکو اگر قرآنی تعلیموں سے گھبراہٹ اور بردانشگی ہو تو چنداں تعجب نہیں۔وید جیسی کتاب ہاتھ میں رکھتے ہوئے قرآن پاک پر اعتراض کرنا بہت غیرت کی بات ہے۔

کیا پنڈت جی بتا سکتے ہیں کہ انکے ایشور نے وید کے الہام کیلئے چار رشی کیوں پیدا کئے ایک ہی شخص ایسا کامل کیوں نہ بنایا جو تمام وید کی تبلیغ و اشاعت کرسکتا۔بقول پنڈت جی کے ایشور بھول تو نہیں گیا تھا۔

اعتراض (۱) :- کیا قیامت پر ہی یقین رکھنا چاہیئے اور کسی چیز پر نہیں۔
(۲) کیا عیسائی اور مسلمان بھی خدا کی ہدایت پر چلنے والے ہیں اور ان میں کوئی گنہگار نہیں ہے
(۳) کیا وہ عیسائی و مسلمان جو بدکار ہیں وے نجات پائینگے کیا یہ سخت بے انصافی اور اندھیر
کی بات نہیں ہے۔
(۴) کیا جو لوگ مسلمانی مذہب کو نہیں مانتے انہیں کو کافر کہنا یکطرفہ ڈگری نہیں ہے۔
(۵) اگر خدا ہی نے انکے دلوں اور کانوں پر مہر لگائی ہے اور اسی وجہ سے وے گناہ کرتے
ہیں تو انکا کچھ بھی قصور نہیں ہے۔ یہ قصور خدا ہی کا ہے ایسی صورت میں انکو سکھ دکھ یا گناہ
ثواب نہیں ہو سکتا پھر خدا انکو سزا و جزا کیوں دیتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے گناہ یا ثواب خود
مختاری سے نہیں کیا۔

جواب :- پنڈت جی نے اپنے خیال میں بڑا ہی کمال کیا کہ آیت مبارکہ کے ایک ایک جز
پر اعتراض کر دیا۔ میں پنڈت صاحب کے ہر اعتراض کا جواب دونگا لیکن اس سے پہلے ایک
حکایت عرض کرنیکی اجازت چاہتا ہوں جو پنڈت صاحب کے حال سے مطابق ہے۔

ایک بھنگڑ (بھنگ پینے والا) یا کسی افیونی کو کسی صاحب نے بھنگ پیئے ہوئے دیکھا
انہیں ان جناب کے اس سیاہ مستی کی خبر نہ تھی بدحواسی دیکھ کر سمجھے کہ اس غریب کو غشی کا
ہو گیا۔ دوڑ کر کہیں سے گلاب کا ایک پھول لائے اور انکی ناک پر رکھ کر سنگھانے لگے۔ دماغ
میں خوشبو پہنچتے ہی بھنگڑ صاحب اچھل پڑے اور سر پکڑ کر بیٹھ گئے کچھ دیر اسی طرح بیٹھے
کچھ دیر کے بعد جب اس صدمہ کا اثر دور ہوا تو کہنے لگے یہ کون میرا جان کا خواہاں اور دشمن
سنگدل تھا جس نے میرا دماغ ہی معطل کر دیا معلوم نہیں کیا بلا مجھے سنگھا دی جس سے دماغ
میں زخم ہو گیا ابھی تک تیر سا چبھ رہا ہے۔ بہت غم و غصہ کا اظہار کیا یہ حالت دیکھ کر غمخوار
صاحب اپنے دل میں کچھ نادم بھی ہوئے اور ساتھ ہی انہیں یہ خیال بھی آیا کہ حالت غشی
میں اسکو گلاب کی خوشبو کا ادراک نہیں ہوا یہ کچھ اور سمجھ گیا اور میری طرف سے بدگمان

گیا اسکا خیال صحیح کرنیکی غرض سے انہوں نے پھول لاکر سامنے رکھدیا کہ جناب کوئی مضر
اور مہلک چیز نہیں تھی آپکو نہ سنگھائی تھی یہ گلاب کا پھول تھا جو آپکے دماغ صحیح کرنے کے
لئے سنگھایا گیا تھا۔

پھول کے دیکھتے ہی وہ گھوڑے کی طرح بدک کر بھاگے اور دور جاکر کہنے لگے کہ
واہ حضرت آپنے مجھ سے کب کی عداوت نکالی ہے میں اس سم قاتل کو برداشت کر سکتا
تھا آپ ایک لمحہ اور سنگھا دیتے تو میرا خاتمہ ہو جاتا اور اسکی سمیت تو اسکے خونی رنگ ہی
سے ظاہر ہے اسے جلد پھینکئے ورنہ اسکی رنگت ہی سے میری روح تحلیل ہو جانیکا اندیشہ
ہے مگر خیر ہم لوگ دشمن کے ساتھ بھی نیکی ہی کرتے ہیں آپنے تو میرا خون کرنے میں کمی نہیں
کی۔ لیکن کیا یاد کروگے یہ لیجاؤ تھوڑا سا چندن ہے اسکا مزہ لیجئے تب آپکا دماغ درست
ہو اور آپ خوشبو اور بدبو پہچاننے کے قابل ہوں۔

یہ حکایت برسبیل تمثیل ذکر کی گئی۔ قرآن پاک کی آیتوں سے پنڈت صاحب کو
چوٹ لگتی ہے۔

(۱) وبالآخرۃ ھم یوقنون ○ اس پر پنڈت صاحب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قیامت
پر ہی یقین کرنا چاہیئے اور کسی چیز پر نہیں۔

اس سمجھ کی تو تعریف کیجئے آیت میں قیامت کا ذکر بھی نہیں جس پر آپ اعتراض کر
رہے ہیں حواس کیا ہوئے اعتراض کرنے کیلئے اتنی ہی قابلیت درکار ہے کہ آخرت قیامت
کو سمجھ گئے جس شخص کو ترجمہ کرنیکی بھی تمیز نہیں وہ اعتراض کیلئے زبان کھولے سبحان اللہ
اور اسی پر یقین رکھنا چاہیئے یہ کون سے لفظ کا ترجمہ ہے جس سے آپنے یہ نتیجہ نکالا کہ اور
کسی چیز پر نہیں۔ یہ اعتراض ہے یا افترا و بہتان اور ایسا بہتان کہ ادنیٰ درجہ کی شرم وحیا
والا انسان بھی اسکی جرات نہ کرسکے۔ قرآن پاک میں کہیں اور نہیں خود انہیں ان
آیتوں میں الذین یومنون بالغیب اور والذین یومنون بما انزل الیک وما

انزل من قبلک مذکور ہے خود پنڈت جی اسکا ترجمہ بھی کہہ چکے ہیں مگر یہاں شوق
اعتراض میں اس سے آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی۔ جب قرآن پاک مومنین کی شان بتاتا
ہے کہ وہ غیب پر یقین رکھتے ہیں قرآن پاک کی آیات پر یقین رکھتے ہیں اس سے پہلی تمام کتب
الہیہ کے حرف بحرف پر یقین رکھتے ہیں یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے یہ کہہ دینا کہ قیامت ہی پر یقین رکھنا
چاہیئے اور کسی پر نہیں کس درجہ کی غیرت رکھنے والے انسان کا کام ہو سکتا ہے۔
(۲) کس نے کہا ہے کہ فقط عیسائی اور مسلمان ہی خدا کی راہ پر ہیں اور کس نے کہا ہے کہ ان
میں کوئی گنہگار نہیں۔ یہ کیا طریقہ ہے کہ جھوٹ بولنے پر کمر باندھی ہے۔ ان آیات مبارکہ میں
جن پر پنڈت جی اعتراض کر رہے ہیں عیسائی یا النصرانی کا لفظ تک نہیں اپنے دل سے افترا کرنا
اور خود اسپر اعتراض کرنا پنڈت جی اور ویدک دھرم کی راستی کا نمونہ ہے۔
(۳) قرآن پاک میں یہ کہاں ہے کہ جو بدکار ہیں وہ نجات پاویں گے۔ پنڈت صاحب اعتراض
کیا کر رہے ہیں سراسر جھوٹ بول رہے ہیں اور اسی سے صاحب نظر قرآن پاک کی حقانیت
اور انکی بے علمی کا پتہ چلا سکتا ہے کہ دشمن معاند غایت کوشش کر کے تھک جاتا ہے اور اس
بے عیب کتاب میں کوئی قابل گرفت بات اسکو ہاتھ نہیں آتی مجبوراً اپنے دل کا غیظ نکالنے
کیلئے جھوٹے افتراؤں اور بہتانوں پر اتر پڑتا ہے اور خلق خدا کے سامنے اپنے اعتراض ہی
سے روسیاہ ہو جاتا ہے۔

بیشک قرآن پاک پر ایمان لانے والے نجات پائیں گے۔ قرآن پاک وہ کتاب ہے جو بد
کاری کی اصل و بنیاد کو از بیخ برکندہ کرتی ہے اور نکوکاری اور راستبازی کے اصول و آئین
بتاتی ہے اس پر ایمان لانیوالے کا کمال یہ ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا متقی و پرہیزگار ہو نہ کہ بدکار
زشت کار۔ مومن گنہگار بھی اپنے اعمال کی سزا پا کر بالآخر نجات پائیگا کیونکہ کوئی بدی جو
شرک یا کفر کی حد تک نہ پہنچی ہو۔ نیکیوں کو ضائع اور پامال نہیں کر سکتی۔ جب بدی کی سزا
جھیل چکا تو ایمان و طاعت کی جزا سے محروم کرنا اقتضائے حکمت سے نہیں ہے لیکن اس

بھر حکمت بیچارے پنڈت کا دماغ کب پہنچتا ہے۔

(۴) پنڈت جی کا یہ کہنا کہ جو لوگ مسلمانی مذہب کو نہیں مانتے انہیں کو کافر کہنا یکطرفہ ڈگری ہے نہایت بعید از عقل اور قابل مضحکہ بات ہے اسکی مثال یہی ہو سکتی ہے کہ کوئی جھوٹا یہ کہے کہ جو لوگ سچ نہیں بولتے ہیں انہیں تو جھوٹا کہنا یکطرفہ ڈگری ہے جیسا اس قول کا قائل خارج از عقل سمجھا جائیگا۔ وہی مرتبہ پنڈت جی کے قول کا بھی ہے۔

جب اسلام ذات و صفات الٰہی کے علوم راستبازی، نیکوکاری دین و دیانت صدق و امانت کے اصول اور آئین پیش کرتا ہے تو اس کے انکار کرنیوالے کو راستی کا منکر نہ کہا جائیگا تو کیا کہا جائیگا۔ اگر شپر (چمگادڑ) کی یہ شکایت بجا ہو کر اسکو دن کا اندھا کیوں کہا جاتا ہے تو پنڈت جی کی شکایت بھی کچھ سننے کے قابل ہو سکتی ہے لیکن وہ اس سے زیادہ تاریکی میں ہیں۔ اگر کافر کا لفظ انکو ناگوار ہے تو وہ عقائد و اعمال کفریہ سے کیوں نہ اجتناب کریں۔ کیوں نہ اسلام کے سامنے سر نیاز جھکائیں۔ پھر ہم انہیں کافر نہیں مسلم کہیں گے۔

(۵) پنڈت صاحب لکھتے ہیں "اگر خدا ہی نے انکے دل اور کانوں پر مہر لگائی ہے اور اسی وجہ سے وہ گناہ کرتے ہیں تو انکا کچھ قصور نہیں ہے۔ یہ قصور خدا کا ہی ہے۔ ایسی صورت میں ان کو سکھ دکھ یا گناہ ثواب نہیں ہو سکتا۔

پنڈت صاحب کی دریدہ علامتی اور بد زبانی ملاحظہ فرمائیے۔ پروردگار عالم کی شان میں کیا لفظ لکھے ہیں اور کیسی مسلمانوں کی دل آزاری کی ہے انکا دل عناد و عداوت سے کسقدر لبریز ہے اور جوش غضب میں وہ کتنے آپے سے باہر ہیں۔ اسی سے انکے اعتراض کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے۔ پنڈت صاحب میں اتنی بھی تو استعداد نہیں کہ وہ معمولی انسانوں کا کلام سمجھ لیں۔ ذوق اور غالب کے اشعار جو بیشتر سرمایۂ تخیل ہیں پنڈت صاحب کی فہم رسا سے بالاتر ہیں۔ پھر وہ پنڈت صاحب قرآن پاک کے دقائق حکمیہ اور علوم الٰہیہ کو کس کے دماغ سے سمجھیں نا فہمی جو کچھ کہلائے وہ نہ کہیں تو کیا کہیں۔

لطف یہ ہے کہ پنڈت صاحب خود اس آیت کریمہ کے پورے مصداق ہیں جس پر انہوں نے زبان اعتراض کھولی ہے۔ اب اعتراض کی لغویت ملاحظہ ہو۔

پنڈت صاحب کی بے ایمانی قرآن پاک نے تو یہ بیان فرمایا ان الذین کفروا سواءٌ علیہم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون ○ ختم اللّٰہ علی قلوبہم۔ یعنی جن لوگوں نے کفر کیا اور جو کافر ہو گئے ان کے حق میں انداز و عدم انداز برابر ہے وہ ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ انکی حالت کا بیان ہے کہ وہ کفر جیسے قبیح و شنیع جرم میں اس قدر راسخ و پختہ ہو گئے کہ اب انکے حق میں وعظ و پند تذکیر و تعلیم انذار و تخویف تک موثر نہیں اور انکا ایمان لانا اور کفر سے باز آنا بالکل غیر متوقع بلکہ عدم ایمان یقینی ہے۔ جب انکا بغاوت و تمرد اس مرتبہ تک پہنچا تو انکی سزا یہ ہے کہ ختم اللّٰہ علی قلوبہم و علی سمعہم (الآیہ) اللہ تعالٰی نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر فرما دی۔

پنڈت صاحب کی بے ایمانی یہ ہے کہ انہوں نے اعتراض کرنے کیلئے قرآن پاک کے بیان کو الٹا اور یہ لکھا کہ خدا ہی نے ان کے دل اور کانوں پر مہر لگائی ہے اور اسی وجہ سے وہ گناہ کرتے ہیں تو انکا کچھ بھی قصور نہیں۔ باوجودیکہ قرآن پاک میں اس کے بالکل برعکس ہے مہر کرنا انکے کفر و بغاوت کی سزا ہے نہ کہ علت کفر۔

یہ تھی پنڈت صاحب کے اعتراض کی حقیقت۔ کتنی سیاہ باطنی ہے کہ ایک الزام دینے کیلئے مضمون کو بالکل برعکس کر دیا جائے۔ سزائے جرم کو علت جرم بنایا جائے۔ جس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی کہے کہ زید کا ہاتھ سڑ گیا تھا اور کسی کام کا نہ رہا تھا اسلئے ڈاکٹر نے کاٹ ڈالا اس پر پنڈت صاحب اعتراض کریں کہ اس میں ہاتھ کا کیا قصور ہے۔ قصور تو ڈاکٹر صاحب کا ہے کہ جب انہوں نے کاٹ ڈالا وہ کام کیا کرتا۔ ایسے پنڈت صاحب کا یہی جواب ہے کہ انہیں دماغ درست ہونے کیلئے کسی ڈاکٹر کی سپرد کر دیا جائے۔

ردی کاغذ ہمیشہ چاک کئے جاتے ہیں لیکن اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ چاک ہو جانیسے

وہ ردی ہو گئے بلکہ نکمے ہونے ہی کی وجہ سے انکو چاک کیا گیا۔

قرآن پاک نے اس آیت کریمہ میں خلق افعال کا نہایت نازک اور باریک مسئلہ بیان فرمایا جس کی بحث بہت پھیلنا چاہتی ہے اور پنڈت صاحب اور انکے امثال کے مدارک سے بالاتر اور بہت بالاتر ہے اسلئے اسکا بیان ضروری نہیں معلوم ہوتا مگر اس میں کوئی خفا اور حجاب نہیں ہے کہ بندہ مباشرت اسباب کرتا ہے قدرت اس پر نتائج مرتب فرماتی ہے نتیجہ نہ بندہ کا مقدور ہے نہ اسکے اختیار کو یہاں تک رسائی۔ عالم اکوان پر نظر ڈالئے تو موجودات خارجیہ کی کثیر ہستیاں بھی اپنے تغیرات احوال کے لغات میں حضرت قادر مطلق کی قدرت کاملہ کی شہادت دے رہی ہیں۔

ایک بیمار علاج پرہیزی کرتا ہے اور لذائذ و مرغوبات سے دست کش نہیں ہوتا مرض کے خطرہ کو خیال میں نہیں لاتا۔ اس جرم کا مرتکب ہوتا ہے قدرت الٰہیہ ہلاکت و مایوسی کا نتیجہ اس پر مرتب فرمادیتی ہے۔

ایک ہندو فقیر ہاتھ آسمان کی طرف اٹھالیتا ہے اور عرصہ دراز تک حرکت اور کام موقوف کر کے نعمت خدا کی ناشکری کرتا ہے تو قدرت اس ہاتھ پر ناکارہ ہونیکی مہر لگادیتی ہے اور باقی زندگی کیلئے حس و حرکت کے قوی اس سے سلب کر دیتی ہے۔ اب یہ ہاتھ ایک درخت کی سوکھی شاخ کی طرح ترو تازہ بدن میں ایک بدنما کانٹا بن جاتا ہے۔

ناشکری و ناسپاسی نعمت خدا کی بے قدری تو سادھو کا فعل تھا لیکن اس ہاتھ کو خشک اور نکما کر دینا اور کام کی قابلیت بھی سلب فرمادینا قدرت کی طرف سے اس گناہ کی سزا ہے اگر عقل ہو تو آدمی خیال کر سکتا ہے کہ جو قدرت ہاتھ کو اسکے فرائض و خدمات سے رک جانے پر اسکے افعال و قوی کے بطلان سے سزا دیتی ہے اس قدرت کا یہ مقتضی کیا بھی قابل استعجاب و استبعاد نہیں کہ قلب کو اسکی خدمات سے رک جانے اور معطل کر دینے کے جرم میں اسپر مہر لگادی۔

اعتراض ہ۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے اللہ نے انکی بیماری بڑھادی بھلا بلا ھور

خدا نے انکی بیماری بڑھادی رحم نہ آیا۔ ان بیماروں کو بڑی تکلیف ہوئی ہوگی کیا یہ شیطان سے بڑھکر شیطنت کا کام نہیں ہے کسی کے دل پر مہر لگانا کسی کی بیماری بڑھانا خدا کا کام نہیں ہوسکتا کیونکہ بیماری کا بڑھانا اپنے گناہوں کا نتیجہ ہے۔

جواب ا:- یہ زبانی اور دلآزاری تو پنڈت صاحب کی طبیعت ثانیہ ہے اور انکے پاس اسکے سوا اور کوئی ذخیرہ نہیں مگر آپکی فہم و فراست قابل داد ہے روحانی اور قلبی امراض کو آپ جسمانی اور بدنی بیماری سمجھے اس سمجھ پر پتھر پڑیں جو اتنا بھی نہ سمجھا وہ تو اس بت کو خدا سمجھے۔ قرآن پاک نے فرمایا تھا فی قلوبہم مرض انکے دلوں میں مرض ہے۔ دل کا مرض کفر ونفاق۔ ناخداشناسی ہے۔ پنڈت جی اپنی کمال ذہانت سے سوزاک و آتشک جانے کس چیز کو دل کا مرض سمجھتے ہیں ؎

جو سیدھی بات کہتا ہوں تو وہ الٹی سمجھتا ہے ؛ حماقت ہو گئی ہے ایسی طبع شوخ بدظن میں

قلبی امراض کو بدنی امراض سمجھ جانا ایسا بھونڈاپن اور کودمغزی ہے جسکی نظیر سوائے پنڈت صاحب کے اور کسی میں تلاش کرنا سعی بے حاصل ہوگا جو دماغ اتنا سمجھنے کی بھی قابلیت نہ رکھے وہ اعتراض کیلئے منہ کھولے تو بجز اسکے کیا کہا جائے ؏

گمے بہر شکارے اسدے آمدہ ہست

مرض کی حقیقت خاص انسانی اعتدال سے خروج ہے اگر بدنی اعضا کے افعال خارج از اعتدال ہوجائیں تو وہ بدنی مرض ہے۔ اسی طرح اگر قلبی یا روحانی اعتدال سے خروج ہو تو روح و قلب کی بیماری ہے۔

خدا کو نہ پہچاننا اسکی عظمت و کبریائی وحدانیت و یکتائی اور اس کے رسولوں اور کتابوں کا انکار سب سے بڑا قلبی و روحانی مرض ہے جسکا قرآن پاک میں ذکر ہے۔ اوپر کی آیت میں ارشاد فرمایا وما ھم بمؤمنین یعنی اگرچہ منافقین براہ فریب کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور روز جزا پر ایمان لے آئے۔

حقیقت الامر یہ ہے کہ وہ مومن نہیں ہیں انکے دلوں میں بیماری ہے اوپر سے انکی بے ایمانی اور نفاق کا تذکرہ ہے۔ بے وقوف آدمی بھی ہوتا تو اس قرینہ واضحہ سے سمجھ جاتا مرض قلبی سے روحانی بیماری کفر و نفاق مراد ہے جو انسان کی ہستی کو ناکارہ اور فاسد کر دیتی ہے مگر پنڈت صاحب سے عقل و فہم اتنی ہی دور ہے جتنا زمین سے آسمان بلکہ اس سے بھی زیادہ مگر بات یہ ہے کہ پنڈت صاحب معذور ہیں اسلئے کہ اس مرض کے وہ خود بھی مریض اور انکا روح و قلب کفری تاریکیوں سے سیاہ ہو رہا ہے انہیں کہاں اتنا ادراک باقی تھا کہ وہ بات کو سمجھ لیتے۔ بہر حال پنڈت صاحب کا اعتراض انکے اختلال حواس کی تصویر ہے بس۔ اس پر سمند ناز کو ایک اور تازیانہ یہ ہوا کہ بنائے فاسد پر تعمیر فاسد اعتراض کرنے بیٹھے تو یہ جھوٹ بولا کہ بلا قصور خدا نے انکی بیماری بڑھادی باوجودیکہ اسی آیت میں موجود ہے ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون ۵ کہ انکے لئے دردناک عذاب ہے اس سبب سے کہ وہ اللہ و رسول کی تکذیب کرتے تھے۔ کافر و بے ایمان تھے۔ اسی کو بلا قصور کہتے ہیں۔ اگر اللہ اور اسکے رسولوں کا انکار اسکی تکذیب بھی قصور نہ ہو تو پھر کیا چیز قصور ہو سکتی ہے۔

اب آیت شریفہ کا مطلب سمجھئے

جن لوگوں نے اپنے مالک و خالق جل و علا تبارک و تعالیٰ کی ذات و صفات وحدت و یکتائی کا علم حاصل نہ کیا اور جنکے قلوب اپنے مآل کار کے ادراک سے قاصر رہے اور جنھوں نے کتب الٰہیہ اور مرسلین کی تکذیب کی جو اللہ تبارک و تعالیٰ کیطرف سے مبعوث تھے وہ بیمار ہیں انکے قلب مریض ہیں۔

جب کوئی عضو مریض ہوتا ہے تو اپنے افعال کو مجرائے طبعی پر جاری نہیں رکھ سکتا۔ آنکھ بیمار ہوتی ہے تو روشنی کا دیکھنا جو اسکا طبعی فعل اور فرض خاص ہے اسکو دشوار اور تکلیف دہ ہو جاتا ہے تو جب ہم دیکھیں کہ آنکھ اپنا کام نہیں کرتی تو ہم کو معلوم ہو جائیگا کہ وہ مریض ہے۔

کان کا کام سننا ہے اگر کان اصوات کا کام چھوڑ دے تو ہم یقین کرینگے کہ وہ بیمار ہے۔ زبان کا فرض چکھنا ہے اگر وہ ذائقہ مزہ دریافت کر سکے تو ہم حکم کرینگے کہ وہ مریض ہے۔ اسی طرح قلب کا کام اور فرض خاص معرفت حق ہے اگر وہ اسکو انجام نہ دے تو جزم کیا جائیگا کہ اسمیں بیماری ہے۔ اسی وجہ سے جن لوگوں نے معارف الٰہیہ اور اسرار ربانیہ کی تکذیب کی اور سرگرم انکار ہوئے معلوم ہوا کہ انکا قلب بیمار ہے۔ جب تو وہ اس چیز کو جو قلب کی زندگی ہے بجائے محبوب رکھنے کے مبغوض رکھتے ہیں اور بجائے سر نیاز جھکانیکے زبان انکار کھولتے ہیں اس حکمت کو وہی جان سکتا ہے جو حقیقی رہنما ہے۔ اسلئے قرآن پاک نے بیان فرمایا فی قلوبھم مرض کہ ان کے دلوں میں بیماری ہے جو انہیں حق تک پہنچنے سے مانع ہے اور جو قرآن پاک جیسے الٰہی فرمان کے انکار پر انکو کمر بستہ کر رہی ہے لیکن قرآن پاک تو رحمت ہے ؏ مہ نور می فشاند و سگ بانگ می زند

اگر چاند کی دلربا روشنی سے کتے بھونکیں تو چاند کو پرواہ نہ کرنا چاہئے وہ اپنے دلدادگان جمال کی آنکھیں روشن کرے۔ اگرچہ بیمار قلب قرآن پاک کی تکذیب کریں تو کیا قرآن پاک کا نزول پھر مانع ہو جانا چاہئے وہ اپنے شیدایان حسن کی دلنوازی فرمائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا جتنا قرآن پاک کا انکار کیا گیا اتنا ہی وہ دلوں پر اثر انداز ہوتا رہا۔

اعتراض:۔ جس نے تمہارے واسطے زمین کو بچھونا اور آسمان کی چھت بنائی (منزل اول سورۃ البقر آیت ۲۲)

محقق (نادان) بھلا آسمان چھت کسی کی ہو سکتی ہے یہ جہالت کی بات ہے آسمان کو چھت کی مانند تمسخر کی بات ہے۔ اگر کسی اور کرۂ زمین کو آسمان مانتے ہوں تو انکے گھر کی بات ہے

جواب:۔ یہ اعتراض ہے یا اپنے حمق کا اظہار۔ جو چیز محیط ہو سر پر نظر آئے اسی کو چھت کہتے ہیں یا چھت کا اور کوئی مفہوم ہے۔ محض انکار کیا وقعت رکھتا ہے آسمان کی چھت ہونے پر کون استحالہ ہے کون محال لازم آتا ہے جو پنڈت جی اسقدر بدکے جہالت کی تو

یہ بات ہے کہ ایسی نفیس تعبیر پر نافہمی کیساتھ زبان طعن کھولی جائے مسخرہ تو وہ معترض ہے جو بدلیل عناداً و تعصباً انکار کرتا ہے آپکو ابھی زباندانی اور انداز سخن سے شناسائی نہیں ہے اور آپکا دماغ فصحا ایسی تعبیروں سے اپنے کلام کو زینت دیتے ہیں اور آشنایان علم و ہنر اس سے لطف حاصل کرتے ہیں۔ اردو کا ایک شعر ہے جو شاعر کی خوش بیانی اور شیریں کلامی کا ثبوت ہے گو پنڈت صاحب کو اسکے لطف سخن کا ذوق نہ ہو۔ مگر اہل نظر تو نتیجہ نکالینگے اس امید پر میں وہ شعر پیش کرتا ہوں۔ شعر

خدا دراز کرے عمر چرخ نیلی کی ۔۔۔ کہ بیکسوں کے مزاروں کا شامیانہ ہوا

محاورہ اور زبان کے جاننے والے فصاحت و خوش بیانی کے ماہر تو اس شعر سے لذت حاصل کرینگے مگر پنڈت جی جنھوں نے وید کی گپ چپیوں کے سوا اور کچھ دیکھا ہی نہیں یہ شعر سنکر نہایت پریشان ہو جائینگے کہ آسمان شامیانہ کیونکر بنگیا لیکن کسی شئے کا کمال پنڈت جی کی بدفہمی سے میلا اور عیب دار نہیں ہو سکتا۔

یہ اعتراض تو خود ہی پنڈت جی کی ہوشمندی اور لیاقت کا ثبوت ہے مگر اسکا اخیر جملہ اور عجیب تر ہے فرماتے ہیں "اگر کسی اور کرہ زمین کو آسمان مانتے ہوں تو اور بات ہے" اب کہئے کہ اس سے بڑھکر اور کیا مسخرگی ہو سکتی ہے زمین کے کتنے کرے پنڈت جی کو ثابت ہو گئے یا کوئی خواب دیکھا یا طبقات الارض کو اپنے محاورے میں کرۂ زمین سے تعبیر کیا اگر ایسا ہے تو اسکا چھت ہونا کیونکر متصور۔ غرض بات وہ ہے جو کسی پہلو پر درست نہیں بیٹھتی اور اسکا کوئی مہمل صحیح نہیں نکلتا حقیقت یہ ہے کہ پنڈت جی کو سنسکرت میں تو کوئی علمی بات نظر نہ آئی۔ یورپ کے فلاسفہ کے اوہام دیکھ کر آپکی آنکھیں چندھیا گئیں اور چونکے کے مینڈک کی طرح نالے کو سمندر سمجھ گئے۔ اور جھٹ پٹ ان خشک فلسفیوں کی کج دماغیوں اور پریشاں خیالیوں پر ایمان لاکر اسکو حقیقت واقعیہ اعتقاد کرنے لگے۔ فلسفی کی یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ حقائق اشیاء کا جیسا کہ وہ نفس الامر میں ہیں عارف ہو بلکہ فلاسفہ

حقائق اشیاء میں غور کرتے ہیں اور جسکے ادراک میں عقل بھی عاجز ہے وہاں وہم سے کام لیتے ہیں تو لامحالہ انکو بیشتر اور اکثر کواذب اور اباطیل کا قائل ہونا پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان میں باہم اختلافات ہیں حقیقت تک رسائی انکے قبضہ واختیار میں نہیں۔ عالم میں کسی ایک شئے کی حقیقت بھی فلاسفہ کو یقینی اور قطعی طور پر منکشوف نہیں ہوئے انھوں اور لا یظنون خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں۔

فلسفہ کی حقیقت اسی قسم کے چند انسانوں کے اوہام وخیالات ہیں اس پر ایمان لے آنا اور اسکو یقینی اور نفس الامری حقیقت خیال کرنا بالکل غلط ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فلسفی کسی چیز کی نسبت ایک رائے قائم کرتا ہے دلائل لاتا ہے مدتوں اسپر اڑا رہتا ہے زمانہ سے اسپر جنگ وجدل کیا کرتا ہے اپنے خیال میں اپنے آپکو سچا اور اپنے مقابل کو بے علم وجاہل جانتا ہے لیکن زمانہ دراز گذرنے کے بعد اسکو کچھ ایسے وجوہ مل جاتے ہیں جنکی بنا پر وہ اپنے پچھلی رائے سے ہٹ جاتا ہے۔ اور اب اسکا شدت سے مخالف ہو جاتا ہے اتنی حقیقت رکھنے والے فلسفہ پر مغرور ہونا اسی شخص کا کام ہے جسکی آنکھیں علوم الٰہیہ کے انوار سے بالکل محروم ہوں دور سے مسافر کو ایک سوار نظر آتا ہے اس پر وہ اپنے رفقا سے استفسار کرتا ہے کہ یہ کیا شئے ہے نظر گو اتنی دور پہنچتی ہے مگر امتیاز سے قاصر ہے لامحالہ اسوقت وہم سے مدد لیجاتی ہے اور جو صورت وہ سامنے لاکر حاضر کرتا ہے وہ ہی رائے قرار دیجاتی ہے لیکن قریب پہنچکر پتہ چلتا ہے کہ وہم کے مخترعات جھوٹے اور باطل تھے آسمان تک نظر تو پہنچتی ہے اور اتنا بتاتی ہے کہ وہ کوئی شئے موجود اور محسوس ومبصر ہے لیکن اسکی کیا حقیقت ہے یہ بتانا نظر کا کام نہیں ہے کوئی باخبر ملے تو اس سے دریافت ہوسکتا ہے اور جنھیں ایسا موقع ملا کہ انھوں نے خبرداروں سے دریافت کیا وہ جانتے ہیں لیکن جنھیں بدقسمتی سے ایسا موقع میسر نہیں ہے وہ بجز اسکے کہ اٹکل اور تخمینہ سے کام لیں وہم کے گھوڑے دوڑائیں اور کیا کر سکتے ہیں۔ آپ فلاسفہ کو دیکھئے تو اس مسئلہ میں نہایت مضطرب اور باہم مختلف

ہیں۔ ایک کہتے ہیں کہ فلک جسم ہے اور متحرک ہے اور حرکت اسکی مستدیر ہے اور دائمہ ہے اور اسمیں خرق والتیام ممکن نہیں ہے۔ دوسرے کہتے ہیں کہ وہ کوئی جسم نہیں آنکھوں ہی کا قصور ہے نظر ہی کی خطا ہے یہ دونوں اندھوں والے ہاتھی کیطرح باہم لڑ جھگڑ رہے ہیں ع

چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند

کسی کو بھی یہ خبر نہیں کہ واقعہ کیا ہے آسمان جسم ہے یا نہیں اور ہے تو کیسا ہے اپنی اٹکلیں لڑا رہے ہیں اور باہم لڑ رہے ہیں۔ پنڈت صاحب کے کان میں کبھی یہ افسانہ پڑ گیا ہوگا کہ بعض فلسفی کہتے ہیں کہ آسمان کوئی جسم نہیں کوئی چیز نہیں نظر اپنے منتہا پر جاکر رک جاتی ہے تو ساون کے اندھے کیطرح اسے ہرا ہرا یا نیلا ہی نیلا سوجھا کرتا ہے یہ عجیب وغریب سی بات اگرچہ شہادت حس کے خلاف اور عقل سے بعید تھی لیکن پنڈت صاحب نے عجیب سمجھکر فوراً ہی تو اسکا اعتقاد کرلیا اور جھٹ قرآن پاک پر اعتراض کر ڈالا کہ ہیں آسمان چھت کیسے ہوسکتا ہے یعنی وہ تو کوئی شئے ہی نہیں۔ اول تو یہ اعتقاد ہی سراسر جہل ہے اور جاننے والے کو نہ جاننے والے کا الزام دینا اس سے بڑھکر حمق اور فرض کرو تو چھت کیساتھ تعبیر کرنے پر کیا اعتراض۔ پنڈت صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ محاورات کی بنا پر عرف ہوتی ہے نہ حقیقت پر پنڈت جی سے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے گنا کھالیا تو وہ مبہوت ہو جائینگے کہ کھوئی اس سے کیونکر حلق سے کیونکر اتری ہوگی اسلئے کہ گنا کھانا تو حقیقت میں جب ہی ہوسکتا ہے کہ جب یہ سب چیزیں کھائی جائیں۔ عرف کا تو ان کی نظر میں کوئی اعتبار ہی نہیں غرض پنڈت جی کا اعتراض کسی توجیہہ و تاویل سے کسی معنی اور مطلب سے درست نہیں ہوتا۔

پنڈت جی آسمان کے مجسم ہونیکا انکار کس منہ سے کرینگے وہ تو ایشور کیلئے بھی جسم مانتے ہیں اپنے خدا کو بھی مجسم ٹھہراتے ہیں اسی ستیارتھ پرکاش کے صفحہ ۱۱ میں لکھتے ہیں "آپ ذبحہ میشور! ہم لوگوں کو محفوظ کرکے راحت بخش کاموں میں ہمیشہ لگائے رکھئے کیونکہ آپ ہی سر درد

عافیت مجسم ہیں"۔ پنڈت جی کے نزدیک سرور بھی مجسم ہوتا ہے اور مجسم ہو کر خدا ہو جاتا ہے۔ اس عقل کا آدمی آسمان کا جسم نہ مانے تو کیا بعید ہے۔

اسی ستیارتھ کے صفحہ ۷ میں ایشور کی اسطرح تعریف کرتے ہیں کہ آفتاب وغیرہ روشن چیزوں کا بطور رحم جائے پیدائش و قیام ہے۔

صفحہ ۱۴۴ میں فرماتے ہیں "جس طرح گولر کے پھل میں کیڑے پیدا ہو کر اسی میں رہتے اور فنا ہو جاتے ہیں اسی طرح پرمیشور کے اندر تمام جہاں کی حالت ہے" کیوں پنڈت جی پرمیشور جسم ہوا کہ نہیں اور رحم سے تشبیہہ دینا یہ تو آپکا غایت ہی درجہ کا ادب ہے یا جس کو دنیا آسمان کہتی ہے اسکو آپ پرمیشور سمجھ بیٹھے ہیں لیکن پھر بھی اعتراض کیونکر ٹھیک ہو۔ گولر کے پھل والے کیڑے کیلئے آپ گولر کی اندرونی سطح جو اسکے سر کی جانب ہے ضرور چھت ہے۔ جب آپنے اس کائنات کیلئے ایک ایسی محیط چیز تسلیم کرلی تو چھت ماننے سے کیا انکار۔ فرق اتنا ہے کہ ہم اسے آسمان کہتے ہیں خدا کی مخلوق مانتے ہیں آپ اسی کو ایشور سمجھتے ہیں۔

ستیارتھ صفحہ ۱۴۴ میں ہے جو تمام دنیا کو ہر جگہ نمودار کر رہا ہے وہ آکاش ہے چونکہ پرماتما تمام اطراف سے دنیا کو نمودار کر رہا ہے اسلئے اس پرماتما کا نام آکاش ہے۔

کہئے اب تو آپنے آکاش ہی کو پرماتما اور ایشور مان لیا شاید آپکے گھبرانیکی یہی وجہ ہو کہ آسمان کو چھت کہدیا یہ کیا غضب ہوا کہ پرمیشور چھت بنا جاتا ہے۔

اعتراض ۱۵ "اگر تم اس کلام سے شک میں ہو جو ہم نے اپنے پیغمبر کے اوپر اتارا تو اسکی سی ایک سورۃ لے آؤ اور شاہدوں اپنے کو پکارو سوائے اللہ کے اگر ہو تم سچے پھر اگر نہ کرو اور البتہ نہ کر سکو گے اس آگ سے ڈرو کہ جسکا ایندھن آدمی اور پتھر اور جو تیار کئے گئے ہیں واسطے کافروں کے۔ (منزل اول سپارہ اول سورۃ البقر آیت ۲۴۔۲۵)

محقق نادان بھلا یہ کوئی بات ہے کہ اسکی مانند کوئی سورۃ نہ بنے کیا اکبر بادشاہ کے زمانہ میں مولوی فیضی نے بے نقط قرآن نہیں بنا لیا تھا۔ وہ کونسی دوزخ کی آگ ہے؟ کیا

اس دنیا کی آگ سے نہ ڈرنا چاہیئے۔ اس آگ میں بھی جو کچھ پڑے وہ اسکا ایندھن ہے جیسے قرآن میں لکھا ہے کہ کافروں کے واسطے دوزخ کی آگ تیار کی گئی ہے ویسے پرانوں میں لکھا ہے کہ ملیچھوں کیلئے گھور نرک بنا ہے۔ اب کہئے کس کی بات سچی ہے؟

اپنے اپنے قول سے تو دونوں بہشت میں جانیوالے اور ایک دوسرے کے مذہب کی رو سے دونوں دوزخی ہوتے ہیں پس ان سب کا جھگڑا جھوٹا ہے ہاں جو دھارمک ہیں وے سکھ اور جو پاپی ہیں وے سب مذہبوں میں دکھ پاوینگے۔ (ستیارتھ صفحہ ۶۶۳)

جواب:۔ اب تو پنڈت جی رو دیئے کہ بھلا یہ کوئی بات ہے اسکی مانند کوئی سورۃ نہ بنے جی ہاں پنڈت جی بات تو یہی ہے جس نے ساری بیدینوں کی بات کھوئی۔ یہ قرآن پاک کا وہ اعلان ہے جس نے عدنان وقحطان کے فصحا وبلغا کی زبانیں بند کر دیں عربی زبان میں اوروں کی ہمتیں توڑ دیں۔

سرزمین عرب کے مدعیان فصاحت ومغروران زباندانی شرمندہ وسر بگریباں ہوگئے قرآن پاک نے کن بلند آہنگیوں کیساتھ دعوے کئے کتنی غیرتیں دلائیں مگر کوئی ہاتھ نہ تھا جو قلم اٹھا سکتا کوئی زبان نہ تھی جو حرکت کر سکتی اس ایک اعلان کے سامنے تمام عالم میں سناٹا ہو گیا جس کمال کو قرآن پاک صدق وحقانیت کی دلیل بنائی گئی تھی اسکے انکار میں کوئی زبان نہ کھلی اسکے مقابلہ کیلئے کوئی تیار نہ ہوا۔

آج تیرہ سو برس سے زیادہ گزر چکے ہیں عرب کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ ہی میں نہیں عالم کے بر وبحر میں سطوح ارض اور فضائے ہوا میں ہر معمورہ اور آبادی میں ہر قریہ اور بستی میں دنیا کے ذرہ ذرہ کے کان میں یہ آواز پہنچ چکی ہے کہ قرآن جیسا کوئی نہیں بنا سکتا اور سور قرآنیہ کی مثل ایک چھوٹی سی سورۃ بھی نہیں لا سکتا۔ آج ترقی کا دور ہے مشرق میں بیٹھا ہوا آدمی مغرب والوں سے تار کے کھٹکے پر بات کرتا ہے بجلیوں سے گاڑیاں چلاتا ہے مہینوں کے راستے گھنٹوں میں طے کرتا ہے۔ ہوا میں اڑا پھرتا ہے۔ روزمرہ اپنی

صنعت وحرفت اور اپنے کمالات کو عالم انسانی نہایت آب و تاب کیساتھ پیش کرتا رہتا ہے۔ ہوا میں پیدا ہو کر مٹ جانیوالی صوتی کائنات ریکارڈوں میں محفوظ کر دیجاتی ہیں۔ لب ولہجہ اور آوازوں کے اتار چڑھاؤ اور حروف کے مخارج و صفات کلموں کے اوزان اور موسیقی خصائص ایک رکابی میں حاصل کر لئے جاتے ہیں۔ آج پچھلے صناعوں کی صنعت کو شرمایا جاتا ہے اور ہر صاحب فن کو اسکے فن میں شکست دی جاتی ہے۔ سب کچھ ہوتا ہے اور دنیا سب کچھ کرتی ہے مگر قرآن پاک جیسی ایک صورت نہ بن سکی نہ سکتی ہے یہاں انسانی قدرت معترف قصور ہے یہانتک بشری طاقت کی رسائی نہیں۔

تیرہ سو برس کے زباندان عاجز رہے ہر قرن اور زمانہ میں مدعیان کمال اور زباندانی کے صاحب کمالوں نے عرق ریزیاں کیں محنتیں اٹھائیں۔ مگر نتیجہ یہی ہوا کہ انہوں نے اس کلام پاک کی علو و برتری کے سامنے دعوے اور غرور کے سر عجز و نیاز کی خاک پر رکھے۔ کبر و تعلی کی پیشانیاں اعتراف قصور کی زمینوں پر رگڑیں اور کلام پاک کی بیمثالی کا نقش ان کے قلب میں گھر کر گیا۔ پنڈت جی نے ہر طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کہ قرآن پاک کے اس دعوے کے حضور کوئی سر بھی اٹھ سکا کوئی زبان حرکت میں آئی کسی قلم نے بھی جنبش کی مگر پنڈت صاحب کو ہر طرف عالم خموشاں ہی نظر آیا۔ جہان سنسان تھا کسی کے منہ میں زبان تھی نہ زبان میں حرکت نہ کسی ہاتھ میں قلم رہا نہ قلم میں جنبش۔ اب پنڈت جی حیران رہ گئے اور اس سراسیمگی اور بیچارگی کی حالت میں انہوں نے شیخ فیضی کی تفسیر کو بے نقط قرآن کہہ کر اپنے بھولے اور مورکھ دوستوں اور معتقدوں کو مغالطہ دینے کی کوشش کی مگر یہ وہی ناکام و بے سود کوشش ہے جو ہر مجبور و ناچار سے مضطربانہ سرزد ہوا کرتی ہے اور جو بازیچہ اطفال میں بھی مضحکہ انگیز حمق سمجھی جاتی ہے۔ شیخ فیضی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والا قرآن پاک کے حرف حرف پر مٹنے اور جان فدا کرنیوالا اسکے کتاب الٰہی ہونیکا معتقد اسکی بیمثالی کا دلدادہ اسکے بیان حسن میں زبان کھولتا ہے اور بے نقط عبارت میں اسکی

تفسیر کر کے یہ دکھاتا ہے کہ زباندانی کا ایسا بڑا ماہر قرآن پاک کی فصاحت کے حضور سرافگندہ
ہے یہ تو قرآن پاک کے دعوے کے ثبوت میں ایک اور تائید تھی جسکو پنڈت جی نے براہ
چالاکی مغالطہ معتقدین کی غرض سے مقابلہ قرآن پاک قرار دیکر شیخ فیضی پر بہتان کیا۔ شیخ
مذکور نے کہاں اور کس جگہ اشارہ اور کنایہ میں اسکا ذکر کیا ہے کہ وہ اپنی عبارت کو قرآن
پاک کے مقابلہ کیلئے پیش کر رہا ہے یہ تو بڑی بات ہے یہی ثابت کیجئے کہ اسکے وہم وخیال میں
بھی کبھی گذرا کہ اسکی عبارت کو نظم قرآنی سے کوئی ادنیٰ نسبت بھی ہے اور جب یہ ثابت نہ کر
سکے تو ہزار تف اسپر جو حق واضح کے انکار کیلئے بہتان اٹھائے فیضی نے جیسی تفسیر لکھی اس
میں یہ دعویٰ اسکو نہیں پہنچا کہ ویسی عبارت اور کوئی نہیں لکھ سکتا آج بھی بفضل اللہ القدیر
علما میں بہت سے نفوس ایسے موجود ہیں جو ویسی اور اس سے بہتر عبارت لکھ سکتے ہیں۔ ابھی
پنڈت جی کو علمائے اسلام کے کمالات علمیہ کی خبر نہیں بے نقط عبارت سے بڑھکر مشکل ترین
کام انجام دینے والے منقلب اور منقوط عبارتیں لکھنے والے ایک سلسلہ نظم میں نونو مختلف
علوم کی کتابیں لکھنے والے جسکے علم وفضل اہل کمال کو حیرت میں ڈالتے ہیں۔ قرآن پاک
کے دقائق کو سمجھنے سے عاجز ہیں۔

پنڈت جی جو عربی کا ایک حرف نہیں جانتے اور علم سے محض کورے اور نابلد ہیں
وہ بیچارے کیا جان سکتے ہیں کہ فیضی کی عبارت اور زباندانی کس درجہ کی ہے اور اسکو
قرآن پاک سے کوئی نسبت بھی ہے یا نہیں مگر اتنا دیکھنا تھا کہ فیضی اور اسکے بعد آج تک یہ
وہم بھی کیا کہ فیضی کی یہ عبارت قرآن پاک کے حضور پیش کرنیکے قابل ہو سکتی ہے بلکہ صراحتًا
دیکھ رہے ہیں کہ پنڈت جی کو حیران کرنیوالی عبارت لکھ کر بھی فیضی قرآن پاک کو کلام الٰہی
اور معجز مانتا ہے اور یقین کامل رکھتا ہے کہ مقدرت انسانی اور حیطۂ قدرت بشری سے
خارج ہے کہ ایک سطر بھی اسکے مقابل لکھ سکے بلکہ جتنا بڑا عالم ہے اتنی ہی اسپر عظمت قرآنی
اور منکشف ہے اور وہ قرآن پاک کے اس اعجاز کا بہت زیادہ ماننے والا اور اس عقیدت میں

بہت راسخ اور کامل ہے۔

فیضی تو کیا چیز ہے عرب کے شہرۂ آفاق فصحا جنکی فصاحت و بلاغت کے سکے بیٹھے ہوئے تھے سرنگوں ہو گئے اور تعلیوں کی گرم بازاریاں سرد پڑ گئیں۔ انکو عملاً اعتراف کرنا پڑا کہ قرآن پاک جیسی کتاب تو کیا معنی اسکی ایسی ایک چھوٹی سی سورت بھی کوئی نہیں بنا سکتا اب یہ حقیقت ایسی بدیہی ہو گئی ہے جس میں صرف اسی شخص کو تامل ہو سکتا ہے جسکو روز روشن میں نصف النہار کے وقت آفتاب کی روشنی میں شبہ ہو۔ تیرہ سو برس تک کے تمام عربی و عجمی ماہران زبان کا عاجز رہنا ایسا نہیں ہے جیسا وید کو تمام علوم کا سرچشمہ بنا دینا ریل اور تار اور ہوائی جہاز جو بھی چیز نظر آئی سب وید ہی میں سے نکلی۔ یہ پنڈت جی کا دعویٰ ہے اور پنڈت جی واقف ہیں کہ انکا دعویٰ وید پر خالص اتہام ہے۔ وہ ہر دعوی کو اپنے ہی دعوے پر قیاس کرتے ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ وہ انکار بداہت جیسی شرمناک قباحت کے مرتکب ہوئے ورنہ قرآن پاک کا دعویٰ آج اسقدر جلی، بین، واضح، روشن ظاہر ہے کہ اسکو کسی دلیل و برہان کی حاجت نہیں اور وہ خود ایک زبردست، محکم قطعی الیقینی برہان ہے۔

پنڈت جی کہتے ہیں وہ کونسی دوزخ کی آگ ہے اس دنیا کی آگ سے ڈرنا چاہئے اس آگ میں بھی جو کچھ پڑے وہ اسکا ایندھن ہے۔

جواب:- قرآن پاک میں ارشاد ہوا تھا ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صدقین۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ ٥ اعدت للکفرین مطلب یہ ہے کہ اگر تم شک میں ہو اس چیز سے جو ہم نے اپنے بندے اسید کائنات سرور انبیا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی ہے اور تمہیں یہ وہم ہو کہ یہ کتاب اللہ کی کتاب نہیں بندے کی بنائی ہوئی ہے تو بندے کی بنائی ہوئی جو چیز ہوتی ہے ضرور دوسرا اس جیسی بنا سکتا ہے اسلئے تمام منکرین کو عام اعلان دیا جاتا ہے کہ اسکی مثل ایک سورت بنا

بلاؤ اور مدد کیلئے اپنے شہداء کو بھی ساتھ۔ ان تمام معبودوں کو بھی شریک کرلو جنہیں خدا کے سوا پکارتے ہو اگر تم سچے ہو اور تمہارا یہ وہم باطل کچھ بھی حقیقت یا جان رکھتا ہے تو اگر تم ایسا نہ کرسکو اور یقیناً نہ کرسکو گے تو اس آگ سے ڈرو جسکا ایندھن آدمی اور پتھر (بت) ہیں جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

قرآن پاک میں اس کتاب مقدس کے کلام الٰہی ہونیکی کیسی دلپذیر اور خاطر نشین اور اطمینان دلانیوالی قطعی یقینی برہان پیش فرمائی گئی۔ جب دنگل میں کھڑا ہوکر پہلوان شیرافگن بہادروں کے مجمع اور جمگھٹ میں ایک شخص تمام زورآوروں اور نبرد آزماؤں کو خطاب کر کے للکارتا ہے اور باآواز بلند اعلان عام کیساتھ کہتا ہے کہ آج کوئی نہیں ہے جو اس اکھاڑہ میں میرے مقابل آسکے اور اسکے دعویٰ کرتے ہی گردن فراز دلیروں کی نگاہیں جھپ جاتی ہیں اور وہ سرنگوں ہوکر بیٹھ جاتے ہیں کسی میں حس و حرکت کا نام و نشان باقی نہیں رہتا اور وہ برابر اپنے دعوے کی تکرار کئے جاتا اور اپنا مقابل مانگے چلا جاتا ہے لیکن کسی طرف سے کوئی پہلوان جرات نہیں کرتا مجمع منتظر ہے کہ اس شخص کو جھوٹا کرنیکے لئے کوئی تو اٹھے مگر لاکھوں دیو پیکر جی چھوڑ بیٹھے اور حیرت کے پتلے بن گئے یہ منظر دیکھ کر ہر شخص اس یقین پر پہنچ جاتا ہے کہ اسکے مقابلہ کی تاب انمیں سے کسی میں نہ تھی اور کسی شخص کو اس حقیقت میں شبہ باقی نہیں رہتا بشرطیکہ پنڈت جی کے ایسے ذہن و دماغ والا آدمی وہاں موجود نہ ہو۔

خلاصہ۔ یہ کہ قرآن پاک ایسی واضح برہان سنکر بھی پنڈت صاحب الجھ گئے اور اپنے دماغ کے قابل اور علم و استعداد کے لائق فرمایا تو کیا فرمایا کہ وہ کونسی دوزخ کی آگ ہے کیا اس دنیا کی آگ سے نہ ڈرنا چاہئے۔

یہ کتنا احمقانہ سوال ہے کیا پنڈت جی کو اس آگ کے چھو کر یا ٹٹول کر دیکھنے کی ضرورت تھی وہ ضرورت تو اب انشاء اللہ باقی نہ رہی ہوگی مگر جس وقت انہوں نے فرمایا تھا اسوقت اس بات کا منہ سے نکالنا انکی تاریکی قلب کا پتہ دیتا ہے۔ ایک شخص سے یہ کہا جاتا ہے کہ اگر تم

فلاں جرم کے مرتکب ہوئے تو تمکو جزیرہ انڈیمین کو ہاتھ سے چھو کر ٹٹول کر آنکھ سے دیکھکر معلوم کرے
تو اسکی یہ ہوس کسقدر عقل سے دور ہے۔ جزیرہ انڈیمن کوئی ایسی چیز نہیں جو اسکے ہاتھ میں تھما
دیجائے اور وہ اسے چھو کر دبا کر دیکھ سکے اور اگر اسکا یہ مطلب ہے کہ جزیرہ انڈیمین کے حالات
بیان کئے جائیں تو جہنم کی آگ کے حالات جابجا قرآن پاک میں موجود ہیں اور خود اس آیت
میں بتادیا گیا ہے کہ وہ آگ جسکا ایندھن آدمی اور بت ہیں اور جو کافروں اور منکروں کی سزا
کیلئے تیار کی گئی ہے۔ یہ سنکر پھر یہ پوچھنا کہ وہ کونسی آگ ہے نہایت گہری جہالت ہے۔ پھر یہ
کہنا۔ کیا اس دنیا کی آگ سے نہ ڈرنا چاہیئے۔ سخن فہمی کی کمنازل سے کسقدر دور ہے ایک شخص
کو تنبیہ کی جاتی ہے اور جرم و خطا سے بچانے کیلئے راہ راست اور صراط مستقیم پر لانے میں پوری
پوری کوشش کیجاتی ہے اور اس سے منحرف ہونیکی تقدیر پر اسکو اس مجرم کی سزا سے ڈرایا
جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر تو اپنے افعال سے باز نہ آیا تو تجھ کو جیلخانہ کی تنہائیوں اور چکیوں
سے ڈرنا چاہیئے جو چوروں اور بدمعاشوں کیلئے تیار کیگئی ہیں۔ کیا اس نصیحت سے اسکو
فائدہ اٹھا کر اپنے افعال درست کرنا چاہئیں یا پنڈت جی کیطرح یہ کہدینا چاہئے کہ کیا
یہاں کی تنہائیوں اور چکیوں سے نہ ڈرنا چاہیئے اس مجرم کا یہ جواب جسقدر نامعقول
اور بیہودہ ہوگا اس سے بدرجہا بدتر پنڈت جی کا جواب ہے۔

پنڈت جی کو ہنوز دنیا اور آخرت کی آگ میں فرق نہیں معلوم ہوا۔ یہاں کی آگ ہمارے
اسباب آسائش میں سے ایک چیز ہے جسکو ہم اپنے اختیار سے جبتک اور جتنا چاہتے ہیں
میں لاتے ہیں۔ جب چاہتے ہیں سرد کر دیتے ہیں۔ اپنی غذائیں پکانے اور حمام گرم کرنے
کی اس سے خدمتیں لیتے ہیں۔ اور دوزخ کی آگ نہ ہمارے قبضہ کی نہ اختیار کی بلکہ وہ
عذاب الٰہی ہے جو کافروں اور گنہگاروں پر مسلط کیا گیا ہے نہ وہ اس کو بجھا سکتے ہیں
نہ اسکی تیزی بند کر سکتے ہیں۔ وہ آگ ان کے کام میں نہیں آتی۔ انکی کوئی خدمت انجام
نہیں دیتی۔ بلکہ آخرت کی آگ کافروں کو عذاب الٰہی کی ایسی تکلیف پہنچاتی ہے جو بیان

میں نہیں آسکتی وہ تکلیف نہ انکے ٹالے ٹل سکتی ہے۔ نہ اس سے کہیں بھاگ سکتے ہیں نہ ان کے جھوٹے معبود انکو اس سے بچا سکتے ہیں انکے ساتھ انکے باطل معبود بھی اسی آگ کا ایندھن بنائے جائینگے اس آگ سے دنیا کی آگ کا مقابلہ کتنی عقلمندی ہے سبحان اللہ یہ عقل اور اعتراض

پنڈت جی لکھتے ہیں جیسے قرآن میں لکھا ہے کافروں کے واسطے دوزخ کی آگ تیار کی گئی ویسے ہی پرانوں میں لکھا ہے کہ مچھوں کیلئے گھور نرک بنا ہے اب کہئے کس کی بات سچی مانیں اپنے اپنے قول سے تو دونو بہشت میں جانیوالے اور ایک دوسرے کے مذہب کی رو سے دونوں دوزخی ہوتے ہیں پس ان سب کا جھگڑا جھوٹا ہے۔

پنڈت جی اگر کچھ لکھے پڑھے ہوتے تو ان سے دریافت کیا جاتا کہ قرآن پاک کی تکذیب کیلئے یہ کس قسم کی برہان ہے کیا ایک شخص کے دعویٰ کرنے سے یا نقال کے نقل اتارنے سے دوسرے شخص کا دعوےٰ وراصل جھوٹے ہو جاتے ہیں۔

اگر ایک زمین کی نسبت ایک شخص رجسٹری شدہ دستاویز کی رو سے دعویٰ کرے کہ میں اسکا مالک ہوں اسکے مقابلہ میں دوسرے شخص بالکل بلا سند مدعی بن جائے تو کیا اس سے دستاویز والے کا دعوےٰ جھوٹا ہو جائیگا بلکہ اس سے بڑھ کر یوں فرض کیجئے کہ ایک شخص دعوےٰ کر رہا ہے اور ہنوز اسنے اپنے اس دعوے کا کوئی ثبوت بھی پیش نہیں کیا ہے دوسرا شخص اسی طرح اسکے مقابلہ میں دعویٰ کرنے لگا تو کیا وید کا فلسفہ ان دونوں کو جھوٹا قرار دیگا۔ کاش پنڈت جی کسی دلیل یا کچہری کے اہلکار کی صحبت میں کوئی روز رہے ہوتے تو شاید انکی زبان سے ایسے لغویات نہ نکلتے اور اس ندامت سے بچ سکتے۔

قرآن پاک کا دعویٰ عالم کو عاجز کر دینے والے دلائل و براہین سے ثابت ہے اسکے مقابلہ میں کسی دوسرے کلبے سند دعوے کر بیٹھنا اسکے مدعا کو کیا ضرر پہنچا سکتا ہے۔ پنڈت جی شوق اعتراض میں عقل و خرد سے قطع تعلق کر کے جو جی میں آتا ہے کہہ گذرتے ہیں اور مآل بکار کیطرف التفات بھی نہیں جاتا یہ کند چھری جو آپنے تیز کر کے رکھی تھی اس سے تو

دشمن کا تو بال بھی نہ ٹیڑھا ہوا مگر انکی اپنی گردن کٹ گئی۔

ایک طرف تو پنڈت جی وید مت کی سچائی کے قائل ہیں دوسری طرف گرو نانک اسکو کہانی بتا رہے ہیں تو پنڈت جی کے قاعدہ سے دونوں جھوٹے۔ ایک طرف پنڈت جی سناتن دھرمیوں کو جھوٹا کہہ رہے ہیں اور انکے رد میں ستیارتھ پرکاش کے ورق کے ورق انہوں نے کالے کر ڈالے دوسری طرف سناتن دھرمی پنڈت جی کی مخالفت میں سرگرم ہیں۔ پنڈت جی کے قاعدہ سے دونوں جھوٹے ہیں اور لطف یہ کہ پنڈت جی کا جھوٹا ہونا خود انکے قول اور قرار سے لازم آتا ہے۔ یہ ہے قرآن پاک پر اعتراض کرنیکا نقد نتیجہ۔

ایک نابینا کہہ سکتا ہے کہ زید کہہ رہا ہے کہ آفتاب نکل آیا بکر انکار کرتا ہے میں کسکی بات مانوں اس تحیر میں نابینا ہی رہ سکتا ہے کہ کون سچا ہے بینا جسے خدا نے آنکھیں دی ہیں وہ متردد نہ رہیگا اسکی آنکھیں خود فیصلہ کر دیگی کہ کون سچا ہے۔

جب دونوں طرف مدعی ہوں تو آنکھ والا دلیل کو دیکھ کر فیصلہ کر سکتا ہے صرف اندھا متردد رہ سکتا ہے اور قرآن پاک کی تو وہ زبردست دلیل ہے کہ اندھا بھی اگر مسلوب العقل یا مغلوب العناد نہ ہو تو اسکی حقانیت کے یقین تک بے تردد پہنچ جاتا ہے۔ لیکن پنڈت جی کی حالت اس اندھے سے بھی بدتر ہے کیونکہ اندھے کو صرف یہی تردد ہے کہ زید سچا ہے یا بکر ایسی حماقت اسنے بھی نہیں کی کہ دونوں کو جھوٹا بتا دے یہ کام پنڈت جی کی لیاقت کا تماشہ

ہر کسے را بہر کارے ساختند

پنڈت جی لکھتے ہیں "ہاں جو دھارمک ہیں وے سکھ اور جو پاپی ہیں وے سب مذہبوں میں دکھ ہی پاویں گے۔

جواب ا۔ پنڈت جی کی عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ دکھ اور سکھ، رنج و راحت، تکلیف و آسائش یعنی جزا اور سزا کا دارومدار صرف نیک چلنی اور بد چلنی یعنی صرف عمل پر ہے انکے خیال میں اچھے کام کرنیوالا خواہ کوئی مذہب رکھتا ہو سکھ ہی پائیگا۔ اسکو تکلیف نہیں

پہنچ سکتی۔ برے کام کرنیوالا خواہ کوئی مذہب رکھتا ہو تکلیف ہی پائیگا اسکو راحت نہیں ملسکتی تو مذہب نہ تکلیف سے بچا سکتا ہے نہ راحت پہنچا سکتا ہے۔ نہ اسکے ذریعہ سے مصیبت ٹل سکتی ہے نہ راحت مل سکتی ہے تو وہ ہے کس مرض کی دوا اور کس بیماری کا علاج۔ اب کس منہ سے آپ آریہ مذہب کی تبلیغ کرینگے اور دنیا کو اسکی دعوت دینگے۔ جب خود آپکے نزدیک مذہب کوئی مفید چیز نہیں۔ آپکے نزدیک بدکار آریہ سکھ نہیں پاتا اور دکھ سے نہیں بچ سکتا اور نیک مسلمان سکھ پائیگا اور دکھ سے محفوظ رہیگا تو پھر دنیا کا کوئی شخص کیوں آریہ ہو۔ ویدک دھرم کے قبول کرنیکا ثمرہ کیا۔

پنڈت جی نے اپنے ان جملوں میں تو مذہب کا خاتمہ کر دیا آریوں کو آنکھیں کھولنا چاہئیں اور سوچنا چاہئے کہ جب ویدک دھرم انہیں نجات نہیں دلا سکتا تو وہ کس غرض کے لئے آریہ ہیں عقل و خرد سے کام لیں اور اس دین حق کے سامنے گردن جھکائیں جو نجات کا وعدہ دیتا اور مغفرت کی بشارت سناتا ہے جس کا یہ ارشاد ہے۔

ان الذین امنوا وعملوا الصالحات کانت لہم جنت الفردوس نزلا خالدین فیہا لا یبغون عنہا حولا۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے فردوس کی جنتیں انکی مہمانی ہیں ان میں ہمیشہ رہینگے اور اسے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے۔

اس آیت مبارکہ میں ایمانداروں نیک کرداروں کو جنات فردوس میں دوام عیش و راحت کی بشارت دی گئی ہے۔

آریو! کیوں اس مذہب کی قید و بند میں گرفتار ہو جو سرمہ بھر راحت کا وعدہ نہیں دیتا جو کسی تکلیف و مصیبت سے خلاصی نہیں دلا سکتا جہاں عفو و مغفرت کرم و احسان کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔

پنڈت جی نے راستہ صاف کر دیا وہ کہتے ہیں کہ نیک سب مذہبوں میں آرام اور بد سب مذہبوں میں تکلیف پائیں گے۔ اگر تم پنڈت جی کو سچا جانتے ہو تو مذہب کی قید سے

آزاد ہو جاؤ۔ ویدک دھرم سے ہاتھ اٹھاؤ۔ اسکے پرچار میں لاکھوں روپیہ مت برباد کرو۔ دیگر مذہب والوں کے ساتھ خونخوارانہ غیظ و غضب کا برتاؤ کر کے پاپی نہ بنو۔ پنڈت دیانند پر مذہب کی یہ حقیقت کھل گئی ہے کہ وہ اصلاً فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ تو پھر تم کیوں تم مذہب کے پھندہ میں پھنس رہے ہو آؤ آؤ اسلام کے وسیع خوان کرم پر آؤ۔ جہاں خلود راحت اور دوام عیش کا مژدہ ہے اور عفو و مغفرت اور رحمت و کرم کے وعدے ہیں۔ نجات کی ذمہ داری اور بخشش کی کفالت ہے۔

پنڈت جی لکھتے ہیں "اور خوشخبری دے ان لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور کام کئے اچھے یہ کہ واسطے انکے بہشتیں ہیں۔ چلتی ہیں انکے نیچے نہریں جب دیئے جائینگے اس میں سے میوؤں کا رزق کہیں گے یہ وہ چیزیں ہیں جو ہم کو پہلے دی گئیں تھیں اور واسطے انکے بیویاں ہیں ستھری اور ہمیشہ ہے وہاں انکا رہنا۔"

محقق (بھلا اس قرآن کی بہشت میں دنیا سے بڑھکر کون سی عمدہ شئے ہے جو چیزیں دنیا میں ہیں وہی مسلمانوں کی بہشت میں ہیں اور اتنی زیادتی ہے کہ یہاں جیسے آدمی مرتے اور پیدا ہوتے اور آتے جاتے ہیں اسطرح بہشت میں نہیں مگر یہاں عورتیں ہمیشہ نہیں رہتیں اور وہاں بیبیاں ہمیشہ رہتی ہیں۔ جبتک قیامت کی رات نہ آئیگی تب تک ان بیچاریوں کے دن کس طرح گزرتے ہونگے ہاں اگر خدا کی ان مہربانی ہوتی ہوگی اور خدا ہی کے سہارے وقت گزارتی ہونگی یہی ٹھیک ہو سکتا ہے مسلمانوں کا بہشت گوکلئے گسائیوں کے گولوک اور مندر کی طرح معلوم ہوتا ہے جہاں کہ عورتوں کی عزت بہت ہے مردوں کی نہیں اسی طرح خدا کے گھر میں عورتوں کی قدر بہت ہے اور ان سے خدا کی محبت بھی مردوں کی نسبت زیادہ تر ہے کیونکہ خدا کی مرضی بہشت میں کیونکر ٹھہر سکتی ہیں۔ اگر یہ بات ایسی ہی ہے تو خدا بھی عورتوں میں غلطاں رہے۔

جواب :- پنڈت جی نے اپنا نام محقق رکھا ہے جس قوم کے محقق کی یہ حالت ہو اس کے عوام کا کہنا ہی کیا۔ آپکی تہذیب و انسانیت کا نمونہ آپکی مسطورہ بالا عبارت میں موجود ہے۔

کوئی بازاری بدلگام بھی خدا کی شان میں ایسے بیہودہ کلمات زبان سے نکالنا گوارا نہ کریگا۔ پنڈت جی کے دھرم نے انہیں یہی تہذیب سکھائی ہے اور وہ اسی شائستگی کا علم لیکر اٹھے ہیں۔
قرآن پاک کی جس آیت پر آپ بہت بگڑ رہے ہیں۔ اس میں ایمانداروں کو جنت اور نعمائے آخرت کا مژدہ دیا گیا ہے۔

یہ رشک و حسد آپکو آپے سے باہر کر رہا ہے جب آپ نے دیکھا کہ اسلام نے اپنے حلقہ بگوشوں کو دوام عیش اور خلود راحت اور بیشمار و بیقیاس نعمتوں کی بشارت دیکر مطمئن کر دیا۔
اور وید کے دھرم کچھ دے نہیں سکتا تو اب آپکے پاس بجز اسکے اور کیا چارہ تھا کہ منہ چڑانے لگے کھسیانے ہوکر ہمیشہ منہ چڑایا کرتے ہیں مگر اس سے وہ اپنا ہی منہ بگاڑ لیتے ہیں۔
آپکا یہ اعتراض "بھلا اس قرآن کی بہشت میں دنیا سے بڑھکر کونسی عمدہ شے ہے"۔
جب کچھ کہنے کے قابل ہوتا۔ جب آپ وید کی بہشت کی دس بیس افضل نعمتیں شمار کراتے اور پھر مقابلہ میں قرآنی بہشت کی نعمتوں کو دریافت کرتے۔ مگر وید کے پاس تو بہشت ہی نہیں، وہاں سے آپ بجز بہشت اور کچھ پا ہی نہیں پا سکتے۔ وید کی یہ ناداری دیکھکر آپکو شرما جانا چاہیے تھا مگر آپنے زبان درازی شروع کر دی۔

وہاں تو دنیوی نعمتوں کی برابر بھی کچھ ملنے کی امید نہیں وہاں آپکو متوقع کیا جاتا ہے۔ نوبلی، بندر، کتا، سور، گائے، بیل، مکھی، مچھر بنے پر اسی کے مقابلہ میں قرآنی بہشت کی نعمتیں آپکو بے قدر معلوم ہو رہی ہیں۔ پھر یہ کہدینا کہ "قرآن کی بہشت میں دنیا سے بڑھکر کونسی عمدہ شے ہے"۔ کمال جہالت کا پتہ دیتا ہے۔ اگر کسی دیہاتی کا بدعقل لڑکا یہ کہے کہ ہم میں اور بادشاہ میں کیا فرق ہے۔ ہم بھی مکان میں رہتے ہیں وہ بھی مکان میں رہتا ہے۔ ہمارے مکان میں بھی روشنی ہوتی ہے اسکے مکان بھی روشنی ہے۔ ہمارے مکان میں بھی درخت ہیں اسکے یہاں بھی ہیں۔ یہی گاؤں کی چیزیں سب وہاں ہیں اور کونسی نئی چیز ہے اور وہ لڑکا محض گھر اور مکان کا لفظ کہے جانے سے اپنے جھونپڑے میں اور ایوان شاہی میں فرق نہ کرے تو جس

قدر خبطی اور بدعقل کہا جائیگا وہ بدرجہا اس سے کم ہے جو پنڈت جی کی حالت ہے تعجب تو یہ
ہے کہ پنڈت جی نے اپنے احوال پر نظر نہ کی انکے مذہب میں انکا ایشور کسی بڑے سے بڑے
اپنے پرستار کو کیا جزا دیسکتا ہے یہی کہ ایک جون سے نکالکر دوسری جون میں پہنچا دے۔
وہاں ان دنیوی نعمتوں کے سوا اور کونسی نعمت ہوتی ہے بلکہ اگر کہیں حسن عمل کے صلہ
میں وہ جون ملی جو ہندوؤں کے عقیدہ میں سب سے زیادہ محترم ہے اور جس کیلئے وہ دنیا
میں جھگڑا فساد قتل، خونخواری کرتے رہتے ہیں اور لاکھوں روپیہ اسکی رکھشا میں ضائع کرتے
ہیں اور ہزارہا آدمی اپنی پوری زندگی کو اسی دھن میں صرف کر ڈالنا بہترین نیکی خیال کرتے
ہیں یعنی گائے کی جون تو اتنا اضافہ ہو جائیگا کہ آپکے گلہ میں رسی ہوگی کھونٹے سے بندھے
ہونگے چیرا الگ بندھا ہوگا۔ ظالم ہندو اسکے منہ سے آپکا تھن چھڑا کر اسکا حق چھین کر ڈکوس
جاتے ہونگے اور اس ظالمانہ فعل سے ناراض ہو کر اگر کبھی لات چلا دی تو وہی گئو رکھشا کرنے
والا لٹھ سے خبر لیتا ہوگا اور جب دودھ کی عمر گزر چکی ہوگی تو وہی رکھشا کے مدعی قصائی کے
ہاتھ بیچ آتے ہونگے کھال کے جوتے بنائے جاتے ہونگے اور یہ تمام عزت جسکی نظیر پنڈت جی
کے خیال میں دنیا میں نہیں ہے جب ہی مل سکتی ہے جبکہ آپکو اپنے عمل کی یاداش مادہ کی
جون ملی ہو اور اگر کہیں قسمت سے نر کی جون میں آئے تو بدھیا کئے گئے کندھے پر جوا رکھ
کیا دن بھر ہل میں جتے پھرے آروں سے لہولہان کر دیئے گئے ان نعمتوں کے غرور پر آپ
کو جنت کی نعمتیں بے اصل معلوم ہو رہی ہیں اور اس جزا کے مقابل اس بیمثل جزا پر لب
کشائی کا یارہ ہے اور اگر آپ فرضی موہوم مکتی کو جنتیوں کی نعمتوں کے مقابل ذکر کیجئے تو
اس کی حقیقت بھی دیکھ لینی چاہیئے کہ وہاں کیا سروسامان ہے اور وہ کن نعمتوں کے بعد
میسر آتی ہے۔ مکتی کن باتوں سے حاصل ہوتی ہے۔

اسکے متعلق پنڈت دیانند ستیارتھ پرکاش صـ۳۱۱ میں لکھتے ہیں پرمیشور کا حکم بجا لانے سے
ادھرم (بدعملی)، اودیا (بےعلمی)، بدصحبت بد تاثیرات اور بدعادات کے پرہیز سے ست گو

رفاہ دیگراں، ودھیا (علم) اور بے رو رعایت پرارتھنا (مناجات) اور اپاسنا (عبادت) یعنی یوگ کی مشق کرنے سے علم کے پڑھانے پڑھنے اور دھرم سے کوشش کر کے دھیان کو ترقی دینے سے سب سے عمدہ سادھن (کامیابی کے ذریعے) کو کام میں لانے سے اور جو کچھ کیا جائے وہ سب بے رو رعایت انصاف اور دھرم کے مطابق ہی کیا جائے ایسی ایسی تدبیروں سے مکتی ہوتی ہے۔

پنڈت جی کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتی صرف اس شخص کو میسر آسکتی جس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو کبھی پرمیشور کے حکم کے خلاف نچلا ہو۔ ہمیشہ عبادت وعلم کے شغل میں مشغول رہا ہو جو کچھ کیا ہو بے رعایت انصاف سے کیا ہو دوسروں کی رفاہ خیر خواہی اور راست گوئی میں کمی نہ کی ہو برونکی صحبت میں بھی نہ بیٹھا ہو تو اس صفات کا آدمی میں نہیں سمجھ سکتا کہ پنڈت جی صدہا سال میں بھی اپنے مذہب میں سے تلاش کر سکتے ہوں خود انکے جیون چرتر یعنی سوانح زندگی پر نظر ڈالنے سے وہ بھی اسکے اہل نہیں معلوم ہوتے انہوں نے دوسروں کی بہت دل آزاریاں کی ہیں۔ خود اس ستیارتھ پرکاش میں مسلمانوں عیسائیوں ہندوؤں کا بہت دل دکھایا ہے۔ بہت سے غلط الزام لگائے ہیں تو یہ مکتی انہیں بھی میسر نہ آسکی تو کون آریہ اسکا مستحق ہو سکے گا اور کونسا انسان پنڈت جی ایسا تلاش کریگے جس نے کوئی کام رو رعایت سے بھی نہ کیا ہو۔ برے کی صحبت میں بھی نہ بیٹھا ہو تو یہ دل خوش کن وعدہ کسی کے حق میں بھی پورا ہونیوالا نہیں اور آپکی موہوم مکتی کسی کو بھی میسر نہیں آسکتی۔

دنیا میں جانداروں کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے اور اسمیں بہت نمایاں ترقی ہے۔ اگر کچھ روحیں مکتی پا جایا کرتیں تو جانداروں کی تعداد گھٹنے لگتی اس سے معلوم ہوا کہ مکتی کوئی نہیں پاتا۔

اس سے بھی قطع نظر کیجئے اس موہوم مکتی میں کیا ہے اور وہ مکتی خانہ کتنا طویل وعریض اور کیسا وسیع وعالیشان ہے اور اسمیں کتنے آدمیوں کی آسائش کی جگہ رکھی گئی ہے اور وہاں وہ کیا کیا نعمتیں پاتے ہیں اور کتنا عرصہ ان نعمتوں سے سرفراز ہونیکے لئے انہیں دیا جاتا ہے

تمام زندگی کا لمحہ لمحہ پرمیشور کی طاعت پر قربان کر کے جس مکتی خانہ میں پہنچتے ہیں وہاں سے بغیر کسی قصور یا خطا کے نکال دیئے جاتے ہیں یا نہیں۔ یہ سب باتیں بھی لحاظ میں رکھنے کے قابل ہیں مکتی میں جیو کہاں رہتا ہے۔ اسکے متعلق پنڈت جی فرماتے "برہم میں" ستیارتھ ص ۲۱۱ میں اس سوال کے جواب میں کہ مکتی کی حالت میں جیو کہاں رہتا ہے پنڈت جی کہتے ہیں سکھ کو پاتے ہیں اور برہم میں رہتے ہیں"۔ برہم پنڈت جی کی زبان میں ایشور یا خدا کو کہتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کہ انکے عقیدہ میں ایشور کوئی صندوقچہ یا کوٹھری یا مکان یا ہوٹل یا سرائے ہے جسمیں جیو رہتے ہیں اور اسکو انکے رہنے کی جگہ بتایا ہے چنانچہ اسی ستیارتھ پرکاش کے ص ۲۱۴ میں لکھتے ہیں "لائق دیدار پرمیشور میں قیام کر کے مکش کے سکھ کو بھوگتے ہیں" اور کچھ سطر آگے لکھتے ہیں "اور مکت جیو جسم کثیف کو چھوڑ کر جسم ارادی سے آکاش کے اندر پرمیشور میں پھرتے ہیں"۔ ان عبارتوں کو دیکھ کر ایک ناظر کیا سمجھ سکیگا کہ نجات کے بعد روح کی قیامگاہ کہاں ہے جبتک کہ اسے یقین نہ دلایا جائے کہ پرمیشور خود ایک اسٹیشن یا مسافرخانہ ہے اسکے اندر روحوں کو پھرنیکا موقع دیا جاتا ہے۔ اس سے ایک تو پرمیشور کی عدم عافیت معلوم ہوئی جسکے اندر ہمیشہ ہی دھکا پیل رہتی ہے اور روحوں کے دخول خروج سے انکے شکم کو کم فرصت ملتی ہو دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ پرمیشور کے اندر بھی مکت ہو کر روح کو اسی اکاش کے احاطہ میں مقید ہونا پڑتا ہے۔ اس سے آپکے مکتی خانہ کی وسعت بھی معلوم ہوئی۔ اب ذرا پنڈت صاحب غور فرمائیں کہ مکتی خانہ کونسی نئی جگہ ہوئی روح جسکو وہ اپنی زبان میں جیو کہتے ہیں۔ مکتی سے پہلے بھی اسی آکاش کے احاطہ اور ایشور کے پیٹ میں تھا جیساکہ خود پنڈت جی نے اسی ستیارتھ ص ۱۴۲ میں لکھا ہے۔ جس طرح گولر کے پھل میں کیڑے پیدا ہو کر اسی میں رہتے اور فنا ہو جاتے ہیں اسی طرح پرمیشور کے اندر تمام جہان کی حالت ہے" اب پنڈت دیانند یا انکے قابل جانشین اس عقدہ کو حل کریں کہ مکتی خانہ کونسی نئی جگہ ہے۔ جسکا اتنی بیشمار فرمائیوں کے بعد جیو کو مژدہ سنایا گیا تھا۔ اور جسکو ستیارتھ کے ص ۲۱۱ اور ص ۲۱۴

میں۔ پنڈت جی نے برہم اور پرمیشور بنایا اور ص۱۴۲ میں یہ لکھا کہ تمام دنیا پرمیشور کے اندر رہتی ہے تو جیو کو مکتی ہے کونسی جگہ ملی اور وہ مکتی خانہ جس کے غرور میں جنت کی نعمتوں پر آوازے کسے جارہے تھے کدھر گیا اور یہ تشبیہ تو پرمیشور کی شان کے بہت ہی لائق ہے کہ وہ گولر کے پھل کی طرح سے ہے اور تمام جہاں بالخصوص آریہ گولر کے کیڑوں کی طرح اس سے ایشور کی قدر و منزلت بھی خوب ظاہر ہو جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ناخدا شناسوں کو خدا شناسی کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔

ما قدروا اللہ حق قدرہ وہ کبھی آکاش (آسمان) کو ایشور سمجھتے ہیں جیسا کہ پنڈت جی نے ستیارتھ کے ص۱۴۲ میں لکھا ہے "جو تمام دنیا کو ہر جگہ نمودار کر رہا ہے۔ وہ آکاش ہے چونکہ پرماتما تمام اطراف سے دنیا کو نمودار کرنیوالا ہے اسلئے اس پرماتما کا نام آکاش ہے"۔

کبھی پرتھوی (زمین) کو پرمیشور سمجھ جاتے ہیں جیسا کہ ستیارتھ ص۱۴۳ میں ہے "جو تمام دنیا کو پھیلا رہا ہے وہ پرتھوی ہے"۔ غرضکہ حیرت و تردد میں ہیں اور خدا کی ذات و صفات کے متعلق کوئی علم و خبر نہیں رکھتے ان ھم الا یظنون اسی بے ادراکی کا یہ نتیجہ ہے کہ خدا کو جائے قیام ہی ٹھہرا دیا۔ بہت اچھا اب آپکے طور پر مکتی خانہ تو ایشور کا پیٹ رہا اسکی وسعت بھی ملاحظہ کیجائے کس قدر ہے تو آریوں کے اعتقاد میں وہ کچھ ایسا زیادہ وسیع بھی نہیں ہے بلکہ وہ اتنا ہی سا ہے کہ جو روحیں وہاں پہنچتی رہیں اگر وہ وہاں سے نکال نہ دی جائیں تو وہاں بہت بھیڑ بھاڑ ہو جائے اور گنجائش نہ رہے چنانچہ پنڈت دیانند ستیارتھ کے ص۲۱۵ میں لکھتے ہیں "نیز مکتی کے مقام پر بہت بھیڑ بھاڑ ہو جائیگی کیونکہ آمد زیادہ اور نکاس کچھ بھی نہ ہونیکی وجہ سے وہاں کا زیادتی کا کچھ وار پار نہیں رہیگا"۔

اب اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتی خانہ ایک قفس تنگ اور چھوٹے پنجرہ کی طرح ہے اب تو ایشور بھی سب گئے انکا بھی پیمانہ معلوم ہو گیا کیونکہ وہی جناب تو مکتی خانہ ہیں۔ دنیا میں انسانوں کے عیش کیلئے بڑے بڑے وسیع مکان کوٹھیاں باغ سیر گاہیں کھیل کے میدان

ہیں اور وہ بڑی فراغت کیساتھ ان میں عیش کرتے ہیں انہیں کبھی بھی بھیڑ بھاڑ کی تکلیف نہیں ہوتی تو اگر ایشور کے پیٹ کا دور دنیا کی برابر بھی ہوتا تو وہاں پنڈت جی بھیڑ کی شکایت نہ کرتے مس بھیڑ بھاڑ کے اندیشہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایشور میں دنیا کی برابر بھی گنجائش نہیں۔ لیکن ستیارتھ کے صـ۱۴۱ میں پنڈت جی نے کہا ہے "پرمیشور سب کو اپنے اندر رکھتا ہے اور تمام جہان کو مثل کیڑوں کے پرمیشور کے اندر بتایا ہے"۔ یہ بات حیرت میں ڈالتی ہے کہ جب ایشور میں دنیا کی برابر بھی وسعت نہیں تو تمام جہاں اسمیں کیسے سما گیا اور جب تمام جہاں سما گئے اور کچھ بھیڑ بھاڑ نہ ہوئی تو مکتی کے وقت بھیڑ بھاڑ کیسی یہ آریوں کے فاضل پیشوا کا وہ کلام ہے جو کسی پہلو پر درست نہیں اور جو ہر طرح ایک مضحکہ انگیز تمسخر ہے۔ یہ مکتی خانہ جسکے پانے کیلئے وہ محنتیں وہ قربانیاں درکار جنکا انسان سے ادا ہی ہونا مشکل اسکا یہ حال کہ وہاں بھیڑ بھاڑ کا اندیشہ ہے اسمیں راحت ہی کیا ہوئی اور اسکو جز اکون عقلمند کہے گا وہ تو اچھا خاصا جیل بلکہ بلیک ہول (کال کوٹھری) ہے جسپر آریہ جتنا چاہے ناز کریں۔ اور انہوں نے خود بھی اقرار کیا ہے کہ مکتی خانہ ایک بار ہے اور واقعی سزایاب مجرم کیلئے جیلخانہ بار ہوتا ہے چنانچہ پنڈت دیانند ستیارتھ کے صـ۲۳۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

جسقدر کوئی بوجھ اٹھا سکتا ہے اسی قدر اسپر رکھنا عقلمندوں کا کام ہے جیسے ایک من بوجھ اٹھا سکنے والے کے اوپر دس من رکھنے سے بوجھ رکھنے والے کی برائی ہوا کرتی ہے ویسی ہی ذرا سے علم اور ذرا سی طاقت رکھنے والے جیو پر لاانتہا سکھ کا بوجھ رکھ دینا ایشور کیلئے ٹھیک نہیں" پنڈت جی کے اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ مکتی خانہ کی لفظی اور فرضی راحتیں ایک بار گراں ہیں جن کو ہر جفاکش بقدر اپنی طاقت ہی کے برداشت کر سکتا ہے اور اگر مکتی خانہ کا انعام کچھ زیادہ کر دیا جائے تو سکھ اور راحت بوجھ سے جیو دب مرے راحت کا بوجھ یہ پنڈت جی کا خاص ہی فلسفہ ہے جسے وہ یا انکے آریہ معتقدین ہی سمجھ سکتے ہونگے کہ نعمت اور آسائش کی زیادتی بھی ناقابل برداشت بار ہو سکتی ہے اور زیادہ

آسائش دینا بھی پرمیشور کو ظالم بنا دیتا ہے کچھ بھی ہو اسکو پنڈت جی جانیں اور اس معاملہ کو آریہ سمجھیں مگر ہمیں تو صرف یہ دیکھنا ہے مکتی خانہ جیل ہے اور وہاں کی نعمتیں پنڈت جی کے اقرار سے بار ہیں تو اسے جیو اٹھا بھی نہیں سکتا تو درحقیقت وہ مکتی خانہ جیو کیلئے ایک مصیبت خانہ ہے اسکو پنڈت جی نے پھر مکرر بہت صریح اور صاف لفظوں میں تسلیم کر لیا ہے چنانچہ ستیارتھ صفحہ ۳۱۸ میں لکھتے ہیں۔

یہی قاعدہ صحیح ہے کہ مکتی میں جانا پھر وہاں سے واپس آنا اچھا ہے کیا تھوڑی قید کی نسبت عمر بھر کی قید یا پھانسی کو کوئی سزا پانیوالا اچھا سمجھتا ہے اسپر لکشمی نے فٹ نوٹ لکھا ہے۔

"مکتی جبکہ جیو کی طاقت برداشت سے زیادہ ہو جائے اور اسکا متحمل نہ ہو سکے تو بے شک وہ مکتی اسکے لئے ایک بارِ گراں بمنزلہ سزائے موت یا حبس دائمی کے ہو جائیگی"۔

پنڈت جی نے اس عبارت میں مکتی کو سزا قرار دیا اور دائمی مکتی کو بہ نسبت میعادی مکتی کے زیادہ شاق بتایا لیکن میعادی مکتی بھی رہی قید ہی اور جیو نے محنتیں جھیل کر جو آریہ دھرم سے مکتی حاصل کی وہ بھی قسمت سے سزا ہی رہی اور پھر برہم میں ملنے کا مزا وہ بھی پنڈت جی سے پوچھئے تو فرماتے ہیں "کہ برہم میں لے (یعنی تحلیل) ہونا تو ایسا ہوا جیسا سمندر میں ڈوب مرنا"۔ اب اس مکتی پر پنڈت جی کو ناز ہے اور اسکے مقابل جنت کی نعمتوں کو وہ قابل اعتراض سمجھ رہے ہیں۔ آریو ہوش درست کرو۔ اگر سمندر میں ڈوب مرنا ہو جیلخانہ میں سزا بھگتنا ہو مکتی خانہ میں بوجھ اٹھانا ہو یا قید محض کی مصیبت برداشت کرنا ہو تو آریہ دھرم قبول کرو اور پنڈت جی کی مکتی حاصل کرو مکتی نہیں یہ تو بہت دکھوق ہے اور پھر وہ مکتی بھی کیا یا مکتی ہے جہاں سے چند روز کے بعد کان پکڑ کر شہر بدر کر دیئے گئے ع پا بدست دگرے دست بدست دگرے۔ ع بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچہ سے ہم نکلے۔

جہاں طاعت، عبادت، نفس کشی، ریاضت، مجاہدے کا یہ ثمرہ ہو اور عابدوں کو ایک

یعنی قید کی مصیبت میں مبتلا کیا جائے اس مکتی کو پنڈت جی ہی پسند کر سکتے ہیں اور آریوں کا ایشور ہی ایسا عجیب وغریب انصاف کر سکتا ہے کہ طاعت وریاضت کا صلہ مکتی کا جیل خانہ تجویز کرے جہاں کا عیش دوام اور راحت دائمی تو نہ ہو بلکہ بقول پنڈت عمر قید اور کالے پانی کیطرح ہولناک سزا ہو۔

یہ تو مکتی کی حقیقت تھی آریہ اسکو عیش سمجھیں یہ انکی عقل مگر ایک بات اور بھی قابل دید ہے وہ یہ کہ مکتی کا یہ جیلخانہ میسر کن مصیبتوں کے بعد آتا ہے اسکا اوپر ذکر ہو چکا ہے اور ستیارتھ پرکاش کے حوالہ سے بتایا جا چکا ہے کہ پرمیشور کی تعمیل حکم اور تمام بدیوں سے پرہیز اور تمام خوبیوں کے ساتھ متصف ہونے اور مشغول عبادت رہنے سے یہ مکتی حاصل ہوتی ہے چنانچہ ستیارتھ پرکاش ص ۲۳۳ میں لکھا ہے "جب اسکے جیو کے ہردے (دل سے) اودھیا اور اگیان کی گرہ کٹ جاتی ہے تمام شک رفع ہو جاتے ہیں اور برے کرم چھوٹ جاتے ہیں۔ تب اس پرماتما میں جو ہماری آتما کے اندر اور باہر موجود ہے قیام کرتا ہے" رگوید آدی بھاشیہ بھومکا ص ۲۱۱ میں لکھا ہے "جب انسان کا دل تمام برے کاموں کو چھوڑ کر پاک ہو جاتا ہے تب وہ امرت یعنی موکش کو حاصل کر کے برہم کے ساتھ آنند میں رہتا ہے" (منتر ۱۴) جب انسان کے دل کی گانٹھ یعنی جہالت وغیرہ تمام بندھن کٹ جاتے ہیں۔ تب وہ مکتی پاتا ہے اسلئے سبکو یہی ہدایت ہے کہ اس موکش کو حاصل کریں" حاصل یہ ہے کہ مکتی اسی وقت ملتی ہے جب کوئی نفس عیوب سے بکلی مبرا اور فضائل سے آراستہ وپیراستہ ہو جائے لیکن اسکے بعد یہ قانون بہت عجیب ہے کہ ایسا پاک نفس جسکے ذمہ کسی قسم کی بدی اور عیب وگناہ نہیں ہے اور وہ برہم میں آنند کرنیکے قابل سمجھا گیا ہے۔ ایک معین زمانہ کے بعد مکتی خانہ کی حوالات سے نکال باہر کر دیا جائیگا اور پھر اسکو جنم مرن (پیدائش وموت) کے چکر میں ڈالا جائیگا پھر وہ ہزار ہا جونوں میں دھکے کھاتا رہیگا۔ مگر بات یہ کہ مکتی کے بعد اسکو پہلی مرتبہ کونسی جون دی جائیگی اسقدر مشکل ہے کہ آریوں کے ایشور کو بھی حیرت ہی رہی اور وہ فیصلہ نہ

کر سکے کہ ایک بیگناہ اور بے عیب کو جو اپنی نیکیوں کا بھی بدلہ پا چکا ہو اسکے پاس عمل کا کوئی سرمایہ باقی نہ رہا کس جون میں قید کیا جائیگا اور اس جون میں جو راحت یا تکلیف ہوگی وہ بغیر کسی عمل کے ہوگی تو تناسخ اور آواگون کا سارا اصول باطل ہوگیا۔ یہ ہے ویدک دھرم کی فلسفی۔

پنڈت صاحب کو دوسرے مذاہب پر زبان طعن دراز کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈال لینا چاہیئے تھا آپکی خیالی نجات اور اسکے ثمرات و نتائج اور اسکی عزت و قدر تو معلوم ہو چکی اب میں بہشت کا تذکرہ کروں جسکا اسلام نے مژدہ دیا ہے اور اپنے غداکاروں کو اس کی بشارت پہنچائی ہے مگر اس سے پہلے پنڈت جی کے ان خلاف تہذیب انسانیت کلمات پر بھی افسوس کرلوں جو انہوں نے خداوند عالم اور جنتی حوروں کے حق میں لکھکر اپنی شائستگی اور انسانیت کا ثبوت دیا ہے اور اس سے ایک ناظر پر بھی پتہ چلا سکتا ہے کہ زبان سے یہ کلمات نکالنے والا شخص کتنا نامہذب دشمن ادب حاسد اور جھگڑالو ہے اور پھر ان اوصاف سے کیا وہ اپنے عقیدہ اور خیال کی بنا پر بھی مکتی پا سکتا ہے جبکہ اس نے مکتی پانے کیلئے رفاہ خلق اور ترک آزار شرط کیا ہوا تھی بڑی ایذا رسانی اور مسلم آزاری کے بعد پنڈت صاحب خود اپنے اقرار سے اپنی فرضی نجات کے بھی مستحق نہ رہے۔ جب کسی مذہب کے پیشوا بلکہ بانی کا یہ حال ہو کہ وہ خود بھی نجات نہ پا سکے تو اس مذہب میں پھر کون نجات کا امیدوار ہو سکتا ہے۔

اب پنڈت صاحب کی تہذیب دیکھیئے جو انہیں اپنے دھرم سے ملی ہے۔ حوران بہشت کی نسبت لکھتے ہیں۔ "جبتک قیامت کی رات نہ آئیگی تب تک ان بیچاریوں کے دن کسطرح گذرتے ہونگے۔ (ستیارتھ ص ۶۶۲) علم و ادب کے مدعی آریہ اپنے پیشوا کی تہذیب دیکھیں۔ قیامت کو رات کہنا تعصب کی تاریکی اور باطن کی سیاہی کا نتیجہ ہے۔

جس مذہب نے قیامت کی خبر دی ہے اس نے قیامت کو کہیں رات نہ بتایا جا بجا روز قیامت (یوم القیمہ) فرمایا ہے اور ہر جگہ دن ہی بتایا ہے ملاحظہ فرمائیے۔

سورۂ فاتحہ مالک یوم الدین روز جزا کا مالک خود پنڈت جی اپنی اسی ستیارتھ کے صفحہ ۹۶ میں اسکا ترجمہ لکھتے ہیں "خداوند دن انصاف کا"۔

سورہ بقرہ ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الاخر اور بعض لوگ کہتے ہیں ہم اللہ پر اور روز آخر پر ایمان لائے

سورہ قیمہ لا اقسم بیوم القیمہ اس آیت میں پروردگار عالم نے روز قیامت کی قسم فرمائی۔

ہر جگہ قرآن شریف میں قیامت کا روز ہی بتایا گیا اور خود پنڈت جی نے انصاف کا دن ترجمہ کیا۔ مگر یہاں قیامت کی رات فرما رہے ہیں یہ کیوں کیا وہ ایسے نادان ہیں کہ انہیں دن اور رات میں بھی تمیز نہیں اگر ایسا ہے تو انکے فرمانبرداروں کو مبارک ہو جہاں ایسے غافل پیشوا کی اطاعت کی جائیگی وہ متبعین جو ثمرہ پائیں گے ظاہر ہے اور اگر پنڈت جی کو دن اور رات کا شعور کچھ باقی ہے تو پھر انہوں نے روز قیامت کو رات کیوں کہا۔ تعصب و نفسانیت کے نشہ میں اسقدر مخمور اور سرشار ہو کہ دن کو رات بتائے اسکی اطاعت کرنا اسکو پیشوا بنانا کیسی بدنصیبی اور محرومی ہے اور ایسے لوگ کسطرح صداقت وحقانیت کے قریب پہنچ سکتے ہیں اسکو یوں سمجھئے کہ پنڈت صاحب ایسے گھپ اندھیرے اور ایسی بھیانک تاریکی میں پڑے ہیں جہاں وہ دن کو بھی رات سمجھتے ہیں۔

ایسے شخص کا فیصلہ اسکی تعلیم کیا مفید ہو سکتی ہے جو دن کو رات کہتا ہو اور ایسے شخص کے پیرو کیونکر منزل مقصود کو پہنچ سکتے ہیں۔ ان انسان صورت سادہ لوحوں پر افسوس جنہوں نے ایسے نادان یا متعصب شخص پر اپنی گراں مایہ زندگی قربان کر دی۔

پھر پنڈت جی کا یہ کہنا کہ "ان بیچاروں کے دن کس طرح گذرتے ہونگے"۔

کیسی شرمناک گالی ہے بازاری لچے اور شہدے بھی تو ایسی بدکلامی کی جرات نہیں کر سکتے کیا ویدک دھرم کی یہی تعلیم ہے اور پنڈت صاحب اسی تہذیب اور اسی شائستگی

کا علم لیکر اٹھے ہیں اور آریہ صاحبان ان سے یہی ہنر سیکھتے ہیں۔ رشی اور سوامی ایسے بدزبانی کے جوہر رکھتے ہیں۔

میں تو یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ اسکے جواب میں آپکی تفہیم کیلئے بھی یہ کہوں کہ ان کے دن اسی طرح گذرتے۔ سمجھ لیجئے جسطرح اپنی صاحبزادیوں کے دن شوہروں کے پاس جانیسے پہلے۔

باوجودیکہ یہ گالی نہیں۔ اس میں صرف یہ سمجھانا مقصود ہے کہ عورت نفسانی خواہشات اور جذبات مرد سے زیادہ رکھتی ہے۔ حوروں کی نسبت یہ ثابت نہیں بلکہ قرآن پاک میں بتادیا گیا ہے لھم فیھا ازواج مطہرۃ یعنی مومنین کیلئے جنت میں بیبیاں ہیں نہایت پاک جو ہر بد خلقی بد سیرتی نجاست گندگی حیض نفاس استحاضہ بول براز میل کچیل اور گھنونی چیز سے پاک ہیں۔ انہیں اپنے یہاں کی عورتوں پر قیاس کرنا تو جہالت اور کوتاہ نظری ہے لیکن اپنی عورتوں میں یہ بات تو آپ خود مشاہدہ کرتے ہیں کہ اگرچہ قوائے شہوانیہ اور جذبات نفسانیہ کا ان میں انتہائی غلبہ ہو لیکن قدرت نے مرد کے پہنچنے تک کا زمانہ انہیں ایسا امن وسکون کا عنایت فرمایا ہے کہ بڑی سے بڑی مست شہوت عورت بھی اس زمانہ میں اس خواہش سے محض ناآشنا ہوتی ہے جیسا آپکو گھر میں اپنی صاحبزادیوں پر ذاتی تجربہ حاصل ہے اس قادر مطلق۔ نے اپنی ایک دوسری مخلوق یعنی حوروں کیلئے جو انکے شوہروں سے ملنے کا وقت رکھا ہے اس سے پہلے انہیں ایسے جذبات سے پاک رکھنا کیا بعید از عقل تھا جو پنڈت جی نے کہدیا کہ انکے دن کیسے گذرتے ہونگے" اگر پنڈت جی قرآن پاک نہ جانتے تھے اگر حدیثیں نہ دیکھی تھیں اگر اسلامی علوم سے محض بے بہرہ تھے اور انہیں پتہ نہ تھا کہ بہشتی پاک حوروں سے یہاں کی عورتوں کو کچھ نسبت ہی نہیں۔ یہ طرح طرح کی گندگیوں نجاستوں میں گرفتار اور انکے بدن پر میل بھی نہیں آسکتا یہ سرمست شہوت مگر وہ ہر برے جذبہ سے پاک مانا کہ پنڈت جی یہ کچھ نہ جانتے تھے لیکن نابالغی کے ایام کا ان جذبات سے خالی ہونا تو ان کی نگاہ کے سامنے تھا۔ پھر یہ کسطرح انہوں نے ایسی قبیح گندی گالی دینے کی جرأت کی یہ گالی

حوروں کو تو نہیں لگتی انہیں تو اللہ تعالیٰ نے بہت پاک پیدا کیا ہے دنیا کی عورتوں پر بھی طرح اسکا قیاس ہی نہیں ہو سکتا بلکہ گالی اس گالی دینے والے کی بدباطنی سیاہ دلی اور تعصب کی نابینائی کی خبر دیتی ہے۔

دن کس طرح گذرتے ہیں یہ تو پنڈت جی کو اس وقت سوچنا چاہئے تھا جب وہ بان پرستھ کی ہدایتیں دے رہے تھے۔ اور جب انہوں نے ستیارتھ پرکاش کے صفحہ ۱۶۰ میں لکھا تھا کہ:۔ "برہمچاری رہے یعنی اگرچہ اپنی عورت ساتھ ہو تاہم اسکے ساتھ نفسانی حرکت کچھ نہ کرے"۔ اس وقت سوچنا تھا کہ شوہر برہمچاری ہو گئے تو انکی دیوی کے دن کسطرح اور کس کے سہارے گذرینگے۔

اسکے بعد پنڈت جی کا اس سے بھی بیہودہ کلمہ اور فحش گالی جو جاہل سے جاہل اور بھکڑ سے بھکڑ بدچلن آدمی بھی منہ سے نہیں نکال سکتا انکی قابلیت کی تعریف کرتی ہے اسی گالی کے بعد لکھتے ہیں:۔ "ہاں اگر خدا کی ان پر مہربانی ہوتی ہوگی اور خدا ہی کے سہارے وقت گزارتی ہونگی تو بھی ٹھیک ہو سکتا ہے"۔

آریو! انصاف سے کہو کیا کوئی بد سے بد اور جاہل سے جاہل آدمی بھی خدا کی شان میں ایسی گالی بکو رچ کر سکتا ہے اور اس قسم کی بیحیائی کسی پیشوائے مذہب کی شان ہو سکتی ہے۔ کس غفلت میں ہو اپنے آپکو ایسے شخص سے بچاؤ جو اس بیدردی کیساتھ تہذیب و انسانیت کا خون کرتا ہے۔ میں پنڈت صاحب کی اس بدکلامی کے باوجود انہیں اس قسم کا جواب نہیں دینا چاہتا اور خود انکی اولاد ان سے کمتر لوگوں کی نسبت بھی ایسے کلمات لکھنا گوارا نہیں کرتا لیکن تمکین اور چٹیلے الفاظ میں پوچھا جا سکتا تھا کہ آپکی کنیاؤں کے دن آپکے گھر کسطرح گذرتے ہیں ان پر آپ کی مہربانی ہوتی ہے اور وہ آپکے ہی سہارے وقت گزارتی ہیں اسکی نسبت کیا سمجھا جائے۔ اسی طرح آپکی بیوائیں آپکے برہمچاریوں کی عورتیں اور خود برہمچاری بن جانیوالی عورتیں اپنے دن کسطرح گزارتی ہیں ان پر کسکی مہربانی ہوتی ہے اور انکا وقت کس

کے سہارے ٹکتا ہے لیکن میں ایسا سوال بھی پسند نہیں کرتا اور صرف آریوں کو اس تہذیب کی طرف توجہ دلانے پر اکتفا کرتا ہوں کاش کہ پنڈت جی کی ایسی اخلاقی ذلیل عاقل آریوں کیلئے اس جعلی دھرم سے نفرت کا باعث ہو اور وہ علم و تہذیب اور حقانیت کے سایہ میں آکر اسلام کے جھنڈے کے نیچے پناہ لیں۔ پنڈت جی نے اس سے بھی سخت الفاظ کہے ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ خدا کے گھر میں عورتوں کی بہت قدر ہے اور بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ انہوں نے آخر میں یہ لکھ ڈالا کہ خدا بھی عورتوں میں غلطاں ہے۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ پنڈت جی کی حالت کہاں تک ردی ہو گئی کیا ان کلموں کے بعد بھی آریہ نہ شرمائیں گے کیسے صریح افترا ہیں۔ کیسے جھوٹے الزام ہیں کیسی گندی گالیاں ہیں کیسا جھوٹ ہے کہ خدا کے گھر میں عورتوں کی قدر زیادہ ہے خداوند عالم تو ارشاد فرماتا ہے الرجال قوامون علی النساء مرد عورتوں پر افسر ہیں دوسری جگہ ارشاد فرمایا للذکر مثل حظ الانثیین یعنی ترکہ مرد کو عورت سے دونا اسکے باوجود یہ کہنا کہ خدا کے یہاں عورتوں کی قدر زیادہ ہے کس قدر کمینہ فریب ہے اور یہ گالی کہ خدا بھی عورتوں میں غلطاں رہتا ہے اسکے بکنے کے لائق تو پنڈت جی ہی کا منہ تھا مگر انپر اپنے مذہب کی تعلیم غالب آگئی ہے وہاں جو دیکھا ہے اس مذہب نے جو سکھایا ہے ہر جگہ وہی نظر آتا ہے دوسروں پر بھی وہی تھوپتے ہیں عورتوں کی قدر کا مسئلہ یہ انکے اپنے مذہب کی تعلیم ہے چنانچہ ستیارتھ پرکاش کے ص ۱۴۳ پر لکھا ہے "عورتوں کی ہمیشہ پوجا کرنی چاہئے اور ص ۲۹ پر لکھا ہے کہ چونکہ بچہ کا جسم جننے والی عورت کے جسمانی اجزا سے بنا ہوتا ہے اس وجہ سے عورت بچہ جننے کے وقت کمزور ہو جاتی ہے اس لئے زچہ دودھ نہ پلا دے۔ دودھ روکنے کیلئے پستان کے منہ پر ایسی دوا لگا دیں جس سے دودھ نکلنا بند ہو جائے اس طریق پر عمل کرنے سے دوسرے مہینے میں عورت دوبارہ جوان ہو جاتی ہے کہتے اسے کہتے ہیں عورت کی قدر بچہ کو بھی قدرتی غذا سے محروم کر دیا کہ مستیوں کیلئے جوان ہی بنی رہے اور بچے چاہے بھوک پیاس

میں تلف ہی ہو جائیں۔ اس تعلیم سے پنڈت جی کا دماغ ایسا ہوا تھا اسلئے وہ کلمات انکے قلم سے نکل سکے ورنہ کمینہ سے کمینہ آدمی ایسے کلمات زبان پر نہیں لا سکتا۔

پنڈت صاحب کی عقل پر ہزار افسوس محقق ہونیکا دعویٰ اور اتنی بھی سمجھ نہیں کہ خواہشات کا پیدا کرنا قادر مطلق کے اختیار میں ہے جب چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جب چاہتا ہے ان سے آزاد کرتا ہے۔ یہ بات تو ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ وہ انسان جو خواہشات نفسانیہ میں بدمست اور انمیں منہمک رہتے ہیں بلوغ سے پہلے سالہا سال کا زمانہ ان پر ایسا گذر چکا ہے کہ وہ ان خواہشات سے آشنا ہی نہ تھے پھر گذرنیکے بعد خواہشات کی مستیوں میں بے خود رہنا اور نفسانی لذتوں کے تجربے کر چکنے کے بعد پھر ایک سن آتا ہے جب ان قوی کی حرکتیں ساکن ہو جاتی ہیں اور نفسانی جذبات کے سمندر میں امنگوں کی موجیں اٹھنا موقوف ہو جاتا ہے اسکے بعد ایک اور زمانہ آتا ہے کہ چشمہ خشک کے پانی کیطرح اس طغیانی برپا کرنیوالے جنون شہوات کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا اسوقت رنگیلے سے رنگیلے زندگی بسر کرنیوالے انسان اور شیر خوار بچے ان خواہشوں سے بے رغبتی میں برابر ہیں طبی عالم کے جادو نما کرشمے اور ادویہ کی سحر با تاثیریں انمیں اثر کرنے سے عاجز ہیں۔ کوئی معالجہ ان قوی کو زندہ نہیں کر سکتا۔ اور افسردہ طاقتوں میں نوجوان پیدا کرنے پر قادر نہیں جس قادر مطلق کی یہ شان ہے اور مخلوق کے تمام قوی و افعال اسطرح اس کے زیر فرمان ہیں اس سے یہ پوچھنا کہ جنتی حوریں کس طرح اپنے دن بسر کرتی ہونگی۔ قدرت الہیہ سے انکار اور اسکی حکمت سے ناواقفی اور بے بصیرتی پر مبنی ہے وہ اپنے بندوں میں جب چاہتا ہے خواہش پیدا کرتا ہے جب چاہے پیدا ہی نہ کرے اس میں کسی کا کیا دخل۔ لیکن اصل یہ ہے کہ پنڈت جی کو انکے دھرم نے خدا کی ذات و صفات سے باخبر ہی نہیں کیا ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ پنڈت صاحب کو ہندو مذہب کی عورتوں کی شہوانی بے اعتدالی کا تجربہ ہو اور اس بنا پر یہ بات انکی عقل ہی میں نہ آسکی ہو کہ عورت کو صبر و تحمل کسطرح ہو

سکتا ہے۔ پنڈت صاحب کا نیوگ کو رائج کر کے ایک عورت کا گیارہ مردوں تک سے عشق کرنیکی اجازت دینا بھی ملنگے اس تجربہ کا قرینہ ہو سکتا ہے لیکن انہیں یہ سمجھنا چاہئے تھا کہ ایک ملک کے اخلاق و عادات وہاں کے طرز معاشرت اور آب و ہوا اور رسم و رواج و عادات و خصائل کا دوسرے ملک پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ایک اقلیم کے رہنے والے دوسری اقلیم کے باشندوں سے مختلف المزاج ہوتے ہیں۔ چہ جائیکہ دوسرے عالم اور پاک عالم پر اپنے ملک کے اوضاع و اطوار کا قیاس کرنا دانا کی شان سے بالکل بعید اور حکم عقل کے مخالف ہے، صحبتیں اور تربیتیں انسانی نفوس اور انکی خواہشات میں عظیم الشان تبدیلی پیدا کر دیتی ہیں۔ ایک جاہل بدچلن آوارہ جماعت ادنیٰ معیشت رکھنے والی قوم اعلیٰ علمی زندگی رکھنے والے شائستہ خاندان کے علم و ادب سے کیا نسبت رکھتے ہیں جسطرح اوباش طبقہ کا ایک شخص اپنی اور اپنے ہم صحبتوں کی حالت دیکھ کر علم و ادب والے مہذب و شائستہ طبقہ کی نسبت حیرت سے کہہ سکتا ہے کہ بغیر گالی گلوچ چھیڑ چھاڑ تمسخر کئے وہ لوگ کسطرح زندہ رہتے ہیں اور وہ اپنے حال کے غلبہ سے اسقدر مجبور ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت کا اس جذبہ سے خالی تصور کرنا اس کیلئے دشوار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پنڈت صاحب نے جو صحبتیں پائی ہیں اور جن جذبات نے انکے اور انکے ہم قوموں کے دماغوں پر استیلا کر لیا ہے وہ کسی متنفس کو ایسے جذبات سے خالی تصور کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اس قوم کی حالت نار بہ رحم اور افسوس جس کا پیشوا اپنے اور اپنے گرد و پیش کے حالات سے اسقدر متاثر اور مغلوب ہو گیا ہو جس قوم کے محقق کی یہ شان ہو اسکے عامی و جاہل کیا کچھ ہونگے۔

پنڈت صاحب عورتوں اور حوروں کا بہشت میں ہونا قابل اعتراض سمجھتے ہیں گو یہ اعتراض بہ تکلف و بہ تصنع کیا ہو۔ لیکن اس اعتراض سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حکمت الٰہی کے اسرار و دقائق سے تو کیا باخبر ہوتے ابھی تک دماغ شریف موٹی موٹی

باتیں سمجھنے پر بھی قادر نہیں ہے کہ انسان کو خدا نے بنایا ہے اور تمام قوی اسی نے اسکو مرحمت کئے ہیں تو اسکی حکمت کا اقتضا ہے کہ جو جو خواہشیں انسانی کائنات میں اسنے ودیعت فرمائی ہیں۔ ان سب کی راحت کا سامان بھی وہ مہیا فرمائے۔ دیکھنے کو آنکھ دی تو فرحت انگیز مناظر پیدا کئے۔ سننے کو کان عطا کئے تو انکے لئے طرب انگیز نغمے اور سرور پیدا کرنیوالے الحان موجود فرمائے۔ زبان میں چکھنے والی قوت پیدا کی تو اس کیلئے طرح طرح کے خوش کیف طعم اور ذائقے بنائے۔ ناک میں سونگھنے کی قوت رکھی تو اسکے لئے روائح طیبہ خلق کئے۔ اسطرح خالق قوی نے جو قوتیں دیں ان سب کے عمل میں لانے اور ان سے کام لینے کے موقع بھی اسی نے پیدا کئے اور یہ عین حکمت ہے۔ بھوک لگانا اور غذا نہ بتانا یہ شان حکمت کے خلاف ہے۔ اب ہمیں پنڈت صاحب سے یہ دریافت کر لینا ہے کہ کیا آپکے نزدیک منافی نجات کا یہ حاصل ہے کہ مرد کو مخنث کر دیا جائے اگر آپ یہ اعلان کر دیجئے کہ تو تھوڑی عقل والا بھی آپکی ایسی نجات کو مفت لینے پر بھی راضی نہ ہوگا مفت نہیں بلکہ اگر دولتیں دینے کا وعدہ کیجئے تو وہ ٹھکرا دیگا اور اسکو راحت و آسائش نہیں بلکہ عذاب و وبال سمجھے گا۔ جب قدرت نے مردوں کو رجولیت دی تو عورتوں کا پیدا کرنا عین اقتضائے حکمت ہے۔ اس دنیا میں بھی تو وہی پیدا کرتا ہے۔ تو خالق عالم کا جو فعل یہاں خلاف حکمت نہیں کسطرح عالم آخرت قابل اعتراض ہو سکتا ہے۔ پنڈت صاحب کا یہ عجیب و غریب سوال اتنا ہی عاقلانہ ہے جتنا انکا یہ فرما دینا کہ اپنی عورت بھی ساتھ ہو تو بھی نفسانی حرکت کچھ نہ کرے برہم چاری رہے۔ آخر اس میں عیب کیا ہے اور عیب ہے تو اسی عیبدار طریقہ سے تو جناب پیدا ہوئے۔ آپکی ولادت اور آپکی ہستی خود اسی عیبناک جرم کا نتیجہ ہے جس سے آپ ناخوش ہیں۔

ہاں آپکو یہ عذر کرنیکا موقع ہے کہ یہ فعل آپکے والدین کا تھا جو میرے مشورہ سے نہیں ہوا۔ مجھے مشورہ دینے کا موقع ہوتا تو میں انہیں ہرگز یہ رائے نہ دیتا تو ہم بھی تسلیم

کریںگے کہ واقعی وہاں تو آپکا کوئی اختیار نہ تھا لیکن اب تو اپنے تمام معتقدین کو حکم دیجئے کہ وہ ترک و تجرد کی زندگی اختیار کریں اور خانہ داری کے اصول و آئین کو توڑ ڈالیں اور اس عیب میں مبتلا نہ ہوں لیکن آپ بجائے یہ تعلیم دینے کہ اسکے برعکس نیوگ کا حکم فرما کر ایک کی جگہ گیارہ گیارہ کی اجازت دیتے ہیں اور وہی بات جس کو برا سمجھتے تھے اس سے دنیا کو بھر کئے دیتے ہیں۔ قدرت نے جن عورتوں کے شوہر ونکو اٹھالیا اور جبر کر انہیں آزادی حاصل ہوگئی انہیں پھر آپ ایسے ہی کام کی دعوت دیتے ہیں ترغیبیں کرتے ہیں بزور و جبران نفسانی حرکات میں مبتلا فرماتے ہیں۔ سوچئے تو آپکی کونسی بات ٹھیک اور آپکا کونسا اصول درست ہے۔

الحاصل پنڈت صاحب کا یہ اعتراض حکمت اللہ سے ناواقفیت کی بنا پر تھا انہیں نظم عالم میں قانون الٰہی پر نظر غائر ڈالکر سمجھنا تھا کہ دنیا بھی اسی خالق کی بنائی ہوئی ہے جس سے ہم نجات کی توقع کرتے ہیں یہاں اس نے اپنے بندونکو جو قوی اور ان قوی کیلئے جو جو سر و سامان عطا فرمائے اور انکی مذہب کے ذریعہ سے اجازت دی ان پر اعتراض کرنا حکمت الٰہیہ کے مقابل گستاخانہ لب کشائی ہے پھر یہاں کی اور جنت کی نعمتوں میں زمین و آسمان سے زیادہ کا فرق ہے۔ اشتراک اسمی یعنی نام کے ایک ہونے سے لغعال و خواص طبیعت و مزاج احوال و صفات کا ایک ہونا لازم نہیں آتا۔ یہ اوپر بتایا جاچکا ہے کہ یہاں عورتوں میں گندگی بھی ہے نجاست و کثافت بھی بد مزاجی تند خوئی بد خصلتی بھی مگر جنت میں یہ کوئی چیز نہ ہوگی۔ وہ ہر قسم کے میل کچیل گندگی کثافت سے پاک صاف ہونگی، بہترین خصائل اعلیٰ شمائل پاک اوصاف سے متصف ہو۔

اب میں پنڈت صاحب کو جنت کا مختصر تذکرہ بھی سنادوں تاکہ انہیں معلوم ہوجائے کہ جنت میں کیا کیا نعمتیں ہیں اور دنیا کی نعمتیں بھی جو اللہ تعالیٰ کی عطا

ہیں انسان انکے شکر سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ناشکرا آدمی ناسپاسی کرے اور اس منعم کریم کی نعمتیں پاکر ناشکری ہی کے کلمات زبان پر لائے مگر وہ دنیا کے شائستہ طبقہ میں ذلیل سمجھا جائیگا اور کمینہ خیال کیا جائیگا۔ بہشت کی نعمتیں دنیوی نعمتوں سے کہیں بالاتر ہیں۔

جنّت کا بیان

حقیقۃ الامر یہ ہے کہ جنت کی تعریف الفاظ میں ممکن نہیں ہے تقریب ذہن کے لئے تمثیلات کے ساتھ اسکا پتہ دیا جاتا ہے ورنہ جنت کی نعمتیں اتنی برتر اور اعلیٰ ہیں کہ نہ بیان کا احاطہ انکی گنجائش رکھتا ہے نہ طائر فکر ہی کو ان تک رسائی ہو سکتی ہے بخاری و مسلم کی صحیح حدیث میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کی نعمتوں کے حق میں ارشاد فرمایا

لا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ وہ نعمتیں اور وہاں کے دلکشا مناظر ایسے ہیں کہ کسی آنکھ کو ایسا دیکھنا ہی نصیب نہ ہوا نہ کسی کان نے ایسے اوصاف سنے نہ کسی دل پر خطرہ گزرا۔

یعنی جنتی نعمتوں کا صحیح اندازہ انسان اس وقت کر سکتا ہے جبکہ ان کو یا ان سے ملتی جلتی کسی چیز کو اسکی آنکھوں نے دیکھا ہو اور جس کے شبہ و مثال کی رویت سے کوئی آنکھ آشنا ہی نہیں اور جس کے اوصاف و کمالات کا حلقہ گوش شنوائی سننے ہی نہیں اور جسکے محاسن و خوبیاں کبھی قلب میں گذری ہی نہیں اسکی عظمت و شان اندازہ سے بالاتر ہے اب نہ دنیا کے سلاطین کا دماغ ان نعمتوں تک رسائی کر سکتا ہے نہ فلاسفہ کا وہم و خیال۔ پنڈت جی بیچارے تو کس گنتی و شمار میں ہیں انکی رسائی ہی کہاں تک ہندوستان میں پیدا ہوئی یہاں کے دریاؤں پہاڑوں کے مناظر آنکھوں سے دیکھے وہ کس ہمت پہ خداوند عالم کی ایسی جلیل اور نفیس نعمتوں کا اندازہ کر سکیں۔

یہی مضمون جو اس حدیث شریف میں تھا قرآن پاک میں بھی ارشاد ہوا بلکہ یہ حدیث کریمہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ لا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین۔ کوئی نفس نہیں جانتا جو آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے لئے مخفی رکھی گئی ہے۔ تو اب جو کچھ لکھا جائیگا وہ ذہن کی تقریب ہوگی جس سے جنت کی علو شان و رفعت مکان کیطرف اسکو پہنچایا جائیگا اور اس میں سے بھی اقل قلیل ہوگا جو ایک نمونہ کے طور پر یہاں ذکر کیا جائیگا وہ تمام تفصیلات جو قرآن پاک و احادیث کریمہ میں وارد ہیں اس جگہ جمع نہیں کی جا سکتیں اس لئے اس مختصر بیان سے اس عالم کی نعمتوں کا جس قدر ہو سکے اندازہ کیجئے۔

بہشت میں اہل جنت کا شاندار داخلہ

اہل جنت اپنے عملوں کے اعتبار سے اپنے مدارج و مراتب میں متفاوت و متفاضل ہوں گے اور ہر ایک کا داخلہ انکے رتبہ و شان کے لائق ہوگا۔ سب سے ادنی مرتبہ انکا ہے جو کفر و شرک سے بچے رہے اور اسکے علاوہ انہوں نے زہد و ریاضت سے کوئی اعلیٰ مرتبہ حاصل نہیں کیا انکا داخلہ کسطرح ہوگا یہ جاننے کے بعد ارباب عقل سمجھ سکیں گے کہ ان سے عالی مرتبت لوگوں کی کیا شان ہوگی۔ اسلئے میں عام مومنین یعنی ادنیٰ اہل جنت کے داخلہ کا تذکرہ کرتا ہوں اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔

وسیق الذین اتقوا ربہم الی الجنۃ زمرا حتی اذا جاؤھا وفتحت ابوابھا وقال لھم خزنتھا سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین وقالوا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوء من الجنۃ حیث نشاء فنعم اجر العاملین وتری الملائکۃ حافین

اور جو اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کی سواریاں گروہ گروہ جنت کی طرف چلائی جائینگی یہانتک کہ جب وہاں پہنچینگے اور اسکے دروازے کھلے ہوئے ہونگے اور اسکے داروغہ ان سے کہیں گے سلام تم پر تم خوب رہے تو جنت میں جاؤ ہمیشہ رہنے اور وہ کہینگے سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنا

من حول العرش یسبحون بحمد ربھم وقضی بینھم بالحق وقیل الحمد للہ رب العالمین۔

وعدہ ہم سے سچا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث کیا کہ ہم جنت میں رہیں جہاں چاہیں۔ تو کیا ہی اچھا ثواب عمل کرنیوالوں کا اور تم فرشتوں کو دیکھو گے عرش کے آس پاس حلقہ کئے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اسکی تسبیح کرتے اور لوگوں میں سچا فیصلہ فرمادیا جائیگا اور کہا جائیگا کہ سب خوبیاں اللہ کو جو سارے جہان کا رب ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اہل جنت کے شاندار داخلہ بہشت کا تذکرہ ہے کہ وہ مراکب نفیسہ پر سوار کر کے جنت کی طرف لائے جائینگے یہ ادنیٰ جنتیوں کا بیان ہے ان سے اعلیٰ طبقہ وہ ہے جنکے لئے قرآن پاک میں ارشاد ہوا وازلفت الجنۃ للمتقین۔ کہ پرہیز گاروں کے لئے جنت قریب کی جائیگی۔ عام مومنین کیلئے سواریاں ہونگی جن پر سوار ہو کر عزت واحترام کے ساتھ روانہ ہونگے اور سواریاں انکی قبروں پر حاضر ہونگی انکے سامنے نور ہونگے۔ بحسب توافت درجات وصلاح احوال لیکن جو ان سے بلند درجہ کے لوگ ہیں جنہیں متوسط طبقہ کہنا چاہیئے انکے لئے جنت استقبال کریگی جسکا بیان آیہ کریمہ وازلفت الجنۃ للمتقین میں ہے اور ان سے جو اعلیٰ طبقہ ہے اسکی کرامت ومنزلت تو انسان کی زبان سے کیا ادا ہوسکتی ہے قرآن پاک میں انکی تکریم کا بیان یہ فرمایا گیا ہے یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا جس دن ہم پرہیز گاروں کو رحمٰن کی طرف لیجائیں گے مہمان بنا کر۔ خلاصہ یہ کہ تمام مومنین نورانی مشعلوں کے ساتھ جو شمس وقمر کی طرح تاباں ہونگے (جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے) مقدس ملائکہ کی خدمت میں اس شوکت وشان کے ساتھ روانہ ہونگے کہ سلاطین عالم نے اسکا شمہ بھی کبھی عالم خواب میں نہ دیکھا ہوگا۔ اہل محشر اولین وآخرین سب کی نگاہیں ان کی طرف اٹھتی ہونگی اور وہ خدا کے ان مورد رحمت بندوں کے اعزاز وتشریف اور

تکریم و احترام کو دیکھتے ہونگے کہ وہ دارالکرامت کی طرف کس فرح و طرب، کس بہجت و سرور کس خرمی و شادمانی کیساتھ روانہ ہو رہے ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم سے مروی ہے کہ اہل جنت کی سواریاں ایک درخت کے پاس لائی جائینگی جسکے نیچے دو چشمے جاری ہیں ایک چشمہ میں یہ غسل کرینگے جس سے انکا ظاہر پاکیزہ اور نورانی ہو جائیگا اور دوسرے چشمہ سے پئیں گے جس سے انکا باطن مطہر و منور ہوگا۔ جنت کے دروازوں پر استقبال کیلئے ملائکہ منتظر ہونگے اور داخلہ کے وقت وہ انہیں عرض سلام کے بعد بشارتیں دینگے اور یہ کہینگے سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین۔ اہمی میزبانوں کیطرف سے سلام کیساتھ اکرام ہے مبارکباد ہے۔ طیب و طہارت کیساتھ اشعار ہے کہ جنت ہر گرد و کدورت سے پاک ہے وہ طیبین و طاہرین پاک ستھرے بندوں کا مقام ہے پاکوں کے سوا کوئی اسمیں داخل نہیں ہو سکتا فادخلوھا کہکر بلایا جاتا ہے آؤ آؤ اور یہ بلانا کسی اور بلانیوالے کی طرح نہیں ہے۔ کیسی بھی نعمت کی طرف کیسے ہی اکرام کیساتھ دنیا میں کسی بلانے والے نے بلایا ہو یا کسی میزبان نے کتنے ہی ارمانوں کے ساتھ میزبانی کی ہو آئیے آئیے تشریف لائیے کرم فرمائیے تو وہ کہہ سکتا تھا مگر بادشاہ ہوتا یا شہنشاہ اسکی مقدرت و امکان میں نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ کیلئے دعوت دیتا اور وہ دعوت کے آخر ہونے اور لذائذ ضیافت کے ختم ہو جانے اور تعظیم و اکرام کے ناپائدار و بے بقا ہونے کے خطرہ سے اپنے مکرم سے مکرم مہمان اور پیارے سے پیارے محبوب کو بھی مطمئن کر سکتا نعمتوں کی بیمثالی کے ساتھ انکا دوام اور خطرہ زوال سے ایمنی کا مژدہ اسی دارالسرور اور اسی دارالخلد کے میزبان استقبال کنندے سناتے ہیں ادخلوھا خالدین اللہ کے پاک بندے ملائکہ اپنی نورانی جماعتوں کے ساتھ تعظیم و احترام کیلئے آگے بڑھکر پیشوائی کرتے ہیں اور اپنے معزز مہمانوں سے کہتے ہیں آئیے آئیے یہاں زوال نعمت کا خطرہ نہیں۔ یہاں کے نفائس نعم اور کرائم طیبات اور

تمہارا عیش دسرور دائمی ہے آؤ آؤ ہمیشہ رہنے آؤ یہ نعمت چھینی نہ جائیگی۔ یہ دولت بیوفائی نہ کریگی۔ یہ رب کریم کی طرف سے عطا ہے اور کریم کی دہش کی کیا انتہا۔

اس مبارکباد دتہنیت میں اس تکریم دتحیت میں بشارت کبری ہے مژدہ روح افزا ہے۔ ارمانو مچل جاؤ، تمناؤ نکھر جاؤ۔ تمہاری حسرتیں پوری کئے جانے اور ان سے اور زیادہ کرم دنوال کا وقت آیا۔ تمام نعمتوں سے پیارا سب دولتوں سے اعلیٰ محبوب کا شاہد جمال ولذت وصال تمہارے لئے دائمی ہے تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں۔ قولہ سلام علیکم طبتم ای انتم فی مشاہدۃ جمالنا ابد الطیبین بلذۃ وصالنا سالمین عن الحجاب ۔

دید محبوب کے درجات مبارک ہوں تمہیں :؛ جلوہ یار کے لذات مبارک ہوں تمہیں

یہ تحیت تو عوام مومنین کیلئے ہے خواص کی تشریف اور ہے اسکا مقام اس سے بہت بالا ہے۔ وہاں وساطت ملائکہ کے حجاب بھی اٹھا دیئے گئے۔ محبوب کی طرف سے دائم سلام پہنچ رہا ہے سلام قولا من الرب الرحیم اس تحیت وتکریم کے جواب میں اہل جنت حمد وثنا کے ساتھ زبان کھولیں گے اور عرض کرینگے قالوا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوء من الجنۃ حیث نشاء فنعم اجر العاملین۔ جمیع محامد اللہ کیلئے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ہمیں زمین جنت کا مالک کر کے اس میں تصرف عام عطا فرمایا کہ ہم جہاں چاہیں رہیں اور اسکی وسعت میں جس محل کو چاہیں اپنی منزل دقرارگاہ بنائیں۔ اس میں ضمنی طور پر جنت کی وسعت کا بھی اظہار ہے کہ ایک ملک کا ملک جہان کا جہاں انکے ملک میں دیا گیا اور اس دسیع دار النعیم پر انہیں قبضہ واختیار کامل عطا فرمایا گیا تو فرمانبرداروں کا اچھا اجر ہے۔

کیا مزے کا وقت ہے کہ جنت کے دروازوں پر اہل جنت کو مبارکبادیں دی جا رہی ہیں ملائکہ انہیں دخول جنت اور وصال محبوب کے مژدے سنا رہے ہیں وہ اپنے

کی حمد و ثنا اور شکر نعمت و احسان میں خطبے عرض کر رہے ہیں۔ یہ تو اہل جنت کے داخلہ کا مختصر سا نقشہ تھا جو پنڈت جی کے خواب و خیال میں بھی نہ گذرا ہوگا اور انکے طائر وہم و ادراک کو بھی یہانتک رسائی میسر نہ آئی ہوگی۔ کسطرح کی میزبانی ہے کیسے اکرام ہیں۔ پھر ان مہمانوں کے کیا آداب ہیں شکر نعمت اور حمد الٰہی میں معروف و مشغول ہیں آپ بھی اپنی موہوم نجات مکتی کو یاد کیجئے اور وہ مکتی جسے آپ جیلخانہ سمجھتے ہیں وہاں کے داخلہ کا کچھ احوال سنا دیجئے کہئے کچھ خبر ہے اسی پر جنت کے مقابلہ میں مکتی کا نام لیتے تھے۔ ابھی تو داخلہ ہی کا تذکرہ سنایا ہے آئندہ بہشتی مقامات اور وہاں کی نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا تو کسقدر ہوش پراں اور عقل حیران ہوگی۔ آؤ آؤ ہم تمہیں بھی اس جنت سے محروم رکھنا نہیں چاہتے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دو سید عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لاؤ پھر یہ نعمتیں تمہارے لئے بھی ہیں خدا نصیب کرے آمین۔

جنّت کی وسعت

پنڈت جی اور انکے معتقدین دید کے مکتی خانہ کی وسعت یاد کرلیں جہاں روحوں کے بکثرت پہنچ جانے سے انہیں بھیڑ بھاڑ کا اندیشہ ہے جیسا کہ انکی عبارات منقولہ بالا سے ثابت ہے اسکے بعد جنتوں کی وسعت پر نظر ڈالیں۔ دنیا میں کوئی پیمانہ نہیں جس سے جنت کی وسعت کا حساب کیا جاسکے۔ قرآن پاک نے سامعین کے ذہن نشین کرنے کیلئے اسطرح ارشاد فرمایا وجنت عرضہا السموٰت والارض اور جنت جس کے عرض میں سماوات و ارض اجائیں مراد یہ ہے کہ دنیا میں کوئی پیمانہ ایسا نہیں ہے جس سے جنت کی وسعت کی پیمائش ہوسکے اور انسان نہ جانے ہوئی چیز سے کسی شئے کا اندازہ لگا نہیں سکتا۔ اسلئے کوئی دیکھی ہوئی چیز سامنے لائی جائے تاکہ وہ کچھ تو اندازہ لگے اسلئے بتایا کہ جنت کے طول کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے عرض کا یہ حال ہے کہ اگر تمام آسمانوں اور زمینوں کے طبقات برابر ملا کر پھیلا دیئے جائیں اور انکو ایک طبق بنادیا جائے اسکو جنت کی چوڑائی سمجھو۔ ایسا ہی حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (مدارک) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ان فی الجنۃ لشجرۃ یسیر الراکب
فی ظلھا مائۃ عام لا یقطعھا (بخاری و مسلم)۔ جنت میں ایک درخت ہے اسکی وسعت
کا یہ عالم کہ سوار اسکے نیچے سو برس چلے اور قطع نہ کر سکے) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی
اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ان
للمومن فی الجنۃ لخیمۃ من لولوۃ واحدۃ مجوفۃ عرضھا وفی روایۃ طولہا
ستون میلا۔ (بخاری و مسلم) جنت میں مومن کیلئے ایک موتی کا خیمہ ہوگا جو اندر سے
خالی ہوگا اسکا عرض اور ایک روایت میں طول ساٹھ میل ہوگا۔ حضرت عباس بن احمد
رضی اللہ عنہ سے ترمذی شریف میں ایک حدیث مروی ہے کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے ارشاد فرمایا فی الجنۃ مائۃ درجۃ ما بین کل درجتین کما بین السماء
والارض۔ جنت میں سو درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اسقدر فاصلہ ہے جیسا
آسمان و زمین میں۔

آریوں سے پوچھو یہ ہے دار الجزا اور یہ ہے اسکی وسعت۔ آپکے کمی خانہ کی طرح تنگ نہیں
جہاں پنڈت دیانند کو بھیڑ بھاڑ کا اندیشہ لگا ہوا ہے۔

جنت کی فضا

جنت باایں وسعت و صنعت کوئی لق و دق میدان یا خشک بیابان نہیں ہے بلکہ اس
عجیب و غریب فضا نہایت طرب انگیز اور دلربا ہے اسکے فرحت افزا مناظر اپنی نزہت
نضارت سے اللہ تعالیٰ کی شان رحمت و کرم کا اظہار کرتی ہیں جنت کے معنی ہی بستان
ہیں اور اسکے سرسبز و شاداب چمنستان اور خوش منظر جوبارین دلآویز چشمے اور نہریں قدرت
الٰہی کا اظہار ہیں۔

فیہا انہار من ماء غیر آسن وانہار من لبن لم یتغیر طعمہ وانہار من خمر لذۃ
للشاربین وانہار من عسل مصفی ولہم فیہا من کل الثمرات۔ (سورہ محمد)

ان آیات کریمہ میں ذکر ہے کہ جنت میں ایسے صاف اور لطیف اور پاکیزہ پانی کی نہریں
ہیں جو فاسد نہیں ہوتا اور جسکا رنگ و بو مزا اپنے حال سے نہیں بدلتا۔ دنیا کا پانی سڑ جاتا
ہے بدبودار ہو جاتا ہے اسکا رنگ خراب ہو جاتا ہے مگر جنتی نہروں کا لطیف پانی ان عیوب
سے پاک ہے۔ اسکے علاوہ دودھ کی نہریں ہیں دنیا کا دودھ دیر تک رکھنے سے خراب ہو
جاتا ہے پھٹ جاتا ہے، بس جاتا ہے، بدمزہ اور بدذائقہ ہو جاتا ہے، اسمیں ترشی اور تلخی
آجاتی ہے مگر جنتی نہروں کا نفیس دودھ نہ پھٹتا ہے نہ سڑتا ہے نہ اسکے مزہ میں فرق آتا
ہے۔ دودھ اللہ تعالیٰ کی بہت نفیس نعمت ہے۔ دنیا میں آنیکے بعد وہ پہلی غذا جس سے
انسان تربیت پاتا ہے دودھ ہے۔ ہندو تو مخصوص طور پر دودھ کے لالچ میں اس پر
جان قربان کر ڈالدیتے ہیں۔ گئوشالوں پر لاکھوں روپیہ خود بھی خرچ کرتے ہیں اور
گئو رکشا کیلئے جابجا اسٹیشنوں، سراؤں، کچہریوں میں بھیک مانگتے پھرتے ہیں پھر بھی
دودھ کن مصیبتوں کے ساتھ بہم پہنچتا ہے۔ دودھ کے جانور پالتے ہیں ان کیلئے مکان
بناتے ہیں انکی خدمت کیلئے آدمی نوکر رکھتے ہیں۔ وہ مکان جس میں دودھ کے جانور
رکھے جاتے ہیں ان جانوروں کے بول و براز سے گندے اور نجس رہتے ہیں تعفن اور
بدبو اور تنگ ان جانیوالوں کے دماغ پریشان کرتی ہے۔ یہ سب مصیبتیں تکلیفیں
ہیں دودھ کی خاطر اٹھائی جاتی ہیں جو کریم کارساز اس عالم میں حیوانات کے
تھنوں سے دودھ عطا فرماتا ہے اس نے جنت میں دودھ کی نہریں جاری فرمادی ہیں
جو پاک صاف ہے بگڑنے اور خراب ہونے کے خطرہ سے ایمن ہے گندگی عفونت کا تو
اس مکان میں نام و نشان ہی نہیں پھر افراط یہ کہ دودھ کے چشمے جاری ہیں۔ دودھ کی
نہریں مار رہے ہیں، یہ دریا ہمیشہ جاری رہتے ہیں مگر یہاں کا دودھ باسی نہیں ہوتا

اسکی تازگی اور لذت میں کمی نہیں آتی۔ دنیا کے دودھ کو ذائقہ اور لذت میں اس سے کیا نسبت
اسم وصورت کا اشتراک ہے اور حقیقت ولیاقت بیان میں نہیں آسکتی۔

اسکے سوا جنت میں شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے لذت خالصہ ہے۔ نہ وہ
شراب دنیا کی طرح ترش یا تلخ یا کسیلی نہ اسکے پینے سے عقل میں فتور آئے نہ سر میں درد ہو
نہ وہ خمار لائے بلکہ وہ خالص لذت ہی لذت ہے اور پاک وطاہر۔ شراب دنیا میں جتنی
آفتیں ہیں سب سے بری۔

اسکے ماوراء۔ جنت میں شہد کی نہریں ہیں جو دنیا کے شہد کی طرح مکھیوں سے
حاصل نہیں کیا جاتا دنیا کا شہد مکھیوں کی قے ہے اس میں مکھیاں مرجاتی ہیں، موم ملا
ہوتا ہے موم کی بو اس میں بس جاتی ہے اور کن مصیبتوں سے حاصل کیا جاتا ہے جنت
کا شہد ان تمام نقائص سے خالی نہایت صاف وشفاف لطیف ونظیف اور اسقدر وافر کہ
نہریں جاری ہیں جہاں چاہیئے اور جسقدر چاہیئے بے روک ٹوک موجود۔

امام ترمذی نے حکیم ابن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور علیہ السلام
نے فرمایا ان فی الجنۃ بحر الماء بحر العسل وبحر اللبن وبحر الخمر ثم تشقق الانہار
جنت میں پانی کا سمندر شہد کا سمندر، دودھ کا سمندر، شراب کا سمندر ہے۔ ان سمندروں
سے نہریں نکلی ہیں۔ اور جنت میں تمام انواع واقسام کے پھل ہیں مشروبات کے بعد پھلوں
کے ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ پھل تفکہ اور لذت کیلئے ہیں نہ حاجت اور بھوک کیلئے
شہد وشراب اور فواکہ وثمرات کے ناموں سے تیرہ دماغ نافہم یہ خیال کرتے ہیں
کہ بس جنت میں بھی یہی دنیوی نعمتیں ہیں چنانچہ پنڈت دیانند نے بھی کہا ہے انکے خیال
نے یہاں تک رسائی نہ کی کہ اسمی وصوری مشارکت حقیقت واوصاف کی مشارکت کو
مستلزم نہیں اور دنیا کے شہد وشراب ثمرات فواکہ جنتی نعمتوں سے کوئی بھی نسبت نہیں
رکھتے۔

اوپر کے بیان میں انکے امتیاز و خصوصیتیں ظاہر ہو چکی ہیں جن میں نظر کر کے عاقل بہ یقین اس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے کہ دنیا کی چیزوں کو جنتی نعمتوں سے کیا نسبت ہے جنت کے اشجار و ثمار دائم و سدا بہار ہیں انکو انقطاع و فنا نہیں۔ اکلہا دائم وہاں کے پھل ہمیشہ رہنے والے یہاں تمام دنیا کو بھی یہ بقا میسر نہیں۔ جنت میں باغ ہیں چشمے ہیں ان المتقین فی جنت وعیون۔ نیک پرہیزگار باغوں اور چشموں میں ہیں۔ اٰخذین بما اٰتٰھم ربھم۔ اپنے رب کی عطائیں لیتے ہوئے۔

جنتی عمارت میں ایک اینٹ سونے کی ہے ایک چاندی کی ہا ور اینٹوں کو پیوند کرنے والا مصالحہ نہایت خوشبودار مشک اذفر وہاں کے سنگریزے جو وہاں کی زمین میں بچھا ہیں جواہرات ہیں۔ موتی یاقوت وغیرہ وہاں کی گرد زعفران ہے (ترمذی) جنتی درختوں کی شاخیں سونے کی ہیں (ترمذی) جنتیوں کیلئے بہشتی سیرگاہوں میں جابجا منبر رکھے ہوئے ہیں۔ نور کے منبر موتی کے منبر، یاقوت کے منبر، زبرجد کے منبر سونے کے منبر چاندی کے منبر مشک و کافور کے بلند مقام بنے ہوئے ہیں (ترمذی ابن ماجہ) جابجا موتی زبرجد یاقوت کے خیمے اور قبے ہیں، حوروں کے اجتماع کا ایک مقام ہے جہاں وہ بلند آوازوں سے پکارتی ہیں وہ شیریں اور دلکش آوازیں جو کبھی مخلوق نے نہیں سنیں کہتی ہیں نحن الخالدات فلا نبید ونحن الناعمات فلا نبأس ونحن الراضیات فلا نسخط طوبیٰ لمن کان لنا وکنا لہ۔ ہم ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیں ہلاک و فنا نہیں ہم وہ صاحب نعمت ہیں کہ کبھی محتاج نہ ہوں ہم راضی رہنے والی ہیں کہ کبھی ناراض نہ ہوں۔ اسے مبارکباد جو ہمارے لئے ہو اور جس کیلئے ہم ہیں۔

یہ جنت کی فضا ہے جہاں یہ مناظر ہوں۔ یہ ساز و سامان ہوں وہاں ارواح کے سرور و انبساط کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اہل جنت کے لباس و فروش

دنیا میں الفاظ نہیں ملتے جس سے جنتی لباسوں اور فرشوں کی نفاست و خوبی کا اظہار کیا جاسکے مگر تفہیم و تفہم کا ذریعہ الفاظ اور رائج لغات کے سوا کوئی اور نہیں ہے اس لئے بمجبوری و ناچاری انہیں کو پیامبر و مقصود بنایا جاتا ہے تقریب الی الفہم کے طور پر الفاظ میں ان نعمتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو آنکھوں نے نہیں دیکھیں کانوں نے نہیں سنیں دلوں میں مخطور نہیں ہوئیں وہم و ادراک کے طائر ان تک رسائی نہ پاسکے۔ اہل جنت کیلئے ریشمی کپڑے ہونگے اس ریشم سے دنیا کے ریشم کو وہ نسبت بھی نہیں ہے جو زربفت و کمخواب کے مقابل ٹاٹ و پلاس کو ہوتی ہے۔ اسکی چمک آفتاب کی روشنی کو شرمادے اسکی نرمی و ملاست بدن کو آرام دینے و مزین کرنے میں جو تاثیر رکھتی ہے وہ انشاءاللہ دیکھ کر ہی معلوم ہوگی۔ جنتیوں کے عزت و احترام کے لئے تخت لگائے گئے ہیں جنپر وہ سریر آرا و مسند نشین ہونگے۔ یہ تخت دنیا کے تختوں کی طرح لکڑی و پتھر وغیرہ کے نہیں ہیں جواہرات کے ہیں اور دنیا کے جواہرات بھی انکے مقابل پتھر سے کمتر۔ جنتیوں کو زیور پہنائے جائینگے اور انکے اعضائے بدن کو جو دنیا میں مصروف محنت رہے تھے زیوروں سے آراستہ کیا جائیگا۔ نورانی بدنوں پر جنتی زیوروں کی چمک دمک دیکھنے والوں کی نگاہوں میں تازگی پیدا کریگی اور ان نعمتوں کا بیان قرآن پاک کی بہت سی آیتوں میں ہے فرمایا۔ وجزاھم بما صبروا جنۃ وحریرا متکئین فیھا علی الارائک اور انکے صبر پر انہیں جنت اور ریشمی کپڑے صلہ میں دیئے۔ جنت میں تختوں پر تکیہ لگائے ہونگے واذا رایت ثم رایت نعیما وملکا کبیرا عٰلیھم ثیاب سندس خضر واستبرق وحلوا اساور من فضۃ اور جب تو اُوپر نظر اٹھائے ایک چین دیکھے اور بڑی سلطنت انکے بدن پر کریپ کے سبز کپڑے اور قناویز کے اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے گئے

چاندی پر قیاس نہ کیجئے ان کنگنوں کی شان وصفت حدیث کریم سے معلوم کیجئے۔
لو ان رجلا من اھل الجنۃ اطلع فبدا اساورہ لطمس ضوئہ ضوء الشمس کما تطمس
الشمس ضوء النجوم۔ اگر کوئی جنتی اپنا کنگن ظاہر کرے تو اسکی روشنی آفتاب کی روشنی
کو اسطرح محو کر دے جسطرح آفتاب کی روشنی ستاروں کی روشنی کو محو کر دیتی ہے۔
اہل جنت کے لباس پرانے نہ ہونگے نہ ان کا شباب متغیر ہوگا۔
من یدخل الجنۃ ینعم ولا یبأس ولا یبلی ثیابہ ولا یفنی شبابہ (مسلم عن ابی ہریرۃ)
اہل جنت نعمت دائمی پائیں گے۔ انکے کپڑے میلے اور پرانے نہ ہونگے۔ انکا شباب زائل نہ
ہوگا۔ جنتی زیوروں اور لباسوں کی نسبت بکثرت آیات و احادیث ہیں یہاں باختصار قدر
قلیل پر اکتفا کیا گیا۔ جنتی نعمتوں کے انواع و اقسام ہی شمار نہیں کئے جا سکتے چہ جائیکہ انکی
تفاصیل اور جسقدر تفاصیل بھی آیات و احادیث میں مذکور ہیں ان سب کو ایک جگہ جمع
کرنے کیلئے کئی جلدیں تیار کرنا پڑینگی یہاں تو صرف چند چیزیں ذکر کر دی جاتی ہیں تاکہ
انسان ایک طرح کا اندازہ کر سکے۔

جنتی بی بیاں

قدرت نے انسان کو ایسی طبیعت پر مجبول فرمایا ہے کہ اسکے پاس انواع و اقسام کی نعمتیں
اور دولتیں فراواں موجود ہوں تو وہ سب بے لطف ہو جاتی ہیں اگر یار موافق اور مونس
صادق کوئی نہ ہو۔

جنت میں جہاں فضل باری نے ایماندار بندے پر بے اندازہ نعمتوں کی بے اندازہ
بارش فرمائی ہے وہاں بہترین رفیق اور نفیس ترین مونس سے بھی اسکو محروم نہیں چھوڑا
ہے۔ نیک خو، خوبرو، معرفت مآب، عصمت قباب، لجویہ عاطلب پاک بیبیاں نفیس کنیزیں
پیکر حسن حوریں عطا فرمائی ہیں جو ایسے گل نو شگفتہ کی طرح ہیں جس سے گلچیں کی نظر

بھی دو چار نہیں ہوئی ہے ع ابھی وہ نام خدا ہے غنچہ نسیم چھو بھی نہیں گئی ہے۔ پھر ایسے
خوبرو بیوں کے ساتھ لطف صحبت حاصل کرنے کیلئے ایسا ہی عیش منزل درکار ہے۔
آیات واحادیث میں جسقدر تفاصیل صراحتًا مذکور ہیں انکا احصا تو بہت دشوار ہے چند
آیات پیش کی جاتی ہیں۔ ولمن خاف مقام ربہ جنتان۔ موقف حساب میں جہاں
بندے پروردگار کے حضور میں حاضر ہونگے۔ وہاں کی حاضری کا خوف جس کے دل میں
رہا اور جو اپنے رب کے حضور حاضر ہونے سے خائف رہا اسکے لئے دو جنتیں ہیں عقیدہ
اور عمل کے لحاظ سے روحانی وجسمانی۔ تفسیر روح البیان میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالے
اس بندہ کو بہشت میں دو باغ عطا فرمائیگا جنکا طول وعرض سو برس کی راہ ہے۔ ان
باغوں میں خوش منظر مکان نفیس الوان دلکش حوریں دلربا سامان ہونگے۔ (اس
نعمت کا ذکر کر کے فرمایا) تو اپنے رب کی کون کونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔ اب ان دونوں
جنتوں کی صفت ارشاد فرمائی کہ وہ جنتیں قسم قسم کے اشجار وثمار رکھتی ہیں یا کثیر
الاغصان ہیں عطا کا قول ہے کہ جنتی بستانوں کے درختوں میں کثیر شاخیں ہونگی اور
ہر ہر شاخ میں انواع واقسام کے میوے تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے
ان جنتوں میں دو چشمے جاری ہیں اور عجب صفت کے ساتھ کہ انکی روانی جنتی کے تابع
فرمان ہے ہر چشمہ بلندی سے پستی کی جانب بہتا ہے لیکن یہ جنتی چشمے جسطرف اہل جنت
چاہیں اسطرف رواں ہوتے ہیں ان میں سے ایک کا نام تسنیم ہے دوسرے کا سلسبیل ہے
یہ چشمے ایک مشک کے پہاڑ سے نکلتے ہیں۔ ابو بکر وراق نے فرمایا کہ یہ کرامت رحمت کے
ان ایمانداروں کیلئے ہیں جن کی آنکھیں دنیا میں خوف الہی سے جاری رہیں تفسیر روح
البیان میں ہے کہ اسمیں اشارہ ہے کہ جنت فنا میں ایک چشمہ آب حیات جاری ہے
اور یہ بقا بعد الفنا ہے اور جنت بقا میں وہ چشمہ ہے کہ جس میں آب علم ومعرفت وحکمت
جاری ہے تو اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے اے اصحاب سکر وغیبت ادراک

اصحاب (صحو دحضور) ان میں ہر ایک میوہ دو قسم کا ہے ایک قسم تو معہود ہے جیسے دیکھنے والا پہچانے دوسری نادر جسے کسی نے دیکھا نہ سنا تو اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے (ان لذیذ نعمتوں میں سے) اب ان خائفین کا حال بیان کیا جاتا ہے جنہیں جنتیں عطا ہونگی کہ وہ سریر آرایانہ شوکت وشاہانہ عظمت کے ساتھ تکیہ لگائے جلوس کریں گے ان بستروں پر جنکی اندرونی تہ (استر) استبرق کی ہے۔ یہ ایک ریشمی نہایت چمکدار رنگا رنگ عجیب وغریب نفیس کپڑا ہے اور جنتی ریشم سے دنیوی ریشم کو نسبت ہی کیا۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ جس فرش کا استر یہ ہوگا اسکا بالائی رخ (ابرا) کیسا کچھ ہوگا۔ سعید ابن جبیر سے دریافت کیا گیا جب بطاین (استر) استبرق کے ہونگے تو ظاہر ابرے کیسے ہونگے اسکے جواب میں انھوں نے فرمایا ھی مما قال اللہ تعالیٰ فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جسکا نظیر وشبیہ آنکھوں سے نہ دیکھی ہو اسکی توصیف کسطرح کیجائے۔ حضرت سعید ابن جبیر نے فرمایا کہ ان فرشوں کے ابرے نور خالص کے ہونگے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ روئے زمین پر کوئی انکی تعریف نہیں کر سکتا۔ یہ حال تو وہاں کے فرش کا ہے جس پر ان تخت نشینان جنت کے سریر نصب ہیں۔ ان جنتوں کے میوے قریب ہیں کہ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حالت میں ان تک ہاتھ پہنچ سکتا ہے۔ دنیا میں اگر میوہ دار درخت کے پاس بھی جائے تو میوہ حاصل کرنے میں دقتیں ہیں۔ لیٹے ہیں یا بیٹھے ہیں تو اٹھنا اور کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ کبھی کسی چیز سے شاخوں کو پکڑ کر جھکانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ کبھی درخت پر چڑھنے کی صعوبت برداشت کرنا پڑتی ہے پھر اس پھل کے قریب کہیں خشک لکڑیاں ہیں کہیں کانٹے ہیں خراشیں لگتی ہیں تکلیفیں ہوتی ہیں۔ تب میوہ ہاتھ آتا ہے جنت کے ارباب نعمت کو کوئی تکلیف نہیں وہ کھڑے ہوں تو میوہ قریب۔ بیٹھیں لیٹیں تو خود شاخ جھکے اور میوہ ان تک پہنچا دے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اہل جنت کے پاس میوے لیکر درخت خود آئینگے وہ جس وضع پر ہوں کھڑے

بیٹھے لیٹے اسی حال میں باادب خدمتگار کی طرح انکی خدمت میں میوہ پیش کرینگے۔
متکیین علی فرش کے بعد جنی الجنتین کا ارشاد فرمانا بتا رہا ہے کہ اہل جنت کو جب سریر آرائی
کی عزت و کرامت دی گئی اور جنتی تکیوں پر انہوں نے آرام کیا تو شاخ درخت کو انکے
حضور میوہ پیش کرنا اور ادب کے ساتھ منہ تک پہنچانا اس نعمت کی تکمیل ہے کہ میوہ لینے
اور کھانے کیلئے بھی اٹھنے اور آسائش کی نشست چھوڑنے کی ضرورت نہیں الحمد للہ
اور یہ بات تو اس دل کے سمجھنے کی ہے کہ بعد اور دوری کا منشاء تو جسمانی کثافتیں ہیں اگر
اہل جنت کے اجسام لطیفہ روحانیہ ہیں ع بعد منزل نشود در سفر روحانی۔ تو انہیں مقت
تناول سے واسطہ تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان مناظر دلکشا اور لقائے
طرب افزا میں جہاں سب کچھ ہے جنتیوں کے انس کیلئے دمساز سراپا ناز بھی ہیں جنکا تذکرہ
اسطرح فرمایا کہ ان میں جنتوں میں بی بیاں ہیں نظر رکھنے والی جنہیں ان جنتی شوہروں سے پہلے
کسی جن وانس نے مس نہیں کیا۔ بیبیوں کی صفت میں فرمایا نظر رکھنے والی۔ عربی کے الفاظ
کی جامعیت تو اردو کو حاصل نہیں اسلئے قاصرات الطرف کا پورا ترجمہ تو یہ لفظ ادا نہیں کر
سکے۔ مطلب یہ کہ وہ نازنینان پاکیزہ انداز اپنے چشم سحر ساز حیا سے نیچی کئے رہتی ہیں۔
محبوب مرغوب کی حیا محب و طالب کے جذبات طلب و طرب کو بدرجہا بڑھا دیتی ہے
جہاں قاصرات الطرف کے یہ معنی ہیں وہاں اسکے یہ معنی بھی ہیں کہ دیدہ طلبگار کو غیر کیطرف
دیکھنے سے روکنے والی ہیں یعنی انکے جمال کا یہ عالم ہے کہ جب انکے جنتی شوہر کی نظر ان
پر پڑے تو انکے کمال حسن سے وہ نظر وہیں رک کر رہ جائے ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

یہ معنی بھی ہیں کہ وہ پاکباز بیبیاں اپنی نگاہوں کو غیر کے دیکھنے سے روکنے والی ہیں
اور یہی معنی اصح ہیں اور لم یطمثھن کے ملانے سے ایک عجب لطف دیتے ہیں کہ جہاں
ان پاکباز اچھوتی بیبیوں کو کسی جن وانس نے نہیں چھوا ہے وہاں انکی نگاہوں نے

بھی کسی دوسرے کو نہیں دیکھا ہے وہ حریم عفت و حجلہ عصمت کی محترمات ہیں کہ اغیار کی نگاہوں کی گرد انکے دامن حسن تک نہیں پہنچ سکی ہے۔ باحیا انسان گوارا نہیں کرتا کہ ہر جائی سے دل لگائے یا اپنے محبوب کو کسی دوسرے کی نظر کے سامنے لائے ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم گوش را نیز حدیثے تو شنیدن ندہم

وہ آوارہ گرد جن پر صدہا للچائی ہوئی نگاہیں روزمرہ پڑتی ہوں اور وہ دریدہ اور کبھی رسخ نگاہوں سے غیروں کو دیکھا کرتی ہیں ہرگز اس قابل نہیں کہ غیرتمند انسان انکو اپنا ہمراز و دمساز بنائے انہیں دوسرا شوہر اس سے بہتر نظر آگیا دل میں سما گیا تو فتنوں کا دروازہ کھل گیا اور شوہر نظر میں خوار ہو گیا اسی لئے اسلام نے مومنات کو پردہ کی عزت و حفاظت عطا فرمائی جنتی بیبیوں نے اپنی نظر سے دوسرے کو دیکھا ہی نہیں انکی نظر شوہر پر مقصود مقصور رہے اسی لئے حدیث شریف میں وارد ہوا کہ جنتی بیبیاں اپنے شوہروں کو دیکھ کر کہیں گی کہ رب کریم کی عزت و جلال کی قسم جنت جیسے مقام میں ہمیں کوئی چیز آپ سے پیاری نظر نہیں آئی اس کریم بندہ نواز کا شکر جس نے آپکو میرا شوہر بنایا اور مجھکو آپکی بی بی کیا۔ جنت کی تمام بیبیوں کی یہی صفت ہے خواہ وہ حوریں ہوں جو جنت ہی میں پیدا کی گئی ہوں انہیں انکی پیدائش کے دن سے اپنے جنتی شوہر کے پاس پہنچنے تک کسی نے نہیں چھوا الف ہے اس نابکار بدبخت پر جو قرآن پاک کی تصریح ہوتے ہوئے اپنے خبث باطن سے بیہودہ باتیں بکے یا دنیا کی عورتیں ہوں جنہیں جنت میں نئی زندگانی ملی اور جسد سے یہ جنتی زندگانی انہوں نے پائی یہاں کسی نے انہیں نہیں چھوا گو دنیا میں وہ اپنے شوہروں کے پاس رہی ہوں، ان نعمتوں کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ پھر ان جنتی بیبیوں کے حسن و جمال کا ذکر بالا جمال یہ ہے کہ وہ ایسی خوبرو ہیں گویا کہ وہ یاقوت و مرجان ہیں یعنی انکے رخساروں کی سرخی اور جلد کی چمک سے کچھ یاقوت و مرجان مناسبت رکھتے ہیں حدیث شریف میں انکی لطافت جسمی کا یہ عالم بیان فرمایا کہ انکا

مغز ساق استخوان جھلکتا نظر آئیگا۔ پاکی صفائی یہ کہ نہ لعاب دہن ہے نہ لعاب بینی نہ کسی اور قسم کا میل کچیل نہ دوسرے ناپسندہ مکروہ طبع فضلات نہ وہ بیمار ہوں نہ تھکیں ان کے جسموں سے وہ خوشبوئیں مہکیں جنکی ایک ایک مہک پہ تمام عالم کے گلستان قربان تو تم اپنے رب کی کونکونسی نعمت جھٹلاؤ گے۔ اسمیں اشارہ ہے کہ یہ عرفانی حوریں احسانی کنیزیں تجلیات بسط وانشراح کے یاقوت ہیں اور جلوہائے جمال وکمال کے مرجان انکی لطافت رخسار کا یاقوت احمر حاکی اور طراوت فطرت کا مرجان ابیض واصف۔

نیکوکاری کا بدلہ بہترین جزا ہی ہے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جسکو میں نے اپنی معرفت وتوحید کی نعمت دی اسکا بدلہ یہی ہے کہ میں اسکو اپنی جنت اور حظیرہ قدس میں مسکن عطا فرماؤں۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ نیکی کا بدلہ نیک تو طاعات کی جزا درجات اور شکر کا بدلہ مزید کرم توبہ کا قبول دعا کا اجابت سوال کا عطا استغفار کا مغفرت دنیا میں خوف الٰہی کا امن آخرت فنا فی اللہ کا بقا باللہ بندے کی طرف سے انتہائی نیکی یہ کہ وہ عشق الٰہی میں فنا ہو جائے اور مولیٰ کی طرف سے یہ کرم کہ اسکو وجود حقانی عطا کرے تو اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اور ان دو جنتوں کے سوا دو جنتیں اور ہیں یعنی وہ دو جنتیں جنکا خائفین مقربین کیلئے وعدہ کیا گیا تھا اور ان کا ذکر ابھی گذرا ہے انکے سوا دو جنتیں اور اصحاب یمین کیلئے ہیں۔ خائفین کی دو قسمیں ہیں مقربین اور اصحاب یمین۔ مقربین کا مرتبہ باعتبار فضائل علمیہ وعملیہ کے اصحاب یمین سے اعلیٰ ہے اور ایک تفسیر یہ ہے کہ ہر جنتی کو جہات اربعہ میں چار جنتیں ملینگی تاکہ ایک جنت سے دوسری کی طرف نقل میں سرور زیادہ ہو تو اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ اب ان دو جنتوں کی صفت میں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ گہری سبز ہیں اور غایت سبزی سے سیاہی کی جھلک مارتی ہیں۔ ان جنتوں میں سبزہ اور ریاحین

وہاں کی زمین پر اسقدر پھیلا ہوا ہے کہ دور سے انکی سبزی نظر آتی ہے تو اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان جنتوں میں دو چشمے ہیں جوش مارتے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اہل جنت پر خیر و برکت کے فوارے چلاتے ہیں۔ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مشک و کافور کے اولیاء اللہ پر اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مشک و عنبر سے اہل جنت کے گھروں میں چھڑکاؤ کرتے ہیں تو اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان جنتوں میں میوے ہیں کھجوریں انار ہیں تو اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ ان جنتوں میں پاکیزہ برگزیدہ خوبرو نیک خو عورتیں ہیں (حوریں) حدیث شریف میں وارد ہوا اگر ایک جنتی بی بی آسمان و زمین میں اپنی چمک دکھائے تو تمام زمین و آسمان کی فضائیں اسکی طلعت سے عالم نور بن جائیں اور تمام دنیا اسکی خوشبو سے مہک جائے اسکی چوٹی کا ایک مو باف دنیا و مافیہا کی دولتوں سے بہتر ہے ایک روایت میں آیا ہے کہ اگر ایک حور سمندر میں تھوک دے تو اسکی عذوبت سے تمام سمندر شیریں ہو جائے تو اپنے رب کی کونکونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ حوریں ہیں جنتوں میں پردہ نشین کہ بیگانوں کی نظر ان پر نہیں پڑی یہ جنتی بیبیاں ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کی خدمت کیلئے پیدا کیا۔ اور انکو لباس نور عطا فرمایا اور اپنے حجاب قدس میں سریر انس پر سرپر آرا کیا اور انکے لئے یاقوت و مروارید کے خیمے نصب فرمائے تو اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ بی بی کی خوبی یہی ہے اور محبوبیں کمال یہی کہ ہرجائی نہ ہو نظر اغیار سے محفوظ ہو۔ ان جنتی پاک بیبیوں کے وصف میں فرمایا کہ انکے شوہروں سے پہلے انہیں کسی انس و جن نے چھوا ہی نہیں تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

جنتی بیبیوں کے تذکرہ میں ہم نے چند آیات کا ذکر کیا۔ بہت آیات و احادیث میں انکا بیان ہے اور بہت تفاصیل سے انکے تذکرے ہیں مگر ایک صاحب عقل کے لئے

جنتی نہروں کی مرتبت معلوم کرنے کیلئے اسقدر بہت کافی ہے جتنا لکھا گیا۔

حیات دوام اور موت سے امن

تمام لذتوں کو بے کیف کر دینے والی جو چیز ہے وہ خطرۂ موت ہے تھوڑی نعمت ہو اور اس کے ساتھ اندیشۂ زوال نہ ہو تو وہ کروروں درجہ بہتر ہے اس تمام دنیا کی سلطنت سے جسکے ساتھ دغدغۂ زوال اور اندیشۂ فنا ہو دنیا کی حیات ہر ساعت ہر آن کاہش میں ہے اور یہاں ہر شخص کا وقت خطرہ میں گزرتا ہے نہ کسی نعمت کو بقا نہ کسی سرور کو دوام نہ کسی راحت کو پائداری نہ کسی حالت کو قیام ان پر افسوس جنہوں نے زندگانی دنیا پر جانیں خدا کر دیں اور یہاں کی بیوفا چیزوں کے عشق میں زندگیاں گذار دیں۔ ان سے زیادہ افسوس کے قابل انکی حالت ہے جو اپنے اعتقاد میں یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں نیکی اور پارسائی کا نتیجہ خدا کے یہاں سے بھی یہی ملنے والا ہے کہ وہ جان بدلکر پھر دنیا ہی میں بھیجدے۔ انکے خیال میں ملک خدا بس اتنا ہی ہے جو انکی آنکھوں کے سامنے ہے اور بقاء دوام اور حیات جاوید کی کسی طرح کوئی سبیل ہی نہیں ہے جیسا کہ اس ملک کے ہنود کا خیال ہے مگر قرآن پاک نے بتایا کہ دین اسلام کے حلقہ بگوشوں کیلئے حیات دائم اور نعمت باقی ہے خطرۂ موت سے عالم جزا میں انکو امن ہے زوال نعمت کے اندیشہ سے وہ بے غم ہیں نہ انکی نعمت چھنے نہ عمر آخر ہو نہ موت آئے نہ ملک جائے۔ لا یذوقون فیہا الموت اور ھم فیہا خالدون اور یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان وجنات لھم فیہا نعیم مقیم خالدین فیہا ابدا۔ انہیں یہ بشارتیں سنائی گئیں جنت کی عالی قدر نعمتیں اور پھر دائم و قائم لہ الحمد ولہ المنۃ۔

جنتی جو چاہینگے وہ ملیگا

اہل جنت کی نعمتوں کی تفاصیل تو آیات و احادیث میں بہت مذکور ہیں یہاں نہایت اختصار کیساتھ بہت تھوڑا ذکر کیا ہے

لیکن باوجود ان عظیم وکثیر نعمتوں کے ارشاد فرمایا لھم فیھا مایشاؤن۔ اہل جنت جو چاہیں گے پائینگے۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ اس سے مافوق متصور ہی نہیں۔ بندہ کو جس چیز کی طلب ہو ارادہ کے ساتھ ہی وہ حاضر ہو جائے۔ یہ بات آج تک دنیا میں کسی بادشاہ شہنشاہ کو بھی حاصل نہیں ہوئی جو مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ میں انکے ہر ایک غلام کو انشاء اللہ العزیز الحکیم حاصل ہوگی۔

دیدار الٰہی تمام نعمتوں سے بلند و بالا اور جملہ دولتوں سے افضل واعلیٰ مومن کے دل کی تمنا جان کی آرزو حضرت رب العزت تبارک وتعالیٰ کی رضا اور اسکا دیدار اور قرب حق ہے جس سے اہل جنت نوازے جائینگے اور جس کی بشارتیں قرآن پاک واحادیث میں بکثرت دی گئی ہیں وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ۔

جنت کا مختصر تذکرہ عرض کیا گیا پنڈت سے پوچھئے اب بھی اسے اپنا مکتی خانہ یاد ہے جسمیں بھیڑ بھاڑ کا اندیشہ لگا رہتا ہے اور زیادہ عرصہ وہاں ٹھہرنے سے طبیعت گھبرا جاتی ہے اور قیدیوں کی طرح انسانوں کو وقت کاٹنا مشکل ہوتا ہے اور کسی طرح کی کوئی نعمت دولت کا نام ونشان وہاں نہیں ہے مکتی خانہ کے گرفتار افیونیوں کیطرح اونگھتے رہتے ہیں۔ عقل والے انسانو اس نعمت دائم قائم کو حاصل کرو۔ ایمان لاؤ اور پروردگار عالم کی رضا حاصل کرو۔

آیت کریمہ۔ وعلم ادم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملئکۃ فقال انبئونی باسماء ھولاء ان کنتم صادقین ہ قالو سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم ہ قال یادم انبئھم باسمائھم فلما انبئھم باسمائھم قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السموات والارض واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون ہ

پنڈت جی نے پہلی خیانت تو آیات کی نقل میں کی مسطورۂ بالا آیتوں میں سے سبحانک

لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم ٥ پوری کی پوری چھوڑ دی ہم نے اوپر آیات صحیح نقل کر دی ہیں لیکن ستیارتھ پرکاش میں درمیان کی ایک آیت چھوڑ دی ہے اسی طرح ترجمہ میں سے بھی اس آیت کا ترجمہ ندارد کر دیا اب آپ ایک نظر آیات کے ترجمہ پر ڈال لیجئے اسکے بعد پنڈت کا اعتراض پڑھیئے ۔ آیات مبارکہ کا با محاورہ ترجمہ یہ ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اسماء کا علم عطا فرمایا پھر انکو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا کہ مجھے ان چیزوں کے ناموں کی خبر دو اگر تم سچے ہو (اپنے اس خیال میں کہ بہ نسبت آدم کے ہم خلافت کے زیادہ مستحق ہیں اور ہمارے پہلے پیدا ہونے کی وجہ سے کوئی مخلوق ہم سے علم میں زیادہ نہیں ہو سکتی اسکے جواب میں مسمیات انکے سامنے پیش کر کے فرمایا گیا کہ تم انکے نام تو بتاؤ تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ تمہارا یہ خیال کہاں تک درست ہے اسکے جواب میں ملائکہ نے جو کچھ عرض کیا وہ اگلی آیت میں ہے) ملائکہ نے عرض کیا تو پاک ہے (تجھ پر اعتراض نہیں ہو سکتا اور یہ ہمارا سوال استفسار آ ہے نہ اعتراضاً) ہمیں علم نہیں مگر جو تو نے عطا فرمایا بیشک تو ہی علم و حکمت والا ہے کہ کوئی شئے تیرے احاطہ علمی سے باہر نہیں اور تیرا ہر فعل حکمت ہے خواہ اس کا مخلوق کی رسائی ہو یا نہ ہو) اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تم ملائکہ کو ان مسمیات کے نام بتا دو (یہ حکم پاکر حضرت آدم علیہ السلام نے ہر شئے کا نام اور اسکی حکمت جس لئے پیدا کی گئی ہے بیان فرمائی) جب آدم علیہ السلام نے ملائکہ کو ان مسمیات کے بتائے تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کے غیب جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو سب جانتا ہوں ۔

آیات کریمہ کا ایک مختصر ترجمہ تھا جو ناظرین کے سمجھنے کیلئے پیش کر دیا گیا اب اس پر جو پنڈت دیانند کا اعتراض ہے اسکو ملاحظہ فرمایئے کس قدر جہالت ہے کتنا یہ معترض ہے کس علم و عقل کی خبر دیتا ہے یا کس تعصب و نفسانیت کا اظہار کرتا ہے پنڈت کے الفاظ

ملاحظہ ہوں۔

پنڈت کا اعتراض:۔ بھلا اسطرح پر فرشتوں کو دھوکہ دیکر اپنی بڑائی کرنا خدا کا کام ہوسکتا ہے۔ یہ تو ایک (دوہمہ) انمود کی بات ہے اسکو کوئی عالم نہیں مان سکتا اور نہ ایسی لاف زنی کر سکتا ہے کیا ایسی باتوں سے ہی خدا اپنی کرامات جمانا چاہتا ہے۔ ہاں جنگلی لوگوں میں کوئی ایسا پاکھنڈ چلا لیوے چل سکتا ہے شائستہ آدمیوں میں نہیں۔ ستیارتھ باب ۱۴ امر ۲۴۴ لکھے پڑھے آریہ سمجھ کر بتائیں تو اس اعتراض کا حاصل کیا ہوا۔ چند بیہودہ خلاف تہذیب الفاظ لکھ دیئے۔ بس یہی قابلیت ہے اور اسی کو اعتراض کہتے ہیں خداوند عالم پر دھوکہ دینے کا ناپاک بہتان اٹھانا خور باطنی ہے یہ نہ بتایا کہ وہ دھوکہ کیا ہے اور آیات مذکورہ بالا میں نظر کرکے ہر شخص جس کو تھوڑا سا بھی علم ہے سمجھ سکتا ہے کہ ملائکہ نے بدیں خیال کہ وہ پہلے پیدا کئے گئے ہیں۔ بہت سی چیزوں کو دیکھا ہے جن کو انکے بعد کا پیدا ہونیوالا شاید نہ جانتا ہو اسلئے انکو علم وسیع ہوگا اور وہ بہ نسبت دوسری مخلوق کے زیادہ مستحق ہونگے۔ یہ عرض کیا تھا نحن نسبح بحمدک ونقدس لک۔ اس سوال سے مقصود ملائکہ کا اس حکمت کا دریافت کرنا تھا جو حضرت آدم کو علیہ السلام خلیفہ بنانے میں قدرت نے رکھی تھی اور ظاہر طور پر ملائکہ کی نظر اس تک نہ پہنچتی تھی۔

اسکے جواب میں حضرت رب العزت تبارک وتعالیٰ نے حکیمانہ طور پر انکو معائنہ کرادیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا علم تم سے بدرجہا زیادہ وسیع ہے اور مدار فضل واستحقاق خلافت ملائکہ علم ہی کو قرار دیتے ہیں تو اب انہیں خلافت آدم میں کوئی تردد نہ رہا اور یہ انہوں نے ذاتی طور پر معائنہ کے ساتھ پہچان لیا کہ علم کی زیادتی کچھ سبقت خلقت پر موقوف نہیں اللہ تعالیٰ اپنے وہب وفضل سے متاخر پر کرم کرے تو وہ متقدم سے علم میں بہت زیادہ وسیع ہو جاتا ہے ملائکہ نے اسکو سمجھ لیا اور اپنی شان عبدیت کے ساتھ گردن نیاز جھکا دی اور اپنے عجز وقصور علم اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم وحکمت اور آدم کو علیہ السلام کو خلافت عطا

فرمائیں حقیقت پر اظہار عقیدت کیا اسی مضمون کی آیت کو پنڈت جی چھوڑ گئے دھوکہ تو یہ
تھا کہ دو آیتیں نقل کیں اور درمیانی آیت قصداً چھوڑ دی مگر حیاداری دیکھئے کہ پروردگار
عالم کی طرف دھوکہ کی نسبت کر دی۔ کیا لکھے پڑھے آریہ ایسے جاہلانہ اعتراض اور جھوٹ افترا
دیکھ کر نہ شرمائیں گے۔ آپکو اس پر بھی اعتراض ہے کہ خدا اپنی بڑائی کرتا ہے یہ اعتراض معترض
کے خداشناسی سے بے بہرہ ہونیکی شہادت دیتا ہے۔ بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ بڑا ہے اور
اپنی بڑائی کا اظہار کرنا اسکی شان ہے اور بندے راہ یاب جبھی ہو سکتے ہیں جب اس کی
بڑائی پر ایمان لائیں۔ پنڈت جی کیا خدا کو جھوٹا سمجھتے ہیں اور انکے اعتقاد میں کیا ایشور کو عجز
وانکسار کرنا شایان ہے کیا مطلب ہے اپنے معبود کی انہوں نے کیا عزت سمجھی کھل کر کہیں تو؟
پنڈت جی لکھتے ہیں کہ یہ ایک نمود کی بات ہے۔ کسقدر جہالت ہے۔ خداوند عالم اپنی
ذات وصفات اور اپنی عظمت وکبریائی سے بندوں کو خبردار کرے تو یہ اسکا کرم اور بندوں
کے خداشناس اور راہیاب ہونیکا ذریعہ پنڈت اس کو نمود کی بات سمجھے تو یہ اسکی نادانی۔
اس سے پوچھئے کہ خدا اپنی صفات نہ بتائے۔ اپنی عظمت وکبریائی کا اظہار نہ کرے تو مخلوق
اسے کیونکر جانے کیسے پہچانے اور اگر اپنی ذات وصفات ہی کا بتانا مقصود نہ ہو تو کتابوں کا
نازل کرنا ہادیوں کا بھیجنا کیا معنی رکھتا ہے اسکو لاف زنی کہنا حماقت ہے یا نہیں۔ کیا پنڈت
جی کے اعتقاد میں وید میں خدا کے اوصاف کا بیان نہیں ہے۔ اگر نہیں ہے تو ایسی ردی
کتاب کس کام کی اور اگر ہے تو کیا یہ نمود یا لاف زنی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وید کے جو علوم
پنڈت کے پیش نظر ہیں وہی اسکو پریشان کر رہے ہیں وہاں انہوں نے دیکھا ہے کہ خدا
کا نام وراٹ یعنی سونٹھ بھی ہے تو جہاں خدا کے ایسے نام سمجھے ہوں وہ دماغ عظمت الٰہی سے
کب واقف ہوگا وہ تو یہیں تک سمجھ سکے گا کہ نام لینے کے قابل ایک چیز وہ بھی ہے بھومی یعنی
زمین بھی اسکا نام ہے متر بمعنی سور یا بمعنی سورج۔ اتما بمعنی روح۔ پرتھوی بمعنی زمین
جل بمعنی پانی۔ آکاش بمعنی آسمان، آن بمعنی غلہ، وسو بمعنی بستی۔ چندر بمعنی چاند اور جنگل

بدھ برہسپت سکر سنیچر بمعنی سہ شنبہ، چہار شنبہ، پنج شنبہ، جمعہ شنبہ۔ بندھو بمعنی بھائی،
پتا بمعنی باپ پتامہ بمعنی دادا۔ پرپتامہ بمعنی پردادا۔ ماتا بمعنی ماں، یہ سب ایشور کے
نام ہیں جو پنڈت جی نے خود اپنی کتاب ستیارتھ کے صفحہ ۱ تک لکھے ہیں تو جہاں خدا کے نام
پاؤں کے نیچے آنیوالی زمین یا برابر کا بھائی یا ہفتہ کے ایام کے ساتھ رکھا گیا ہو وہاں عظمت
سے کیا سروکار اور جن دماغوں نے یہ تعلیم پائی ہو وہ عظمت و جلال الٰہی کو کیا جانیں
مگر جو دین خداشناسی کی تعلیم دیتا ہے وہ خدا کی عظمت و جلال سے بندوں کو خبردار کرتا
ہے ممکن ہے کہ کسی سراپا وحشت جنگلی کو اس سے کچھ توحش ہو مگر یہ اسکا اپنا جہل ہے پھر
خدا کی نسبت "کرامات جتانا" یہ لفظ لکھنا پنڈت کی لیاقت کا ایک نمونہ ہے ایسے اعتراض دیکھنے
کے بعد پھر سمجھدار آریوں کا پنڈت کی عقیدت میں گرویدہ ہونا نہایت تعجب خیز اور بہت
قابل افسوس ہے۔ اگر آریوں میں آجکل کی تعلیم سے کچھ عقل و تدبر پیدا ہوا ہو تو انہیں
پنڈت کے یہ اعتراض دیکھ کر ہی اسکی ہمنوائی سے دست بردار ہو جانا چاہیئے۔

اعتراض:۔ آیہ مبارکہ واذ قلنا للملئکۃ اسجدو۔ الآیہ کا ترجمہ پنڈت دیانند نے اسطرح
لکھا ہے:۔ جب ہم نے فرشتوں سے کہا سجدہ کرو آدم کو پس سب نے سجدہ کیا پر شیطان نے
نہ مانا اور تکبر کیا کیونکہ وہ بھی ایک کافر تھا۔ اسپر پنڈت نے یہ اعتراض لکھا ہے:۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ خدا ہمہ دان نہیں یعنی ماضی حال استقبال کی باتیں پورے
طور پر نہیں جانتا اگر جانتا تو شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا اور خدا میں کچھ جلال ہی نہیں ہے کیونکہ
شیطان نے خدا کا حکم ہی نہ مانا اور خدا اسکا کچھ کر ہی نہ سکا اور دیکھئے ایک کافر نے خدا کے بھی
چھکے چھڑا دیئے پس مسلمانوں کے خیال میں جہاں کروڑوں کافر ہیں وہاں مسلمانوں کے
خدا اور مسلمانوں کی کیا پیش چل سکتی ہے کبھی کبھی خدا بھی کسی کی بیماری بڑھا دیتا اور
کسی کو گمراہ کر دیتا ہے خدا نے یہ باتیں شیطان سے سیکھی ہونگی اور شیطان نے خدا سے
کیونکہ سوائے خدا کے شیطان کا استاد اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

جواب ۱۔ اس گندہ زبانی اور فحش گوئی کی کوئی نہایت ہے بھنگڑ خانہ کے اوباش کو بھی مات کر دیا وہ بھی ایسے بیہودہ کلمات شان الٰہی میں زبان پر لانیکی جرات نہیں کرتے دنیا کی ذلیل سے ذلیل اور جاہل سے جاہل قومیں چمار بھنگی بھی خالق مالک کا ادب کرتے ہیں مگر آریہ دھرم کا پیشوا ادب اور تہذیب سے محروم ہے اور اسکی زبان ایسی شرمناک قابل نفرت فحش گوئی سے آلودہ رہتی ہے جسکو دنیا کا کوئی سلیم الطبع انسان سننا گوارا نہیں کر سکتا۔ یہ اعتراض ہے۔ گالیاں دینے کو اعتراض کہتے ہیں وید کی تربیت کا یہی ثمرہ ہے اور پنڈت جی اسی تہذیب کے علمبردار ہیں یہی تعلیم دنیا میں فساد انگیزی اور فتنہ پیدا کرتی ہے اور اسی سے ملک کی امن و عافیت برباد ہوتی ہے۔ اس افترا کو دیکھئے کہ خداوند عالم کے ہمہ داں ہونیکا انکار قرآن پاک کی اس آیت کی طرف نسبت کر دیا یہ کیسا صریح جھوٹ ہے آیت مبارکہ میں کونسا ایسا لفظ ہے جسکے یہ معنی ہیں کہ خدا ہر چیز کا جاننے والا نہیں باوجودیکہ قرآن پاک میں عالم الغیب والشہادۃ چھپے اور کھلے کا جاننے والا غائب و حاضر کا داناو ھو بکل شیئ علیم وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السموٰت ولا فی الارض نہ آسمانوں زمین میں ذرہ بھر چیز اس پر مخفی نہیں ہے۔ ان تصریحات کے موجود ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ہمہ داں ہونیکا انکار قرآن پاک کی طرف منسوب کرنا کیسا قبیح جھوٹ اور نفرت انگیز بہتان ہے اور یہ قیاس فاسد کہ اگر جانتا تو شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا بالکل باطل اور لغو ہے کیونکہ کسی شخص کے مفاسد کا معلوم ہونا نہ اسکی خلقت کے حکمت پر مشتمل ہونیکا منافی نہ عدم تخلیق کا مستلزم۔ ایسے تو دنیا میں جتنی ضرر کرنیوالی چیزیں ہیں سب کی نسبت یہی کہا جا سکتا ہے اگر پنڈت جی سے کوئی پوچھے کہ یہ تمام مخلوقات کس نے پیدا کی تو اگر وہ خدا کی پیدا کی ہوئی بتائیں تو خالق سے جاہل اور انتہا درجہ کے گمراہ کہ انہیں عالم کے پیدا کرنیوالے کی بھی خبر نہیں اور اگر یہ کہیں کہ ایشور نے پیدا کی تو پھر ان سے پوچھا جائیگا کہ سنکھیے کو اس نے کیوں پیدا کیا۔ کیا اُسکے ضرر کو نہیں جانتا تھا ایسا کہیں تو ایشور کے

حکم کے منکر اور جانتا تھا تو پیدا کیوں کیا۔ یہ انہیں کا سوال ہے جو انہی کی گردن پر سوار ہے
ایسے ہی پوچھا جائیگا کہ سانپ اور بچھو کو کیوں پیدا کیا اور سانپ کو مہلک زہر اور بچھو کو ایسا
دینے والا ڈنک کیوں دیا۔ ان میں سے کسی بات کا جواب پنڈت جی کے پاس کچھ نہیں بلکہ
پنڈت تو خود اس حیرانی میں ہوگا کہ ایشور نے آریوں کے سوا اور دوسری قوموں کو کیوں اس
کثرت سے پیدا کیا۔ کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ جو بچہ مسلمان یا عیسائی یا اور کسی قوم کے گھر میں ہوگا
وہ جیو ہتیا کریگا اور گئو کا ذبح عام ہو جائیگا اور ویدک دھرم نہ پھیل سکے گا خالی آریوں ہی
آریوں کو اولاد دیتا اور کسی کو نہ دیتا تو اتنے ادھرمی کیوں ہوتے کیا پنڈت جی کا ایشور اتنا نہ
جانتا تھا اور انکے طریقہ پر یقیناً نہ جانتا تھا تو پھر وہ ایشور ہی کیا ہوا۔ ہندوستان میں مٹھی بھر تو
آریہ اور تمام دنیا میں بیشمار انسان انکو جاہل اور گمراہ سمجھنے والے اور انکے رد کرنیوالے تو
کیا ایشور کو خبر نہ تھی کہ وہ جنکو پیدا کر رہا ہے وہ اسی کے دھرم کا ناش کرینگے۔ پنڈت جی
یہ اعتراض قرآن پاک کی طرف تو متوجہ بھی نہ ہوا مگر آپکے گلے میں ہار بنکر اس طرح پڑ گیا
ہے کہ اگر آپکے تمام متبعین اور احباب ملکر بھی کوشش کریں تو اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

پھر مسلمانوں عیسائیوں اور تمام ان قوموں کی نسبت پنڈت جی کیا کہیں گے جو آریہ
دھرم کو نہیں مانتے بلکہ اسکا کھنڈن کرتے ہیں اور آریہ دھرم کی تعلیم کو رات دن دھڑا دھڑ
توڑتے رہتے ہیں اور اسکو تہذیب و انسانیت غیرت و حمیت کے خلاف قرار دیتے ہیں،
کیا انکے محاورہ میں اس سے ایشور کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ ٹک ٹک دیکھتا کا دیکھتا رہ
گیا کچھ نہ کر سکا کہ اسکے ملک میں عام طور پر اسکے قانون کی توہین کیجا رہی ہے اور وہ دم
نہیں مار سکتا جس شخص نے ایک شیطان کی نافرمانی کو خالق کا عجز قرار دیا ہو وہ تمام
عالم کی مخالفت اور ایشوری قانون کی توہین کو بجز اسکے کیا کہہ سکتا ہے کہ ایشور ان سے دب
گیا ڈر گیا اور انکے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکا دوسری قوموں نے حکومت کی مسندوں پر بیٹھ
کر ایشور کے بھگتوں کی گردنوں میں اپنی اطاعت کی رسیاں ڈالیں اور اسکے قانون کے

سامنے اسی کر دیں جھکائیں اپنی حکومتوں کا غلام بنایا مگر آریوں کا مجبور بیکس کمزور ناتواں عاجز ایشور انہیں رہانہ کر اسکا یہ پنڈت جی ہی کا اعتراض ہے جو پنڈت صاحب کی طرف عود کر رہا ہے۔ اعتراض کرتے وقت پنڈت صاحب کو یہ خیال نہیں رہتا کہ حملہ جو ہم دشمن پر کر رہے ہیں۔ یہ ہمیں کو گھائل کر دیگا۔ اگر پنڈت جی یہ کہیں کہ دنیا اگر نافرمانی کرے تو وہ مجرم ہوگی مالک انہیں جب چاہیگا سزا دیگا جتنی چاہتا ہے مہلت دیتا ہے اس سے اسکی کمزوری نہیں پائی جاتی تو پھر ان سے کہا جائیگا کہ شیطان کی نافرمانی پر آپنے بھی کیوں نہیں سمجھا کہ وہ مجرم ہے عدالت الٰہی سے سزا پائیگا جبتک مہلت ہے اسوقت تک چھوٹا ہوا ہے جب گرفت کی جائیگی تو نہ کہیں بھاگ سکتا ہے نہ بچ سکتا ہے قادر مطلق کے اختیار میں ہے جب چاہے سزا دے قرآن پاک نے تو مضمون بیان بھی فرما دیا ہے انک لمن المنظرین الی یوم الوقت المعلوم یہ اعتراض ایسا تھا کہ پنڈت جی تو کیا گئے لیکن دیہاتی مدرس کا سمجھدار لڑکا بھی ایسا نکما اور سراپا اعتراض زبان پر لانا گوارا نہ کرتا پنڈت جی نے اپنی نرالی قابلیت سے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ کیونکہ کبھی خدا بھی کسی کی بیماری بڑھا دیتا ہے اور کسی کو گمراہ کر دیتا ہے۔ اس پر پنڈت جی نے ایسے ناقص کلمے لکھے ہیں جو انہیں کی تہذیب کے شایان ہو سکتے ہیں۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ دنیا میں بیماری پیدا بھی ہوتی ہے بڑھتی بھی ہے بڑھتے بڑھتے ناقابل علاج بھی ہو جاتی ہے اس سے ہلاکت واقع ہوتی ہے انکے نزدیک یہ تمام باتیں ایشور تو کر نہیں سکتا ورنہ اسے شیطان بنانا گوارا ہونا پڑے یا اگر شیطان کا وجود وہ نہ مانتے ہوں تو کسی اور مہاشے کی جوتیاں سیدھی کرنی پڑیں اسلئے بیماری وبا مرض کی پیدائش اسکی زیادتی آتشزدگی غرق سیلاب اور تمام آفات ارضی وسماوی جن سے مخلوق کی ہلاکت یا نقصان ہوتا ہے۔ یہ سب پنڈت جی کے عقیدے میں تو ضرور ایشور کے احاطہ قدرت واختیار سے باہر ہیں تو اب پنڈت بتلائیے کہ ایسا کونسا ایشور کا دشمن ہے جو ایشور کی بنائی ہوئی مخلوق کو برباد اور ہلاک

کر ملتا ہے اور ایشور کی اس سے کچھ پیش نہیں جاتی اب اگر پنڈت جی کوئی اور دوسرا
ایشور سے بڑا قادر و متصرف تجویز کریں جب تو آریہ دھرم کا دعویٰ توحید باطل اور مجبور
کو قابل پرستش معبود سمجھنا حماقت اور اگر دوسرا نہ مانیں تو دنیا میں یہ تصرفات کون کرتا
ہے ایشور کرتا ہے تو اس نے کس مدرسہ میں تعلیم پائی ہے اپنے ہی قاعدہ سے سوچیں اور
بتائیں پنڈت اور اسکے ہم خیال دیکھیں کہ پنڈت کے اعتراض خود اسکا کام تمام کر دیا۔
اعتراض :- اور کہا ہم نے اے آدم تو اور تیری جورو بہشت میں رہ کر کھاؤ تم با
فراغت جہاں چاہو پھر مت نزدیک جاؤ اس درخت کے گنہ گار ہو جاؤ گے۔ شیطان
نے انہیں گمراہ کر دیا اور انکو بہشت کے عیش سے کھو دیا۔ تب ہم نے کہا کہ اترو بعضے
تمہارے میں بعض کے دشمن ہیں اور تمہارا ٹھکانا زمین پر ہے اور ایک وقت تک فائدہ
ہے پس سیکھ لیں آدم نے پروردگار اپنے سے کچھ باتیں پس وہ زمین پر آگیا۔
یہ تو پنڈت جی آیتوں کا ترجمہ گھڑا۔ اب اعتراض لکھتے ہیں ۔
محقق (اپنے منہ میاں مٹھو) دیکھئے خدا کی کم علمی۔ ابھی تو بہشت میں رہنے کا اعزاز
بخشا اور ابھی کہا کہ نکلو۔ اگر آیندہ کی باتوں کو جانتا ہوتا تو بہشت میں رہنے کا عطیہ ہی
کیوں دیتا؟ اور معلوم ہوتا ہے کہ بہکانیوالے شیطان کو سزا دینے سے بھی قاصر ہے۔ وہ
کس لئے پیدا کیا تھا کیا اپنے لئے یا دوسرے کے لئے اگر دوسروں کیلئے تو کیوں آدم
کو روکا اسلئے ایسی باتیں نہ خدا کی اور نہ اسکی بنائی ہوئی کتاب کی ہو سکتی ہیں۔
جواب :- قرآن پاک وید کی طرح نہیں جسکا ترجمہ تلاش کرنے سے بھی نہ مل
سکے بلکہ قرآن کریم کے بیشمار ترجمے اور تفسیریں ہر زبان میں ہر مقام پر بکثرت ملتے ہیں
اور جو کتاب دنیا کی ہدایت و رہنمائی اور دین حق کی تبلیغ و دعوت کیلئے ہو اسکی تعلیم
کا ایسا عام ہونا ضروری ہے اور جو کتاب ڈھونڈے نہ ملے اور اسکا ترجمہ بہ دقت و
دشواری ہاتھ نہ آسکے اسکے طلبگار محروم ہی رہا کریں اس کتاب کی نسبت یہ دعویٰ

کرنا کہ وہ تمام عالم کی ہدایت و رہنمائی کیلئے ہے بالکل غلط ہے۔

ایک سوداگر اپنی تجارت کو وسیع کرنے کیلئے مختلف زبانوں میں اشتہار چھاپکر دنیا میں اپنے مال کی شہرت پھیلا دیتا ہے اور بچہ بچہ اس سے با خبر ہو جاتا ہے کبھی چائے اور سگریٹ کے اشتہار دیکھے ہونگے مگر تعجب ہے کہ جس کتاب کی نسبت یہ دعوی کیا جائے کہ وہ خدا شناسی کی راہ بتاتی ہے اور اس پر دنیا کی نجات کا دارومدار ہے ہر انسان پر اسکی طاعت لازم ہے اور وہ ایشور کی کتاب ہے وہ اسقدر نایاب ہو کہ ڈھونڈے نہ ملے اسکا ترجمہ ہاتھ نہ آئے باوجودیکہ یہ بھی دعوے ہو کہ وہ کتاب ابتدائے دنیا سے ہے اور دو ارب سال کے قریب اسکو ہو گئے۔ اتنے طول طویل زمانہ میں بھی اس کتاب کا کچھ فروغ اور اشاعت نہ ہوئی ہو۔ نہ ایشور اسکو عام کر سکا نہ اسکے معتقد اس کتاب کو پھیلا سکے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ یقیناً خدا کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کا ابدی قانون نہیں ہو سکتا ورنہ ضرور وہ ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں پہنچ کر رہتا۔ نیز جو کتاب انسانوں کی ضرورتوں پر مشتمل اور انکے لئے مفید ہو اگر اسکا مصنف اسکی اشاعت میں سعی و کوشش نہ کرے تب بھی وہ عام ہو جاتی ہے اور دنیا قدر دانی کے ساتھ اسکو حاصل کرنے محفوظ رکھنے اور اپنے رفیقوں کو پہنچانے پر لوٹ پڑتی ہے تحریر اقلیدس کو اسکا مصنف نہیں لئے پھرا نہ اس نے اپنی کتاب کی اشاعت کیلئے کوئی محنت اٹھائی مگر کتاب کے فوائد اور اسکے علمی کمال نے قدر دانوں کے دلوں کو اسکا ایسا گرویدہ کر دیا کہ وہ کتاب دنیا میں پھیل گئی گلستان بوستان وغیرہ بچوں کے پڑھنے کی کتابیں چونکہ درستی اخلاق میں کارآمد ہیں اسلئے زمانہ میں انکی اشاعت اس قدر عام ہوئی کہ ہر جگہ وہ کتابیں اور انکے ترجمے اور انکی کتابوں کے پڑھنے پڑھانیوالے باسانی مل جاتے ہیں۔

وید۔ خدا کی کتاب نہ بھی ہوتی مگر اس میں انسانوں کے حق میں کوئی مفید تعلیم یا کچھ کارآمد باتیں بھی ہوتیں تو وہ یقیناً قدر کے ہاتھوں میں لی جاتی اور آج دنیا میں ہر جگہ وہ کتاب

اور اسکے ترجمے اور اسکے جاننے والے بآسانی ملتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی کتاب ہونا درکنار وید کوئی مفید اور علمی کتاب بھی نہیں ہے۔

اور آج تو آریے آپے باہر ہیں اشدھی کے علم لئے پھرتے ہیں دنیا کی قوموں کو اپنے مذہب کی دعوت دیتے ہیں۔ اس حالت میں تو ضرور تھا کہ وہ اپنی کتاب کے ترجمے چھاپ چھاپکر عیسائیوں کی انجیلوں کی طرح تقسیم کرتے تاکہ آئندہ کے لئے تو یہ داغ کچھ ہلکا ہو تاکہ دنیا نے اس کتاب کو محض بیکار سمجھا اور اسکی طرف التفات نہ کیا اور لاکھوں برس میں بھی یہ کتاب دنیا میں تو کیا خاص ہندوستان اور اسکے کسی ایک حصہ میں بھی نہ پھیل سکی۔ ہندوؤں میں رامائن کا تو رواج ہو جائے پوران تک تو ذوق شوق سے دیکھے اور پڑھے جائیں لیکن وید کو کوئی نہ پوچھے اس الزام کو دور کرنے کیلئے نہایت ضروری تھا کہ آریہ وید اور اسکے ترجمے بکثرت شائع کراتے اور ہر ہر گھر اور ہر ہر ہاتھ میں اسکی کاپیاں پہنچا دیتے اور ضرور آریہ ایسا کرتے جب وہ اشدھی کیلئے روپے کو پانی کی طرح بہا رہے ہیں تو وید کی اشاعت روپیہ خرچ کرنے میں انہیں کیا دریغ ہوتا اگر وہ جانتے کہ اس میں شرمناک اور قابل نفرت باتیں نہیں ہیں عمدہ اور نفیس مال جسکا رائج کرنا منظور ہو ضرور منظر عام پر لایا جاتا ہے بازاروں اور نمائشوں میں ایسے طریقے سے رکھا جاتا ہے کہ ہر شخص کی اسپر نظر پڑے لیکن کھوٹا مال اور قابل نفرت چیزیں اہل نظر کے سامنے پیش کرنیکی کسی کو جرات نہیں ہوتی۔ اس سے ظاہر ہے کہ وید کس حال میں ہے۔

قرآن حکیم بفضل اللہ الکریم ہر کتب خانہ میں موجود ہر بازار میں موجود ہر مسلمان کے گھر میں موجود ہر مومن کی زبان پر جلوہ افروز اسکے ترجمے تفسیریں ہر ملک میں ہزاروں ہیں۔ ہر براعظم میں ہر شہر و ہر قصبہ میں اور گاؤں تک میں بکثرت موجود مگر پنڈت صاحب کی قابلیت افسوس کہ ایسی کتاب پر اعتراض کرنے بیٹھے تو کوئی تفسیر پہلے دیکھ یا پڑھ کر اسکا صحیح مطلب سمجھنے کی کوشش نہ کی قرآن پاک کے ترجمہ و تفسیر کا میسر آنا تو کچھ دشوار نہ تھا۔ خود نہ پڑھ سکتے

تو کسی سے پڑھوا کر سن لیجئے۔ یہ کیا اعتراض ہے کہ کلام کا مطلب سمجھنا درکنار اسکا صحیح ترجمہ بھی معلوم نہیں مگر اعتراض ہو رہا ہے اور اس پر آپ اپنے آپکو اپنے منہ محقق بھی کہتے ہیں۔ آپکی تحقیق کا تو یہ عالم ہے کہ جس کلام پر بڑے افتخار کے ساتھ اعتراض کرتے ہیں اسکے مفہوم و مراد تک تو کیا رسائی ہوتی لفظی ترجمہ تک سے نا آشنا اور محض بے خبر توجیہات آپ بغیر تحقیق کے فرماتے ہونگے اسکا کیا حال ہوگا۔ یہ ہیں آریہ مذہب کے پیشوا اور اس تحقیق پر آریوں کو ناز ہے۔

آریو میں خیر خواہی اور ہمدردی سے کہتا ہوں تعصب کی غلط کاریوں اور دروغ بیانیوں کی بلا سے بچو اور ایسے محقق سے دور بھاگو جس کے اعتراض صداقت و راست بازی کا خون کرتے ہیں۔ سچائی قبول کرو اور سچ کے شیدائی بنو۔ اسلام کے سایۂ رحمت میں آؤ اور خداشناسی و خدارسی کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے۔

پنڈت دیانند صاحب نے آیۂ کریمہ وقلنا یادم اسکن الایہ کا جو ترجمہ کیا ہے جس کو ہم اوپر مع انکے اعتراض کے نقل کر چکے ہیں اسمیں زوج کا ترجمہ لفظ جورو سے کرنا مترجم کے سلیقہ کو اور تمیز کو ظاہر کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ وہ کس طبقہ کا انسان ہے۔ ازل کا ترجمہ گمراہ کیا ہے جو اضل کا ترجمہ ہوتا مگر اتنا علم کہاں سے آتا کسی اسلامی مدرسہ کا مبتدی طالبعلم بھی بتا سکتا ہے کہ گمراہ کیا اضل کا ترجمہ ہے نہ ازل کا مگر پنڈت جی باین دعوی محققیت کچھ شعور نہیں اسی آیت کے ترجمہ میں آپ لکھتے ہیں پس وہ زمین پر آگیا آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جسکا یہ ترجمہ ہو۔ یہ جناب نے اپنی طرف سے بڑھا دیا اور فتاب علیہ کا ترجمہ بالکل تدارد کر دیا۔ یہ مہربانیاں ہیں۔ مضمون کی قطع برید اور اسکو کچھ سے کچھ کر دینا یہ آپکا ترجمہ ہے اس ترجمہ پر جو اعتراض ہوگا عاقل کی نظر میں اسکی کیا حقیقت اور کیا وقعت۔ یہ اعتراض تو آپکی اپنی عبارت پر ہوا جو کتاب مقدس کے مضمون میں قطع برید کرکے بنائی ہے کتاب پاک سے اس اعتراض کو کیا علاقہ۔

اب یہ بھی غور کیجیئے کہ پنڈت صاحب نے ایسا کیوں کیا اسکے دو ہی باعث ہو سکتے ہیں یا تو جہالت و نادانی یا تعصب و باطل کوشی۔ اگر جہالت سے یہ بات ہوئی تو جاہل کی نافہمی اور اسکا جاہلانہ اعتراض اہل خرد کے سامنے خود اسکو رسوا کرتا ہے اور اس کی زبان طعن اسکی سفاہت کا پتہ دیتی ہے ایسے جاہلانہ اعتراضوں سے کسی کتاب کی عزت کم نہیں ہو سکتی کیونکہ جو بے علم کودن ایک کتاب کا مضمون سمجھنے کی لیاقت بھی نہیں رکھتا وہ اعتراض کریگا تو اپنی ہی فہم ناقص اور تخیل باطل ظاہر کریگا۔ کتاب تک تو اس دکھیا رکی رسائی ہی نہیں۔ اب اس اعتراض کو جو قوم سرمایۂ ناز بنائے اسکی نادانی و جہالت کس قدر قابل افسوس ہے کہ وہ ایک فہم سے معرا علم ولیاقت سے ناآشنا شخص کے پیچھے آنکھیں بند کر کے ہو لئے اور وہ اپنی بیخبری سے جو کہتا رہا یہ سب اسکی ہاں میں ہاں ملاتے رہے اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ سارا گروہ ہی علم و عقل سے کورا ہے۔

اور اگر یہ کہئے کہ پنڈت صاحب تھے تو بڑے عربی دان اور فاضل مطلب سمجھنے کی لیاقت تو رکھتے تھے مگر اعتراض قائم کرنے کیلئے اصل کتاب کے مضمون میں انہیں گھٹانا بڑھانا پڑا تو یہ بات اور بھی انکو ساقط الاعتبار کرتی ہے اور اعتراض و معترض دونوں کی وقعت کھوتی ہے اور یہ بھی بتاتی ہے کہ ایسا خائن بد دیانت شخص جو کسی کتاب کی عبارت کا ترجمہ کرنے بیٹھے تو صرف اسلئے کہ اسکو اعتراض کا موقع ملے اس کتاب کی مضمون میں قطع برید کر جائے اسکے جملوں کا ترجمہ چھوڑ دے اور جو اس میں نہ ہو اپنی طرف سے ملا دے نہایت سیاہ باطن اور گمراہ کن شخص ہے اس سے دور رہنا اور اسکی بات سننے سے احتراز کرنا عاقل کیلئے ضروری ہے جو قوم ایسے شخص کو مذہبی پیشوا بنائے وہ ضرور ضرور گمراہ ہے اور کبھی اسکو راہ راست نصیب نہ ہو سکے گی۔ مذہب کی پیشوائی کا مدعی اور صداقت کا دشمن اسکے ہاتھ دیانتداری اور امانت کے خوگر نہیں تو وہ دوسروں کو کیا تعلیم دیگا ظاہر ہے کہ جو اسکا اتباع کریگا اسکا یہی ہنر سیکھیگا اس قوم کی حالت زار پر رحم جو نادانی سے ایسے

شخص کو پیشوا بنا بیٹھے اور اپنی زندگی اسپر قربان کر ڈالے اب ذرا یہ ملاحظہ کیجئے کہ پنڈت نے یہ تمام مصیبت اٹھا کر اور عبارت کو کچھ کا کچھ کر کے جو اعتراض گھڑے وہ اعتراض کتنی حقیقت رکھتے ہیں۔ آپ نے آیت کے ترجمہ میں اسقدر ناجائز تصرفات اور دیانت و شرافت کا خون کر کے تین اعتراض کئے ہیں آپ دیکھئے کہ خود پنڈت کے بنائے ہوئے ترجمہ پر بھی وہ اعتراض چسپاں ہوتے ہیں یا نہیں اگر باوجود اس مصیبت و رسوائی کے جو نادان معترض نے شوق اعتراض میں گوارا کی ہے پھر بھی اعتراض بے محل ہوا تو یہ معترض کی نفسانیت کا ایک اور ثبوت اور اسکی کور باطنی کی تازہ دلیل ہوگا۔ اب میں پنڈت جی کے وہ تینوں اعتراض نمبروار لکھتا ہوں ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) دیکھئے خدا کی کم علمی ابھی تو بہشت میں رہنے کا اعزاز بخشا اور ابھی کہا کہ نکلو اگر آئندہ کی باتوں کو جانتا تو بہشت میں رہنے کا عطیہ ہی کیوں دیتا۔

(۲) معلوم ہوتا ہے بہکانیوالے شیطان کو سزا دینے سے قاصر بھی ہے۔

(۳) وہ درخت کس کیلئے پیدا کیا تھا کیا اپنے لئے یا دوسرے کے لئے اگر دوسروں کیلئے تو کیوں آدم کو روکا۔

اب آپ بالکل ناطرفداری اور انصاف کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے کہ پنڈت صاحب یہ اعتراض قرآن حکیم سے تو کیا علاقہ رکھتے خود پنڈت جی کے گھٹا بڑھا کر بنائے ہوئے ترجمہ پر بھی چسپاں ہوتے ہیں اگر اسپر بھی چسپاں نہ ہوں تو اس اعتراض کرنے پر کمر بستہ ہے پہلے اعتراض میں ایک تو یہ افتراء و بہتان کہ ابھی تو بہشت میں رہنے کا اعزاز بخشا اور ابھی کہا کہ نکلو یعنی اعزاز بخشتے ہی فوراً نکلوا دیا اور جنت میں آدم علیہ السلام کو ٹھہرنے کا ذرا بھی موقع نہ دیا۔ یہ مضمون نہ قرآن کریم میں ہے نہ پنڈت کے اپنے گھڑے ہوئے ترجمہ میں کسقدر شرمناک بات ہے کہ کسی کتاب پر اعتراض کرنے کیلئے اپنا منہ کالا کر کے اس کے ترجمہ میں قطع برید بھی کیجائے اور پھر بھی اعتراض اس پر وارد نہ ہو سکے تو اس کتاب

پر ایک بہتان اٹھایا جائے اور جس مضمون کی اس کتاب میں اور اپنے گھڑے ہوئے ترجمہ تک میں ہوا نہ ہو اس مضمون کو کتاب کا مضمون قرار دیکر منہ چڑایا اور اعتراض کیا جائے رسوائی پر رسوائی اور پھر ذلت پر ذلت اور مزید ذلت یہ کہ اتنے طوفان اٹھا کر بھی اعتراض چسپاں نہیں ابھی اعتزاز بخشا اور ابھی چھین لینا کیا قادر و حکیم کی قدرت و حکمت کے خلاف اور اسکے عدم علم کی دلیل ہے۔ یہ پنڈت کو کس نے بتایا کیا اس نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا کہ ابھی بچہ پیدا ہوا اور آنکھ کھولتے ہی مر گیا۔ قادر مطلق نے ابھی اسکو زندگی کا اعزاز بخشا اور ابھی حکم دیا کہ دنیا سے نکلو اور نکال دیا۔ تو کیا یہ پنڈت کے اعتقاد میں ایشور کی کم علمی ہے کہ جسے فوراً موت دینی تھی اسکو زندہ ہی کیوں کیا یا پیدا کرنا اور مارنا ایشور کے سوا کسی اور کا فعل ہے لاکھوں جاندار پیدا ہوتے ہیں مر جاتے ہیں کروڑوں درخت زمین سے برآمد ہوتے ہی نیست و نابود ہوتے رہتے ہیں تو کیا یہ پنڈت کے نزدیک ایشور کی بے علمی کے دلائل ہیں اور پنڈت کو یہ کہنا گوارا ہو گا کہ اگر ایشور کو معلوم ہوتا کہ انہیں پیدا کرتے ہی فنا کرنا ہو گا تو انہیں پیدا ہی نہیں کرتا۔ بندہ کو افعال الٰہیہ کی حکمت کا معلوم ہونا ان افعال کے عبث ہونے کی دلیل نہیں اور جو ایسا سمجھے وہ نہایت گستاخ جہل مرکب میں گرفتار ہے بندوں کو کسی منصب پر پہنچانا عزت دینا سلطنت دینا یہ سب کام خدا ہی کے ہیں اسی کی قدرت سے ہوتے ہیں پھر بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کامیابی کے ساتھ ہی ناکامی بھی ہو جاتی ہے کسی منصب پر پہنچتے ہی اس سے محروم ہو جاتے ہیں سلطنت پاتے ہی اتار ڈالے جاتے ہیں۔ اگر ان سب کو دلائل بے علمی بتائیے تو پنڈت کو اسکے مزعوم ایشور کی بے علمی پر بے انتہا دلائل ملیں گے۔ اپنی بے علمی کو قادر علیم کی طرف منسوب کرنا آدمی کیلئے انتہائی کمینہ پن ہے حقیقت اعتراض تو ظاہر ہو گئی اور ثابت ہو گیا کہ یہ جاہلانہ اعتراض معترض کی نافہمی کی دلیل ہے علاوہ بریں قرآن پاک پر اعتراض وارد ہو نہیں ہوتا کیونکہ اس میں کہیں یہ ہے نہیں کہ حضرت آدم کو جنت میں داخل

شخص کو پیشوا بنا بیٹھے اور اپنی زندگی اسپر قربان کر ڈالے اب ذرا یہ ملاحظہ کیجئے کہ پنڈت نے یہ تمام مصیبت اٹھا کر اور عبارت کو کچھ کا کچھ کر کے جو اعتراض گھڑے وہ اعتراض کتنی حقیقت رکھتے ہیں۔ آپ نے آیت کے ترجمہ میں اسقدر ناجائز تصرفات اور دیانت و شرافت کا خون کر کے تین اعتراض کئے ہیں آپ دیکھئے کہ خود پنڈت کے بنائے ہوئے ترجمہ پر بھی وہ اعتراض چسپاں ہوتے ہیں یا نہیں اگر باوجود اس مصیبت و رسوائی کے جو نادان معترض نے شوق اعتراض میں گوارا کی ہے پھر بھی اعتراض بے محل ہوا تو یہ معترض کی نفسانیت کا ایک اور ثبوت اور اسکی کور باطنی کی تازہ دلیل ہوگا۔ اب میں پنڈت جی کے وہ تینوں اعتراض نمبروار لکھتا ہوں ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) دیکھئے خدا کی کم علمی ابھی تو بہشت میں رہنے کا اعزاز بخشا اور ابھی کہا کہ نکلو اگر آئندہ کی باتوں کو جانتا تو بہشت میں رہنے کا عطیہ ہی کیوں دیتا۔

(۲) معلوم ہوتا ہے بہکانیوالے شیطان کو سزا دینے سے قاصر بھی ہے۔

(۳) وہ درخت کس کیلئے پیدا کیا تھا کیا اپنے لئے یا دوسرے کے لئے اگر دوسروں کیلئے تو کیوں آدم کو روکا۔

اب آپ بالکل ناطرفداری اور انصاف کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے کہ پنڈت صاحب یہ اعتراض قرآن حکیم سے تو کیا علاقہ رکھتے خود پنڈت جی کے گھٹا بڑھا کر بنائے ہوئے ترجمہ پر بھی چسپاں ہوتے ہیں اگر اسپر بھی چسپاں نہ ہوں تو اس اعتراض کرنے پر کمدر تف ہے پہلے اعتراض میں ایک تو یہ افتراء و بہتان کہ ابھی تو بہشت میں رہنے کا اعزاز بخشا اور ابھی کہا کہ نکلو یعنی اعزاز بخشتے ہی فوراً نکلوا دیا اور جنت میں آدم علیہ السلام کو ٹھہرنے کا ذرا بھی موقع نہ دیا۔ یہ مضمون نہ قرآن کریم میں ہے نہ پنڈت کے اپنے گھڑے ہوئے ترجمہ میں کسقدر شرمناک بات ہے کہ کسی کتاب پر اعتراض کرنے کیلئے اپنا منہ کالا کر کے اس کے ترجمہ میں قطع برید بھی کیجائے اور پھر بھی اعتراض اس پر وارد نہ ہو سکے تو اس کتاب

پر ایک بہتان اٹھایا جائے اور جس مضمون کی اس کتاب میں اور اپنے گھڑے ہوئے
ترجمہ تک میں ہوا نہ ہو اس مضمون کو کتاب کا مضمون قرار دیکر منہ چڑایا اور اعتراض
کیا جائے رسوائی پر رسوائی اور پھر ذلت پر ذلت اور مزید ذلت یہ کہ اتنے طوفان اٹھا کر
بھی اعتراض چسپاں نہیں ابھی اعزاز بخشا اور ابھی چھین لینا کیا قادر و حکیم کی قدرت
و حکمت کے خلاف اور اسکے عدم علم کی دلیل ہے۔ یہ پنڈت کو کس نے بتایا کیا اس نے
اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا کہ ابھی بچہ پیدا ہوا اور آنکھ کھولتے ہی مر گیا۔ قادر مطلق نے ابھی
اسکو زندگی کا اعزاز بخشا اور ابھی حکم دیا کہ دنیا سے نکلو اور نکال دیا۔ تو کیا یہ پنڈت کے اعتقاد
میں ایشور کی کم علمی ہے کہ جسے فوراً موت دینی تھی اسکو زندہ ہی کیوں کیا یا پیدا کرنا اور
مارنا ایشور کے سوا کسی اور کا فعل ہے لاکھوں جاندار پیدا ہوتے ہیں مر جاتے ہیں کروڑوں
درخت زمین سے برآمد ہوتے ہی نیست و نابود ہوتے رہتے ہیں تو کیا یہ پنڈت کے نزدیک
ایشور کی بے علمی کے دلائل ہیں اور پنڈت کو یہ کہنا گوارا ہو گا کہ اگر ایشور کو معلوم ہوتا کہ انہیں
پیدا کرتے ہی فنا کرنا ہو گا تو انہیں پیدا ہی نہیں کرتا۔ بندہ کو افعال الٰہیہ کی حکمت کا معلوم
ہونا ان افعال کے عبث ہونیکی دلیل نہیں اور جو ایسا سمجھے وہ نہایت گستاخ جہل مرکب
میں گرفتار ہے بندوں کو کسی منصب پر پہنچانا عزت دینا سلطنت دینا یہ سب کام خدا
ہی کے ہیں اسی کی قدرت سے ہوتے ہیں پھر بہت مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کامیابی
کے ساتھ ہی ناکامی بھی ہو جاتی ہے کسی منصب پر پہنچتے ہی اس سے محروم ہو جاتے ہیں
سلطنت پاتے ہی اتار ڈالے جاتے ہیں۔ اگر ان سب کو دلائل بے علمی بتائیے تو پنڈت
کو اسکے مزعوم ایشور کی بے علمی پر بے انتہا دلائل ملیں گے۔ اپنی بے علمی کو قادر علیم
کی طرف منسوب کرنا آدمی کیلئے انتہائی کمینہ پن ہے حقیقت اعتراض تو ظاہر ہو گئی اور
ثابت ہو گیا کہ یہ جاہلانہ اعتراض معترض کی نافہمی کی دلیل ہے علاوہ بریں قرآن پاک
پر اعتراض وارد ہو نہیں ہوتا کیونکہ اس میں کہیں یہ ہے نہیں کہ حضرت آدم کو جنت میں داخل

گرتے ہی وہاں سے علیحدہ کیا گیا البتہ یہ اعتراض پنڈت پر وارد ہوتا ہے اور غیر متناہی مرتبہ وارد ہوتا ہے پنڈت کا دوسرا اعتراض یہ ہے "کہ معلوم ہوتا ہے کہ (خدا) بہکانیوالے شیطان کو سزا دینے سے بھی قاصر ہے" پوچھئے پنڈت سے کہ قرآن پاک کے کس لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کس عبارت کا یہ ترجمہ یا مطلب ہے۔ سارے اعتراض افترا ہی کی بنیاد پر ہیں جو قرآن پاک میں نہیں ہے اسکو قرآن پاک کی طرف نسبت کرکے اعتراض کرنا بس معترض کی اتنی ہی قابلیت ہے یا اس نے یہ سمجھا کہ ابھی تک شیطان کو کوئی ایسی سزا نہیں دی گئی جو پنڈت کی سمجھ میں آسکتی تو کس مجرم کو فی الفور سزا دینا حاکم پر لازم نہیں۔ وہ تو بہ تقاضائے حکمت مقدمہ کی سماعت اور فیصلہ کیلئے کوئی وقت معین کرتا ہے اور جرم کے صدور سے ایک عرصہ کے بعد سزا دیتا ہے۔ اسکے یہ معنی کوئی نادان سے نادان بھی نہیں سمجھے گا کہ حاکم سزا دینے سے مجبور ہے اور اسکو سزا پر قدرت نہیں کیا پنڈت جی کے نزدیک مسلمان، عیسائی، بت پرست ہندو اور آریوں کے سوا باقی تمام قومیں جو آریہ دھرم کا ناش کرتی ہیں۔ ایشور کی مجرم اور خطاوار نہیں۔ اگر یہ کہیئے تو ثابت ہوتا ہے کہ آریہ دھرم باطل ہے کہ اسکا انکار کرنیوالا اسکو باطل سمجھنے والا اسکے خلاف عمل کرنیوالا خطاوار بھی نہیں ہوتا۔ اگر کہے کہ مجرم ہے تو ان مجرموں کو ایشور نے چھوڑ رکھا ہے اور چھوڑ بھی ایسا رکھا ہے کہ آریہ انکے غلام ہیں اور وہ انکے حکمران۔ یہ رعیت ہیں اور وہ انکے بادشاہ تو پنڈت صاحب کیا فرمائینگے اس سے ایشور کا قاصر و عاجز ہونا ثابت ہوا یا پنڈت صاحب کا علم و عقل سے بے تعلق ہونا دنیا میں کتنے بد افعال کرنیوالے ہیں جو طویل زندگانی جیتے اور دنیا کی طرح طرح کی نعمتیں پاتے ہیں اور زندگی بھر انہیں کوئی سزا نہیں ملتی تو کیا پنڈت جی کے نزدیک انکا ایشور انہیں عمل کا بدلہ اور سزا دینے سے قاصر و عاجز ہے۔ کس منہ سے پنڈت جی نے قرآن پاک پر اعتراض کیا تھا جس کی صحت کی کوئی توجیہہ کسی طرح ممکن نہیں۔

تیسرا اعتراض پنڈت جی کا یہ ہے کہ "وہ درخت کس کے لئے پیدا کیا تھا اپنے لئے یا دوسرے کیلئے اگر دوسرے کیلئے تو کیوں آدم کو روکا" ایسے مہمل ولا یعنی اعتراض اس قابل تو نہیں کہ انکی طرف التفات کیا جائے مگر چونکہ آریوں کو اسپر بہت فخر ہے اور اگر کوئی اعتراض چھوڑ دیا جائے تو اپنی جماعت میں وہ یہ کہہ کر راجھ بننے کی کوشش کریںگے کہ فلاں اعتراض کا جواب نہ ہوا اسلئے انکی عقلمندی کا اظہار کر دیا جاتا ہے یہ بات تو بندہ کی شان سے بہت بعید ہے اور کسی خدا شناس کی زبان سے نکل بھی نہیں سکتی کہ وہ درخت خدا نے اپنے لئے پیدا کیا تھا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت جی خدا اور اسکی صفات کمال کو جانتے ہی نہ تھے ورنہ ایسا لفظ زبان پر لانیکی جرات نہ کرتے۔ دوسری بات یہ کہ جو چیز اپنے لئے نہ ہو اس سے کسی کو کسی وقت میں منع کرنا درست نہیں یہ بات اہل عقل کے نزدیک تو باطل ہے پنڈت صاحب ہی ایسا کہہ سکتے ہیں۔ کیا پنڈت جی کے دھرم میں کوئی چیز ممنوع نہیں ہے اگر ہے تو وہ ایشور نے اپنے لئے پیدا کی ہے یا اوروں کیلئے کی ہے تو منع کیوں کرتا ہے اپنا ہی اعتراض وہ دیکھ لیں کہ انکے مذہب کے ہر ہر ممنوع پر وارد ہوتا ہے پنڈت جی کارخانہ عالم کے اس اصول سے بالکل بیخبر ہیں کہ بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو ایک مخلوق کیلئے قابل استعمال ہوتی ہیں دوسری کیلئے نہیں تو اسکی نسبت یہ سوال محض بے معنی ہے کہ جب یہ خدا کیلئے نہیں ہے تو اوروں کو اس سے کیوں روکا جاتا ہے یعنی ہر شخص اسے استعمال کرے۔ خدا تو اس سے پاک ہے کہ کسی چیز کی اسکو حاجت ہو تو اب جتنی چیزیں دنیا میں ہیں اسکے استعمال کرنے والی مخلوق ہی ہے تو پنڈت جی کے قاعدہ سے چاہئے کہ یہاں کی کسی چیز سے بھی کسی کو منع نہ کیا جاتا مگر پنڈت صاحب کا عمل خود بھی اسکے خلاف ہے۔ ایک دانہ زمین سے جمتا ہے اس سے دانہ اور بھوسہ دونوں پیدا ہوتے ہیں دانہ تو پنڈت جی خود کھا لیتے ہیں بھوسہ کو اپنے لئے کیوں ناجائز سمجھتے ہیں اسوقت انہیں اپنا یہ اعتراض یاد نہیں آتا بھوسہ

لگ گئے بیل کو دیدیتے ہیں اور دانہ سے اسکو ماتا کہکر ہی رد کرتے ہیں اور اپنا یہ اعتراض بھول جاتے ہیں۔ لاکھوں مثالیں ہیں جہاں ایک چیز کو مخلوق استعمال کرتی ہے۔ دوسری نہیں کرتی اور اسکے لئے استعمال مناسب ہوتا ہے دوسرے کیلئے نامناسب اور تقاضائے حکمت یہی ہے کہ نامناسب بات سے منع کر دیا جائے بلکہ ایک ہی چیز ایک ہی شخص کیلئے کسی وقت مناسب ہوتی ہے اور کسی وقت نامناسب۔ جبوقت مناسب ہوتی ہے اجازت دیجاتی ہے جب نامناسب ہوتی ہے ممانعت کر دی جاتی ہے۔

پنڈت جی کے عاقلانہ اعتراض کا کوئی عقل وشعور والا انسان لحاظ نہیں کرتا عورت کے سینہ میں دودھ اسکی اولاد ہی کے لئے ہوتا ہے مگر ایک وقت معین تک اس اولاد کو یہ دودھ پینے کی اجازت ہے اور اسکے بعد پھر ممانعت کر دیجاتی ہے مگر پنڈت جی نے اپنے اس نرالے اصول پر عمل کیا تو وہ جوان اولاد کو بھی اسکی اجازت دے سکیں گے عورت شوہر کیلئے ہوتی ہے لیکن کتنے اوقات میں جب شوہر کو اسکی مقاربت سے ممانعت کر دیجاتی ہے سو پنڈت جی کے اصول کے یہ بات خلاف ہے اسکے نزدیک تو کوئی بھی حالت ہو روک ٹوک جائز نہیں مگر دنیا کا کوئی خرد ور انسان انکے اس اصول کو گوارا نہیں کر سکتا لطف یہ ہے کہ آپکو خود اپنی تحریر یاد نہیں رہی جہاں اپنے شوہر کو اپنی زوجہ کیساتھ مشغول ہونے سے ممانعت کی ہے۔ ملاحظہ ہو صلا استیار تھو پرکاش اس میں آریوں کو حکم دیتے ہیں "برہمچاری رہے یعنی اگرچہ اپنی عورت ساتھ ہو تاہم اسکے ساتھ نفسانی حرکت کچھ نہ کرے" اب پنڈت صاحب اپنے اعتراض کی لغویت پر غور کریں چاہے اپنے اس حکم کی نسبت رائے دیں۔ قرآن پاک پر اعتراض کرنیوالے کو اسی قسم کی رسوائیوں کا سامنا ہوتا ہے اور اس کام کیلئے آمادہ ہونیکے ساتھ ہی علم وعقل اس سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

اعتراض:- آدم صاحب خدا سے کتنی باتیں سیکھ آئے تھے؟ اور جب زمین پر آدم صاحب آئے تب کس طرح آئے؟ کیا وہ بہشت پہاڑ پر ہے یا آسمان پر؟ اس سے

کیونکر اترآئے۔ کیا پرند کی مانند اڑکر یا پتھر کی طرح گر کر؟ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۴۵
جواب ۱:۔ آریہ ان اعتراضوں کو غور سے پڑھیں اور انصاف سے سوچیں کہ ان سے معترض کی کس لیاقت و قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے اور کیا آج دنیا میں علم و عقل کے مدعی اس حیثیت کے شخص کا اتباع کرتے اور اسکو مذہبی پیشوا بنانے میں توہین تصور نہ کریں گے یہ اعتراض کہ آدم صاحب خدا سے کتنی باتیں سیکھ آئے تھے کیا اثر رکھتا ہے اور اس سے اسلام و شریعت پر کیا حرف آتا ہے کون سے مسئلہ کی مخالفت ہوتی ہے اعتراضات کے سلسلہ میں اس بات کا ذکر کیا نتیجہ رکھتا ہے آریہ کسی طرح پنڈت کی بات بنا سکتے ہیں تو بتائیں اور بتائیں کہ اس اعتراض سے اسلام کی فلاں تعلیم قابل اعتراض ٹھہرتی ہے جس شخص کو اتنا ادراک نہ ہو کہ اس بات میں اعتراض کا شائبہ بھی اسکے اعتراض اگر آریوں کیلئے فخر ہو تو انکے حال پر افسوس۔ پھر یہ سوال اس قدر بے محل کہ صفحہ ۲۴۴ میں خود پنڈت نے یہ آیت نقل کی ہے وعلم آدم الاسماء کلہا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اسماء تعلیم فرمائے۔ اسکے بعد یہ دریافت کرنا کہ آدم صاحب خدا سے کتنی باتیں سیکھ آئے تھے کیسا عاقلانہ سوال ہے معلوم نہیں یہ سوال پنڈت نے کس خمار میں لکھا اسکو صرف دو صفحے پہلے اپنی نقل کی ہوئی آیت اور اسکا مضمون یاد نہ رہا اس علم و ہنر پر شوق اعتراض لاحول ولا قوۃ الا باللہ اسکے بعد آپ فرماتے ہیں اور جب زمین پر آدم صاحب آئے تب کس طرح سے آئے۔ پنڈت بیچارے کی حیرت قابل رحم ہے جس طرح دیہات کے لوگ پہلے ریل کا حال سنکر حیرت زدہ ہو جاتے تھے کہ یہ گاڑی کیسے چلتی ہے۔ نہ اس میں گھوڑا لگتا ہے نہ بیل۔ انکے خیال میں کسی گاڑی کا چلنا گھوڑے بیل وغیرہ جانوروں کے کھینچنے میں منحصر تھا اور گاؤں کے محدود زندگی کی وجہ سے خیالی وسعت سے وہ محروم تھے لاجرم انہیں ریل اور اسکی تیز رفتاری اور بغیر کسی جانور کے کھینچے اسکے چلنے اور رات دن اندھیرے اجالے میں دوڑے پھرنے کا انکار کرنا پڑتا تھا۔ اور وہ ایسی خبریں

بتانیوالوں کا مضحکہ اڑاتے اور تمسخر کرتے تھے۔

مگر یہ مضحکہ اور تمسخر درحقیقت انکی جہالت و بے عقلی اور تنگ نگاہی کا نتیجہ تھا عقل
کے نزدیک انکا عذر خواہ صرف انکا گنوار پن ہو سکتا تھا۔

پنڈت جی بیچارے بھی زیادہ تر جنگلوں اور تنہائیوں میں رہے سنیاسی زندگی
انہیں علم و ہنر کے مناظر دیکھنے کا موقع نہ دیا اسلئے یہ سنکر وہ مبہوت ہو گئے کہ حضرت آدم
علیہ السلام بہشت بریں سے زمین پر تشریف لائے انہیں حیرت ہے کہ ایک جسیم انسان
بغیر زینہ اور سیڑھی کے کیسے اترا پر تو تھے نہیں جو پرندوں کی طرح گرتا تو پاش پاش ہو جا
اسی حیرانی میں وہ دکھیا پوچھتے ہیں کیوں جی بہشت پہاڑ پر ہے یا آسمان پر ہے
اس فکر میں غلطاں پیچاں ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ بہشت پہاڑ پر بتادی جائے تو
وہ کچھ تک لگالیں اور آسمان پر ہونے سے تو انکی عقل چرخ ہو جاتی ہے۔

فضائی پرواز اور تاخت کے مناظر پنڈت صاحب نے خواب میں نہ دیکھے تھے کبھی
ہوائی جہاز کا تذکرہ سنا دیا گیا ہوتا تو انکی عقل کے طوطے اڑ جاتے اور یہی پوچھتے پھرتے
کہ کیوں جی وہ کوئی پکھیرو ہوتا ہے۔ جانور ہوتا ہے۔ فضا میں کس چیز پر ٹنگا رہتا ہے
کسی سیڑھی سے اترتا ہے یا پتھر کی طرح گر پڑتا ہے لیکن جب انہیں بتایا جاتا کہ ان میں
سے کوئی بات نہیں ہوتی وہ ایک سواری ہے اس میں بہت آدمی بیٹھتے ہیں وہ ہوا میں
اڑتی چلی جاتی ہے اور جب اتارنا چاہتے ہیں تو آسانی سے اتر آتی ہے نہ زینہ کی حاجت
ہوتی ہے نہ پتھر کی طرح گرتی ہے تو یہ سنکر پنڈت جی ضرور گھبرا اٹھتے اور کہنے لگتے کہ جھوٹ
جھوٹ جو ایسی باتیں کہے اسکا کبھی اعتبار مت کرو وجہ یہ تھی کہ پنڈت جی کو کبھی اس
قسم کے مشاہدے نہ ہوئے تھے جس شخص کو انسانی مصنوعات تک رسائی نہ ہو اور اس
کی عقل و خرد بشری صنعت کا تذکرہ سنکر معطل ہو جائے اور بجز انکار وہ کچھ نہ کہہ سکے وہ
کارساز قدرت کے عجائب حکمت سے ناآشنا ہو تو کیا تعجب ہے مگر خدا پر ایمان رکھنے والا

انسان جو اسکو قادر مطلق جانتا ہے گو اس نے کیسے ہی کور دہ زندگی بسر کی ہو اور دنیا کے عجائب
سے اسکی آنکھیں محروم رہی ہوں لیکن جب وہ آثار قدرت الٰہی کو سنتا ہے تو اسکا وہ راسخ
اعتقاد جو اسے قادر کریم کی قدرت کاملہ کے ساتھ ہے آوارہ دہشت حیرت و وحشت نہیں ہونے
دیتا اور وہ اطمینان کے ساتھ باور کرتا ہے۔ آسمان سے کسی جسم کا اسطرح زمین تک پہنچ جانا کہ
اسکی ہیئت و وضع نہ بگڑے اور اسکو کوئی نقصان نہ پہنچے کیا پنڈت صاحب کے نزدیک کار
ساز عالم کی قدرت سے بالاتر کام ہے اور کیا الکادین انہیں دیکھے معبود کی اتنی ہی قدرت
مانتا ہے کہ وہ ایک جسم کو بلندی سے پستی کیطرف لیجاتا ہے وما قدروا اللّٰہ حق قدرہ
اعتراض ۱۔ اعتراض سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب آدم خاک سے بنائے گئے تو انکے بہشت
میں بھی خاک ہوگی اور جتنے وہاں فرشتے وغیرہ ہیں وہ بھی خاک ہی ہونگے۔ کیونکہ خاک کے
جسم بغیر اعضاء نہیں بن سکتے اور خاکی جسم ہونے کی وجہ سے مرنا بھی ضرور لازم آئیگا۔ اگر
وہاں موت ہوتی ہے تو وہاں سے (بعد موت کہاں جاتے ہیں؟۔ اور اگر موت نہیں
ہوتی تو انکی پیدائش بھی نہیں ہوتی چاہئے جب پیدائش ہے تو موت بھی ضروری ہے
اس صورت میں قرآن کا یہ لکھنا کہ بیبیاں ہمیشہ بہشت میں رہتی ہیں جھوٹا ہو جائیگا کیونکہ
انکو بھی مرنا ہوگا۔ یہ حالت ہے تو بہشت میں جانیوالوں کی بھی موت ضرور ہوگی۔
جواب ۱۔ پنڈت صاحب کے دماغ کی رسائی اور فکر کی بلندی نے منطق و فلسفہ کو
مات دیا کیا خوب دلیل ہے کہ جب آدم صاحب خاک سے بنائے گئے تو انکی بہشت میں
بھی خاک ہوگی اور جتنے وہاں فرشتے وغیرہ ہیں وہ بھی خاک ہی ہونگے۔ کسی مقام پر اگر
انسان کسی مادہ خاص کی ہو تو اس سے یہ لازم آتا کہ جتنی چیزیں وہاں ہیں وہ سب
اسی مادہ کی ہوں۔ دنیا میں اگر کوئی تجویز نہ کرے تو کم از کم پنڈت صاحب کی عقل
تجویز کرتی ہے اگر پنڈت صاحب کو یہ خبر پہنچے کہ جاپان میں لکڑی کے مکان ہوتے ہیں
تو اپنے اس فلسفہ سے حکم لگا دینگے کہ پھر تو وہاں کے آدمی جانور دریا چشمے زمین

آسمان سب لکڑی ہی کے ہو گئے۔اس پایہ کا عاقل دنیا میں شاید پنڈت جی سے پہلے کم پیدا ہوا ہوگا۔اس ملازمہ کو تو غور فرمائیے آدم کے خاکی ہونے سے تمام ملائکہ کے لئے خاکی ہونیکا حکم کیسا عاقلانہ ہے۔آریوں کو مبارک ہو کہ انکا پیشوا عقل وخرد میں انوکھا درجہ رکھتا ہے کسی مقام کے رہنے والوں میں سے کسی ایک میں جو بات پائی جاتی ہے اگر سب میں اسکا پایا جانا ضروری ہو تو پنڈت جی کو یہ خیال کرنیکا حق ہوگا کہ جس ملک میں گائیں اور بھینسیں سینگ اور دم والی ہوتی ہیں وہاں کے تمام آدمی اور پرند وغیرہ سب سینگ اور دم رکھتے ہونگے اور جس ملک میں کوئی پرندہ ہو وہاں کی ساری مخلوق سب پردار ہوگی مگر پنڈت جی کے اس فلسفہ کو تعلیم یافتہ آریہ ہی قدر کی نظر سے دیکھ سکتے ہیں اسلام پر اعتراض کرنیوالے اسی عقل وخرد کے ہو سکتے ہیں اور جب تک انکے قوائے عقلی ودماغی اس حالت تک نہ پہنچیں اسوقت تک اسلام پر اعتراض کرنیکی جرات نہیں ہو سکتی۔پنڈت صاحب نے اپنے اس قیاس پر دلیل بھی بیان کی ہے وہ یہ کہ "خاک کے جسم بغیر اعضاء نہیں بن سکتے" اول تو فرشتوں کے لئے انسان جیسے اعضا کا تسلیم کرلینا انکا سرمایہ پنڈت صاحب کے صرف اپنی تنہائی کا تخیل ہے پھر اعضا کا حصول خاک پر منحصر ہونا یہ بھی آپکی ایجاد طبع زاد ہے۔آپنے پانی سے پیدا ہوکر پانی ہی میں رہنے والے ایسے درخت ملاحظہ نہیں فرمائے جنکا زمین سے کوئی بھی تعلق نہیں ہوتا۔آپکے خیال میں مٹی کے سوا باقی عناصر مادہ نہیں یا انکی ذات قبول صور سے آبی اور منکر ہیں۔یہ خیال کتنا قابل مضحکہ اور لائق تعجب ہے اس سے اور بڑھکر عجیب تر بات آپنے یہ فرمائی کہ خاکی جسم ہونیکی وجہ سے مرنا بھی ضرور لازم آئیگا۔لکھے پڑھے سمجھ دار آریہ سوچیں تو کہ اس لزوم کیلئے کیا علاقہ ہے اور جسم کا خاکی ہونا مرنے کو کیوں مستلزم ہے کیا موت جسم خاکی کا ذاتی اقتضا ہے ایسا ہو تو خاکی جسم والوں کا زندہ ہونا ناممکن کہ مقتضائے ذات کا شے سے جدا ہونا غیر متصور ونامعقول۔اور اگر مقتضائے ذات نہ ہو تو اسکے لئے کوئی علت ہوگی۔اور وہ علت

یا خاک ہوگی یا اسکا غیر۔ اگر خاک کہیئے تو بھی یہی قباحت لازم کیونکہ معلول کا علت سے تخلف ناممکن اور اگر غیر خاک کہیئے تو وہ قادر مطلق کا ارادہ ہے یا کچھ اور اگر کچھ اور کہیئے تب تو تصرفات بالذات غیر کیلئے ثابت ہوتے ہیں اور شرک لازم آتا ہے اور اگر قادر مطلق کا ارادہ کہیئے تو موت ضروری نہیں ہوتی اور جسم کی خاکیت کو اسمیں کوئی دخل نہیں وہ جس جسم کو جب چاہے موت دے اور جسے چاہے باقی رکھے جسے وہ فنا نہ کرے اسے کون فنا کریگا کیا پنڈت جی کے نزدیک موت و فنا انکے ایشور کے اختیار سے باہر ہے جب تو وہ قادر مطلق نہیں اسکو ایشور خالق و مالک کہنا غلط اور اگر اسکے اختیار میں ہے تو کیا خاکی اجسام کو وہ فنا کرنے پر مجبور ہے اگر وہ مجبور ہے تو خدا نہیں اسے ایشور کیسے کہا جاتا ہے اور اسپر جبر کرنیوالا کون ہے اور اگر وہ مجبور نہیں تو جس خاکی جسم کو وہ چاہے حیات دائمی کیوں نہیں دے سکتا۔ اگر دے سکتا ہے تو اسکے لئے مرنا کس طرح ضروری اور لازم ہوگا۔ پنڈت جی کے ایسے بے تکے اعتراض تعلیم ربانی کی شان و شوکت میں تو فرق نہیں ڈال سکتے مگر ان سے خود انکے علم و لیاقت فہم و فراست کا اندازہ ہو جاتا ہے اسکے بعد آپنے فرمایا ہے کہ پیدائش ہے تو موت بھی ضروری ہے۔ یہ ملازمہ پنڈت صاحب نے کہاں سے نکالا پیدائش کیلئے موت کا ضروری ہونا کس دلیل سے ثابت ہے میری ابھی عرض کی ہوئی تقریر سے پنڈت کے اس دعوے کا بطلان نہایت روشن و واضح ہے منطق کے مبتدی بچے بھی اتنا جانتے ہیں کہ جس موجود کا وجود ضروری نہ ہو اسکا عدم بھی ضروری نہ ہوگا ممکن اسی کو کہتے ہیں کہ نہ اسکا وجود ضروری ہو نہ عدم پنڈت جی کا یہ کہدینا کہ پیدائش ہے تو موت بھی ضروری ہے یہ بتاتا ہے کہ پنڈت جی کو علوم حکمتہ کی ابتدائی منازل تک بھی رسائی نہیں انہیں باطل اوہام پر جو آپنے تفریع کی ہے کہ اہل بہشت کیلئے موت ضرور ہوگی یہ بھی ایسے ہی باطل ہے جیسے اس تفریع کی بنا باطل پر جو متفرع ہوگا باطل ہوگا۔ پنڈت صاحب کے اعتراض کی لغویت و رکاکت بحمد اللہ خوب ظاہر ہو چکی اور ممکن نہیں ہے کہ اسکا کوئی ہوا خواہ علمی

طور پر اسکو ثابت کر سکے اسپر ہنڈرٹ اپنے آپکو محقق کہیں یا اپنے منہ سے اپنی تعریف کریں۔
قرآن پاک کی حقانیت کا یہ اثر ہے کہ کوئی صحیح الدماغ آدمی بحالت صحت عقل اس پر اعتراض نہیں کر سکتا جو معترض اس پر زبان اعتراض کھولتا ہے پہلے اسکو عقل وخرد سے قطع تعلق کرنا پڑتا ہے۔

اعتراض:۔ اس دن سے ڈرو کہ جب کوئی روح پر بھروسہ نہ رکھے گی نہ اس کی سفارش قبول کی جائیگی نہ اس سے بدلہ لیا جائیگا اور نہ وہ مدد پائیں گے۔

محقق:۔ کیا موجودہ دنوں میں نہ ڈریں۔ برائی کرنے سے ہمیشہ ڈرنا چاہئے جب سفارش نہ مانی جائیگی تو پھر یہ بات کہ پیغمبر کی شہادت یا سفارش سے خدا بہشت دیگا کیونکر صحیح ہو سکیگی۔ کیا خدا بہشت والوں ہی کا مددگار ہے دوزخ والوں کا نہیں اگر ایسا ہے تو خدا طرفدار ہے۔

جواب:۔ عجیب لغو اعتراض ہے کس نے کہا ہے کہ موجودہ دنوں میں نہ ڈریں۔ آیت شریف کے کونسے لفظ کا یہ مطلب ہے خود ہنڈرٹ کا کیا ہوا ترجمہ موجود ہے اس سے بھی یہ بات کسی طرح نہیں پائی جاتی اپنے آپ لکھا ہے اس دن سے ڈرو جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ساری زندگی اس دن سے ڈرتے رہو۔ اس دن سے ڈرو کے یہ معنی کون بیوقوف سمجھے گا کہ آج مت ڈرو اور کبھی مت ڈرو خاص اس دن ڈرو۔ جو شخص اپنے کئے ہوئے ترجمہ کو نہ سمجھے یا سمجھے تو دیدہ و دانستہ کتاب پاک پر بہتان لگا کے اسکا اعتراض کیا چیز ہے۔ اعتراض نہیں نافہمیاں ہیں اور نافہمیاں بھی ایسی کہ ادنیٰ درجہ کا اور کندذہن شخص بھی ایسی نافہمی نہ کرے۔ پھر آیت میں لا تجزی کا ترجمہ "بھروسہ نہ رکھے گی" یہ کس لغت سے لیا ہے۔ اتنا کچھ بھی نہیں ترجمہ کرنیکا شوق۔ یہ اعتراض "کہ سفارش نہ مانی جائیگی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے خدا بہشت دیگا کیسے صحیح ہو سکتا ہے" یہ بھی نافہمی ہے قرآن پاک میں جا بجا موجود ہے من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ اور اس مضمون کی

بکثرت آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماذون بندے انبیاء مرسلین علماء صالحین وغیرہ شفاعت کریں گے انکی شفاعتیں قبول کیجائیں گی کفار جن بتوں اور طاغوتوں کو اپنا شفیع اعتقاد کرتے تھے اور شفعاؤنا عند اللہ کہتے تھے اور انکی شفاعت پر پھولے اور بھولے بیٹھے تھے قرآن کریم نے اسکا رد فرمایا ہے کہ تمہارے باطل معبود تمہارے کام نہ آسکیں گے یہ کہاں کہ مقربان بارگاہ حق بھی شفاعت نہ کریں گے۔ پنڈت جی کا یہ قول کہ خدا بہشت والوں ہی کا مددگار رہے دوزخ والوں کا نہیں اگر ایسا ہے تو خدا طرفدار ہے۔ اس سے کیا مطلب ہے کیا پنڈت جی یہ چاہتے ہیں کہ عاصی خطاکار مجرم بدکردار اور بندہ فرمانبردار دونوں کے ساتھ ایک ہی سلوک ہو ان میں کوئی فرق و امتیاز رہی نہ ہو تو ایسا کرنا اقتضائے حکمت نہیں حکیم کی شان نہیں جو خدا سے اسکا امیدوار ہو اسنے خدا کی عزت نہ پہچانی۔ اگر ایسا ہو تو پھر دین و مذہب کا ہے کیلئے ہے۔ آپکے طور پر مسلمان عیسائی وغیرہ جتنے غیر آریہ ہیں اگر ایشور پر سب کے ساتھ وہی سلوک کرنا لازمی ہو جو آریہ کے ساتھ ہے تو پھر آریہ بننا حماقت ہے مفت تکلیف اٹھائے دال ساگ پر صبر کرے جب ایشور کا سلوک وہی رہا جو گوشت خوروں بلکہ منکروں کے ساتھ ہے تو آریہ بننا محض کرتا ہوں میں آگ پھونکنا گھی جلا جلا کر برباد کرنا سب اکارت و بیکار ہوا دنیا میں کوئی عاقل منصف نہیں کہہ سکتا کہ نیک و بد کے ساتھ ایک ہی سلوک ہونا چاہیئے نہ حکمت و انصاف کا یہ اقتضا ہے پھر اسکو طرفداری کہنا کس درجہ کی عقلمندی ہے۔

اعتراض :- ہم نے موسیٰ کو کتاب اور معجزے دیئے۔ ہم نے انکو کہا کہ تم ذلیل بندر ہو جاؤ۔ یہ ایک ڈر دکھایا جو انکے سامنے اور پیچھے تھے انکو اور ہدایت ایمانداروں کو (منزل اول سیپارہ ۱)

جواب :- پنڈت جی ہیں اپنے ہنر میں تو رے گہاں کی کہاں آیتیں ملاکر ترجمہ کس کا کس ہے جوڑ کر مضمون مختل کرنا چاہا ہے اسے ہی آریہ قابلیت فضیلت تحقیق کہیں تو ان کی دانائی پر افسوس کہاں تو یہ کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور معجزے عطا فرمائے اور انکے بعد کی آیات چھوڑ کر ایک ٹکڑا ایک آیت میں سے تراش کر اسکے ساتھ ملایا کہ ہم نے

انکو کہا کہ تم ذلیل بندر ہو جاؤ۔ اب اس سے سمجھنے والا یہاں تک غلطی میں نہ پڑے۔ یہی کوئی دیانتداری ہے سوربیان کی بابت چھوڑی تھی تو اسکا کوئی اشارہ کیا ہوتا اتنا بھی نہیں آتا تھا تو دوسری پوری ہی لکھ دی ہوتی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ کس سے فرمایا کہ بندر ہو جاؤ۔ اسکے بعد کی آیت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بندر ہو گئے اور انکا بندر ہو جانا انکے عہد کے لوگوں اور بعد والوں کے لئے عبرت اور پرہیزگاروں کیلئے موعظت و ہدایت ہوا پنڈت جی اگر آیتوں کو اصلی حالت میں نقل کرتے تو انہیں اپنے خیال میں بھی اعتراض کا کوئی موقع نہ تھا اسلئے قطع برید کی تکلیف برداشت کی اب اتنی قطع برید کرنے کے بعد آپ نے جو اعتراض کئے ہیں وہ یہ ہیں :-

اعتراض :- اگر موسیٰ کو کتاب دی تھی تو قرآن کا ہونا فضول ہے اسی کی تائید میں آگے چلکر لکھتے ہیں کیونکہ اگر برائی بھلائی کرنیکا اپدیش سب جگہ یکساں ہے تو دوبارہ مختلف کے بیان سے پسے ہوئے کے پیسنے کی مثال عائد ہوتی ہے کیا خدا اس کتاب میں جو موسیٰ کو دی تھی کچھ بھول گیا تھا۔ (۲) یہ بات جو بائبل اور قرآن میں لکھی ہے کہ اسکو معجزے کرنیکی طاقت دی تھی قابل تسلیم نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوا تھا تو اب بھی ہوتا۔ اگر اب نہیں ہوتا تو پہلے بھی نہیں ہوا تھا جیسے خود غرض لوگ آجکل بھی بے علموں کے درمیان عالم بنجاتے ہیں ویسے ہی اس زمانہ میں بھی فریب کیا ہو گا کیونکہ خدا اور اسکی پرستش کرنیوالے اب بھی موجود ہیں اسوقت خدا معجزہ کرنیکی طاقت کیوں نہیں دیتا اور نہ وہ معجزے کر سکتا ہے۔ (۳) اگر خدا نے ذلیل بندر ہو جانا محض ڈرانے کیلئے کہا تو اسکا کہنا جھوٹ ہوا یا اس نے دھوکہ دیا جو ایسی باتیں کرتا ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا اور جس کتاب میں ایسی باتیں ہوں وہ خدا کی طرف نہیں ہو سکتی۔

جواب :- پنڈت جی کی فلاسفی تمام ہو چکی۔ قرآن شریف کی عبارت کو قطع برید کرنیکے بعد آپنے یہ تین اعتراض بنائے ہیں جس میں سے ہر ایک پنڈت جی کے انوکھے فضل و کمال کی گواہی دیتا ہے آپکا پہلا اعتراض یہ کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی تو قرآن کا

ہونا فضول۔ یہ کیا معنی اس میں کون ملازمہ ہے۔ یہ اعتراض منطق کے کونسے اصول پر مبنی
ہے ایک جاہل بھی ایسا لچر اعتراض کرنیکی جرات نہیں کرتا اور کسی مدرسہ کا ناسمجھ بچہ بھی یہ
کہنا اپنی شان کے لائق نہیں دیکھتا کہ جب معلم نے ابتدائی کتاب پڑھا دی تو پھر دوسری
کتابوں کا پڑھانا بیکار ہے۔ ہم خود پنڈت جی یہ پوچھتے ہیں کہ انکے اعتقاد میں جب وید ایک
دفعہ آگیا اور وہ عالم کی ہدایت کیلئے کافی تھا تو بار بار ایڈیشن کرنے اور نئی کتابیں چھاپنے
اور ستیارتھ بنانے کی فضول حرکت کیوں کیجاتی ہے اس سے پسے ہوئے کے پیسنے کی مثال
صادق آتی ہے یا نہیں۔ مثال بھی اپنے حسب حیثیت کیا عمدہ دی ہے اس بات سے تو
پنڈت جی کیا باخبر ہوتے جس کو اصول ہدایت وارشاد کا جاننے والا سمجھ سکتا ہے کہ اقوام کے
عادات مزاج طبائع احوال افعال جداگانہ ہوتے ہیں، وقتوں اور صحبتوں کے خصوصیات
سے مختلف قرنوں میں دماغوں کی مختلف حالت ہوتی ہے اور ذہنیت کچھ سے کچھ ہو جایا
کرتی ہیں۔ ایک زمانہ بت پرستی کا ہوتا ہے دنیا اوہام میں گرفتار ہوتی ہے سحر اور جادوگری
کا چرچہ ہوتا ہے طبیعتیں افعال عجیبہ اور آثار غریبہ کی طرف اپنی توجہ منعطف کرنا پڑتی ہے اور
ربانی تاثیرات سے سحر کی قوتوں کو باطل کر کے قوم کو راہ راست کیطرف دعوت دینا ضروری
ہوتا ہے۔ اگر بجائے اسکے فقط علم برہان پر اکتفا کیا جائے تو دماغ صالح نہیں ہیں کہاں تعلیم
سے فیض حاصل کر سکیں اسلئے اس زمانہ کیلئے ایک قانون ہدایت ہونا چاہئے جس میں
اس قوم کی خصوصیت کا لحاظ ہو اسکے بعد قرن بدلے دنیا کا مذاق کچھ سے کچھ ہو جائے کواکب
پرستی کا چرچہ ہو علم ہیئت کا رواج ہو اسوقت ہادی کو کواکب پرستی کی گمراہی سے بچانے کے
لئے وقائق ہیئت سے استدلال کر کے وجود حق ثابت کرنا چاہئے اور قوم کو باطل سے انکا لکر
راہ راست پر لانا چاہئے کیونکہ انکی طبیعتیں اس وقت اسی علم کے ساتھ مانوس ہو چکی ہیں
دوسری بات انپر اثر نکرے گی یہ تعلیم بھی ایک عرصہ جاری رہے اور ان تعلیموں سے دنیا
میں شائستگی پیدا ہو بصیرت حاصل ہو پھر قرن بدلے اور انسانوں کی خیرہ سری پہلی گمراہیوں

کا پردہ فاش دیکھ کر یہ یقین کریں کہ حق کے ہادیوں کی تعلیمیں اب ان طریقوں کو پورے طور پر رائج نہیں ہونے دینگی اور نیا طریقہ گمراہی نکالیں آتش پرستی شروع کر دیں۔ اس زمانہ میں فلسفہ کا شغل ہو منطق کی گرم بازاری ہو تو اب اس زمانہ کے ہادی کو اس زمانہ کے مناسب حال اسلوب ہدایت اختیار کرنا ناگزیر ہے وہ مدعیان حکمت کو دعوت دیگا اور مذہب حق کو زبردست قاہر استوار برہانوں سے ثابت کریگا اور علم برہان کے جاننے والوں کو اطمینان دلادیگا کہ حق اسکی زبان پر ناطق ہے اس طرح جب بہت سے ادوار گزر چکیں اور دنیا کی قومیں طرح طرح کے سبق اور قسم قسم کی تعلیمیں حاصل کر چکیں استعدادیں ترقی کر جائیں اور دماغوں کیلئے مختلف قسم کے ذوق مختلف طرح کے سامان طرح طرح کے علوم بکثرت اقوام کے احوال کا سرمایہ جمع ہو جائے اسوقت اقتضائے حکمت ہے کہ ایک قانون مکمل دیا جائے جسمیں ہر قسم کے امراض ضلال کا علاج ہو اور جو ہر صاحب ذوق کی تشفی کر سکے اور جو جمیع اسالیب ہدایت وارشاد کا جامع ہو یہ قدرت کی حکمت بالغہ ہے جو پنڈت جی بیچارے تو کیا سمجھیں مگر کارخانہ عالم میں نظر رکھنے والا شخص ہر چیز میں اس اصول حکمت کو کارفرما دیکھ لیتا ہے ایک دانہ جس کو بیج یا تخم کہتے ہیں قوی کا ایک اجمالی خزانہ ہوتا ہے عالم میں تفصیل میں آنے کیلئے جب وہ اپنا پہلا قدم نہان خانہ ابہام سے نکالتا ہے تو اسمیں سے سوئیاں سی پھوٹتی ہیں ایک نیچے اور ایک اوپر۔ یہ ایک پودے کی ابتدائی حالت ہے نہ یہاں برگ ہے نہ بار نہ شگوفہ نہ گل نہ اثمار دو سادے سوت ہیں ایک اوپر کی طرف چلتا ہے اور ایک نیچے زمین میں پھیل جاتا ہے اب اس میں ترقی شروع ہوتی ہے کونپلیں نکلتی ہیں شاخیں پیدا ہوتی ہیں پتے نکلتے ہیں زمین کو گھیرتا ہے سایہ کرتا ہے بہت سا پانی پی جاتا ہے ۔ رہو تا چلا جاتا کلیاں آتی ہیں کھلتی ہیں پھولوں سے زینت چمن بنتا ہے پھل لگتا ہے شیرینی خوشگواری خوشبو سب چیزیں اس سے حاصل ہوتی ہیں تو اب پنڈت جی کہیں کہ جب اس دانہ کو یہ تن و توش شاخیں جھاڑ ندہ کلی پھول پھل پتے کونپل

یہ ساز و سامان دینا تھا تو ایشور نے پہلے ہی کیوں نہیں دیدیا اس طرح کیا بھول گیا تھا اسی طرح خود پنڈت جی اپنے وجود پر بھی نظر ڈالیں کہ یہ قد و قامت تن و توش اعضاء و جوارح دانت داڑھی موچھ تمام چیزیں پہلی منزل میں بھی انکے ساتھ تھیں جب والدہ کے شکم میں قیام کی ابتدا تھی تو گیا وہ یہ سوال کریں گے کہ یہ چیزیں جواب دیگئی ہیں کیا اس وقت ایشور بھول گیا تھا جو جواب اسکا دیں وہی جواب کتاب کی نسبت ابھی سوچ لیں۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ بات جو بائبل و قرآن میں لکھی ہے کہ اس کو معجزہ کرنے کی طاقت دی تھی قابل تسلیم نہیں اور اسکی دلیل پنڈت کے نزدیک یہ ہے کہ اگر ایسا ہوا تھا تو اب بھی ہوتا اگر اب نہیں ہوتا تو پہلے بھی نہیں ہوا تھا۔

جواب:۔ پنڈت صاحب کی عقل پر کہاں تک افسوس کیا جائے انہیں ابھی یہ معلوم نہیں کہ واقعات کا ثبوت کس چیز سے ہوتا ہے اور اسکے انکار کیلئے کیا امر و سامان درکار ہوتا ہے۔ آپ اگر خدا نخواستہ کسی بد بخت قوم کی بدنصیبی سے کہیں کے مجسٹریٹ ہو جاتے اور پیش ہوتا آپکے سامنے ایک چور اور ثابت کی جاتی اسکی چوری شہادتوں سے تو واقعہ کو جھٹلانے اور ناقابل تسلیم بنانے کیلئے آپکے پاس یہی حجت کافی ہوتی کہ اگر اسنے پہلے چوری کی تھی تو اب چوری کیوں نہیں کرتا اور اب چوری نہیں کرتا تو اسنے پہلے چوری نہیں کی تھی آپکی مجسٹریٹی کا زمانہ اگر صدیوں تک دراز ہوتا تو پولیس کی تفتیش اور شاہدوں کا بیان کسی ایک شخص کو بھی مجرم ثابت نہ کر سکتے اور آپکی یہ انوکھی دلیل سب ہی بکار کر ڈالتی میں تو میں آپکو کیا بتاؤں کہ واقعہ کا ثبوت خبر معتبر پر ہوتا ہے اور اسکے انکار کیلئے مخبر کا کوئی نقص خواہ وہ اسکے حافظہ لگاہداشت وغیرہ کے متعلق ہو یا اسکے صدق و دیانت کے متعلق یہ امر قادح قرار دیا جاتا ہے یا اسی کے بیان کو اسکا مکذب بنا کر پیش کیا جاتا ہے تب واقعہ کی تکذیب ہو سکتی ہے۔ یہ بات تو کسی عاقل سے کہنے کی ہے مگر آپکو آسانی سے اسطرح سمجھائے دیتا ہوں کہ آپ اپنے اس پیمانہ سے اپنے گھر کی کایا تو ناپئے اور اپنی ہی میزان میں اپنی پونجی تو لکر دیکھئے

اور پھر بتائیے کہ میزان جھوٹی تھی یا پونجی ادچھی۔

ذرا یہ تو ملاحظہ فرمائیے کہ آپکے عقیدہ کے بموجب اگر ایشور نے پہلے چار آدمیوں کو وید کا الہام کیا تھا تو اب کیوں نہیں کرتا اگر اب نہیں کرتا تو پہلے بھی نہیں کیا تھا۔ بقول آپکے یہ خود غرض لوگوں کا فریب ہوگا اور سنیے آپ نے اسی ستیارتھ میں یہ لکھا ہے کہ ابتدا دنیا میں ہزاروں جوان آدمی بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے (ستیارتھ صہ ۲۹۲) اگر یہ بات سچی ہے تو اب کیوں نہیں ہوتے اگر اب نہیں ہوتے تو پہلے بھی نہیں ہوئے تھے۔ بقول آپکے خود غرض لوگوں نے فریب کیا ہوگا۔ اب آپ بتلائیے کہ آپکی یہ میزان جسپر آپ قرآن شریف اور بائبل کو تول رہے تھے۔ وید اور وید کے دعاوے کو کیسی بتاتی ہے۔ اس حالت میں آپ اپنی اس میزان کو جھوٹا کہیں گے یا وید کو فیصلہ تو کیجئے۔

(۳) اگر خدا نے ذلیل بندر ہو جانا محض ڈرانے کیلئے کہا تو اسکا کہنا جھوٹا ہوا یا اس نے دھوکا دیا جو ایسی باتیں کرتا ہے وہ خدا نہیں اور جس کتاب میں ایسی باتیں ہوں وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوسکتی۔

جواب:۔ پنڈت جی نے آیت لکھی اور قطع برید کی فقلنا لھم سے شروع کیا اور اس سے پہلا جملہ ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت چھوڑ دیا جسکے اوپر فقلنا لھم مرتب تھا اس آیت کا ترجمہ یہ ہے اور یقیناً تم ان لوگوں کو جانتے ہو تم میں سے جنہوں نے ہفتہ کے معاملہ میں سرکشی کی تو ہم نے فرمادیا ان سے ہوجاؤ بندر ذلیل۔ پس ہم نے اس واقعہ کو اس بستی کے اگلوں پچھلوں کیلئے عبرت اور پرہیزگاروں کیلئے نصیحت کر دیا۔ ترجمہ سے مطلب صاف طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ ہفتہ کے متعلق احکام الٰہی کی نافرمانی اور سرکشی کرنیکی سزا میں پروردگار عالم نے ان لوگوں کو بندر ہو جانیکا حکم دیا اور انکا بندر ہو جانا اس بستی کے آگے اور پیچھے والوں کیلئے عبرت اور پرہیزگاروں کیلئے عبرت و نصیحت کر دیا۔ یقیناً کسی قوم کو سرکشی اور بغاوت پر جو سزا دی جاتی ہے وہ دوسروں کے لئے

عبرت ونصیحت ہوتی ہے۔ آیت کے ترجمہ سے معمولی فہم کا انسان بھی اتنا باسانی سمجھ لیتا ہے مگر پنڈت صاحب کی یہ دیانت ہے کہ انہوں نے آیت کا پہلا حصہ ہی چھوڑ دیا اور باقی حصہ کا ترجمہ نہایت بے ڈھنگا اور غلط کیا پھر اپنی نافہمی پر اپنے حسب عادت دریدہ دہنی اور بد زبانی کے ساتھ اعتراض کیا۔ پنڈت جی کا یہ کہنا کہ محض ڈرانے کیلئے کہا تو اسکا کہنا جھوٹا ہوا اسکے معنی یہ ہیں کہ وہ بندر نہیں ہوئے۔ یہ پنڈت جی آیت میں کہاں پایا اگر اردو ترجمہ سمجھنے کی بھی لیاقت ہوتی تو حیادار انسان بے سروپا بات کہنے کی جرات نہ کر سکتا پھر رب العالم اپنی مخلوق کو سزا دے اور تکوینی حکم جاری فرمائے اور اسکا نفاذ نہ ہو۔ یہ کوئی کور مغز ہی سمجھ سکتا ہوگا پھر عقل کے پورے اتنا بھی نہ سمجھے کہ اگر وہ بندر نہ بن گئے تو عبرت کیا چیز ہوئی اس تجھ پر محقق ہونیکا دعویٰ اتنا علم تو مکتب کے مبتدی بچوں کو بھی ہوتا ہے کہ امر ونہی قسم انشا سے ہیں اور صدق وکذب کا تعلق خبر سے ہوتا ہے نہ کہ انشا سے اگر کسی کو حکم دیا جائے اور اس حکم کی مطابعت نہ بھی ہو تو حکم دینے والے کو کوئی پاگل بھی کاذب کہیگا۔ بددماغی کی انتہا ہوگئی۔ ایک بات اگر اپنے دل سے تراشی اور قرآن پاک کے مضمون کیخلاف ایک بات گھڑ کر براہ بدحیائی قرآن شریف کیطرف نسبت کردی اور اسپر جاہلانہ اعتراض شروع کر دیئے یہ کہاں کا سلیقہ ہے سچائی کی کوئی رمق تو اپنے کلام میں آنے دو اور اسکے اوپر یہ تفریع کہ جو ایسی باتیں کرتا ہے وہ خدا نہیں ہے اور جس کتاب میں ایسی باتیں ہیں وہ خدا کی طرف سے نہیں۔ بے ایمانی کے سر پر کیا سینگ ہوتے ہیں یہ طوفان جوڑنا اور بہتان باندھنا بھی قابلیت اور محققیت ہے جس دین کے پیشوا کی یہ حالت ہو اسکی قوم کس منزل پر پہنچیگی اور اسکا کیا انجام ہوگا۔ آریو اپنے حال پر رحم کرو سچائی سے محبت پیدا کرو۔ صدق ودیانت سے رشتے جوڑو امانت اور راستبازی سے تعلقات قائم کرنیکی کوشش کرو۔ آؤ آؤ اسلام کے سایہ میں تم کو یہ نعمتیں ملیں گی۔ اسلام سے بھٹک کر تمہیں ایسا ہی محقق ہاتھ آئیگا جسکی تحقیق کا لب لباب افترا وبہتان ہو۔

اعتراض: آیت مبارکہ کذالک یحیی اللہ الموتے و یریکم ایاتہ لعلکم تعقلون پنڈت جی اس آیت کا ترجمہ لکھتے ہیں اسطرح خدا مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے کہ تم سمجھو۔ اسپر پنڈت جی کا اعتراض یہ ہے "اگر مردوں کو خدا زندہ کرتا تھا تو اب کیوں نہیں کرتا کیا وہ قیامت کی رات تک قبروں میں پڑے رہینگے کیا آجکل دورہ سپردھی کیا خدا کی نشانیاں اتنی ہی ہیں کیا کائنات میں یہ گوناگوں مخلوقات سامنے نظر آتی ہے یہ کوئی کم نشانیاں ہیں" یہ ہے پنڈت جی کے عقل و دماغ اور علم ہنر کا کمال آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ جسطرح اللہ تعالیٰ نے اس مقتول کو زندہ کیا اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کریگا اور تم کو اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے تاکہ تم سمجھو آیت میں یہ کہیں نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ کرتا تھا جس پر پنڈت جی نے اپنے اعتراض کی بنا رکھی ہے۔ ایک قوم کے سامنے ایک واقعہ آیا کہ مقتول کو اللہ تعالیٰ نے حیات دی جو لوگ اسکو جانتے ہیں ان سے فرمایا جاتا ہے کہ جسطرح یہ ایک مردہ زندہ ہونا تمہارے علم و یقین میں آیا ایسے ہی اللہ تعالیٰ روز قیامت مردوں کو زندہ فرمائے گا اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو یقیناً ایک مردہ کا زندہ کرنا منتردد ذہن کو اطمینان دلاتا ہے اور انکے لئے قدرت کی نشانی ہے جس سے وہ اس یقین تک پہنچ جائیں کہ جس نے اپنی قدرت کاملہ سے اس مردہ کو زندہ کیا وہ تمام مردوں کو جب چاہے زندہ کر دے کس قدر دل نشین مضمون ہے اور اصول ہدایت کے کس قدر مطابق ہے کہ کسی امر عجیب کا نمونہ سامنے آتے ہی ایک قوم کو پیش آنیوالے واقعات سے مطمئن کیا جاتا ہے اسپر پنڈت جی کا یہ اعتراض کہ اگر مردوں کو خدا زندہ کرتا تھا تو اب کیوں نہیں کرتا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید قرآن شریف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پہلے زمانہ میں دستور ہی یہ تھا کہ تمام مردے زندہ کر دیئے جاتے تھے اب کچھ دنوں سے یہ بند ہو گیا ہے تو پنڈت جی گھبرا رہے ہیں مگر پنڈت کا تراشیدہ طبع اور ذہن گھڑت مضمون قرآن پاک میں نہیں ہے یہ اسکی سچائی ہے کہ وہ قرآن شریف

کی طرف ایسی چیز کی نسبت کیا کرتا ہے جو قرآن پاک میں نہ ہو پھر بھی سوال کی معقولیت
پر نظر ڈالئے یہ سوال کیا عاقلانہ ہے کہ پہلے کیا کرتا تھا تو اب کیوں نہیں کرتا۔ ایک ایماندار
بچہ اسکا جواب دے سکتا ہے کہ قادر مختار ہے جو چاہے جب چاہے کرے اسپر کوئی پابندی
عائد نہیں۔ جب پنڈت جی کے سترہ آغاز ہوا اور داڑھی مونچھ نکلنی شروع ہوئی تو پنڈت
جی نے اسوقت یہ سوال نہیں کیا کہ پہلے تو ایشور گالوں کو صفاچٹ رکھتا تھا اب ایسا کیوں
نہیں کرتا۔ پنڈت جی کو اپنی کوئی بات یاد نہیں رہتی انکے اعتقاد میں پہلے چند لوگوں
پر وید کا الہام کیا کرتا تھا اب کیوں نہیں کرتا۔ پنڈت جی یہ اعتراض پہلے بھی کر چکے ہیں
اور ادہر اسکا جواب کافی گذر چکا ہے اسکو پھر مطالعہ کیجئے۔ پنڈت جی کا یہ قول کہ کیا وہ قیامت
کی رات تک قبروں میں پڑے رہینگے۔ کیا اعتراض کے قابل ہے اسکی حکمت ہے اپنے
بندوں کو جب تک چاہے کام میں لائے۔ جب چاہے بیکار کر دے معطل کر دے جب چاہے
موت دے جب چاہے زندہ کرے اعتراض کی کیا بات۔ آپ روز سو جاتے ہیں رات بھر
بستر پر پڑے رہتے ہیں خالق نے نیند مسلط کر دی ہے تو اس میں اس پر اعتراض کیا ہے
کونسی شان الوہیت کے خلاف بات ہے پنڈت جی کو خبر بھی ہے کہ اعتراض کسے کہتے
ہیں اور وہ کیا چیز ہوتا ہے یا محض کچھ نہ کچھ بول دینا ہی قابلیت ہے۔ بچہ بلوغ کیوقت تک
جوانی کے قویٰ سے معطل رہتا ہے تو کیا اس زمانہ میں وہ دوسرے پیر ہوتا ہے یا پنڈت
جی کے نزدیک قدرت کا یہ دستور قابل اعتراض ہے۔ اس فہم پر ہزار افسوس پھر یہ کہنا کہ
کیا اتنی ہی خدا کی نشانیاں ہیں کیا عقلمندی کی بات ہے۔ یہ کس نے کہا تھا کہ نشانیاں
اتنی ہی ہیں مگر عقل ہوتی تو آدمی سمجھتا کہ مردوں کو زندہ کرنا آئندہ مردوں کے زندہ
کرنے کیلئے ایسی قریب الفہم نشانی ہے جس سے کم سمجھ اور نادان انسان بھی اطمینان
حاصل کر سکتے ہیں جو شخص محل کلام سے واقف نہ ہو وہ اعتراض کرے شرم ہزار
شرم۔

اعتراض ۴:- آیت کریمہ اولٰئک اصحٰب الجنۃ ھم فیھا خٰلدون کا پنڈت جی یہ ترجمہ کیا۔ "وے جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اس پر آپکا اعتراض یہ ہے "چونکہ جیو (روح) غیر متناہی گناہ و ثواب کرنیکی طاقت نہیں رکھتے اسلئے ہمیشہ کیلئے بہشت یا دوزخ میں نہیں رہ سکتے اور اگر خدا ایسا کرے تو وہ بے منصف و لاعلم ہے۔ اگر قیامت کی رات انصاف ہوگا تو انسانوں کے گناہ و ثواب مساوی ہونے چاہئیں اگر اعمال غیر متناہی نہیں ہیں تو انکا ثمرہ غیر متناہی کیونکر ہو سکتا ہے اور مسلمان لوگ دنیا کی پیدائش سات آٹھ ہزار برسوں سے بھی کم بتلاتے ہیں کیا اس سے پیشتر خدا نکما بیٹھا رہا تھا اور کیا قیامت کے پیچھے بھی نکما رہیگا۔ یہ باتیں لڑکوں کی باتوں کی مانند ہیں کیونکہ پرمیشور کے کام ہمیشہ قائم رہتے ہیں اور جس قدر کسی کے گناہ و ثواب ہوتے ہیں اسکے مطابق ہی اسکو وہ ثمرہ دیتا ہے لہذا قرآن کی بات سچی نہیں ہے۔ (معاذ اللہ)

جواب ۱:- آیت کا صحیح ترجمہ تو پنڈت جی کو کبھی نصیب ہی نہیں ہوا اسکی کہاں تک شکایت کیجائے۔ مگر جس آیت پر آپنے اعتراض کیا ہے اہل عقل و خرد کے نزدیک اس کا مضمون نہایت پسندیدہ دلپذیر ہے اور کوئی صاحب عقل سلیم اسپر اعتراض نہیں کر سکتا اس آیت پاک میں بتایا گیا ہے کہ مومنین مخلصین کو انکے ایمان و اخلاص کی جزا میں عیش دائم و راحت مخلد عطا ہوگی وہ جنت میں ہمیشہ ان پر انعام و اکرام کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہیگا زوال نعمت کا جو دغدغہ دنیا میں انسان کے دم کے ساتھ رہتا ہے اور جسکا تصور عیش کو منغص اور آسائش کو بے لطف بنا دیتا ہے جنت میں اس سے امن ہوگی اور اہل جنت کو دار راحت سے نکالے جانے کا خطرہ نہ ہوگا۔ نفس انسانی کی بغایت تمنا اور نہایت مراد یہی ہے اور اس لئے وہ بڑی سے بڑی اور مشکل سے مشکل قربانیوں کے لئے بشوق تیار ہو جاتا ہے اور اپنے ولولوں اور امنگوں کو اسی نعمت کی طلب میں ذبح کر ڈالتا ہے۔ زندگی کے پیارے اوقات کا لمحہ لمحہ اسی امید میں قربان کرڈالتا

نذر چڑھا دیتا ہے اور اس امید پر کہ اسکا معاملہ ایک ایسے کریم سے ہے جسکے جود و نوال اور
ندرت کی کوئی نہایت نہیں وہ اپنی ہستی کا تمام ذخیرہ بڑی اولوالعزمی کیساتھ بنیاز و اخلاص
فدا کر دیتا ہے ہر عاقل کے نزدیک کریم کی سرکار میں ایسے بندے کی یہی جزا ہونا چاہیئے
کہ اسکو نعیم مخلد اور دائمی راحت عنایت کیجائے کیونکہ اسکے پاس جو کچھ سروسامان تھا وہ
سب اسنے بے کم و کاست اس کریم کی مرضی پر لٹا دیا تو اسکی جزا یہی ہے کہ وہ کریم اپنی شان
کے لائق نہ مٹنے اور ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں اور دولتوں سے اسکو سرفراز فرمائے اسکو
کوئی مجنوں تو خلاف انصاف کہہ سکتا ہے مگر خردور نہیں۔ یہ پنڈت جی کا نیا ہی فلسفہ
ہے کہ جزا عمل سے زیادہ نہ ہو ورنہ ظلم ہو جائیگا ظلم کے معنی انہوں نے آج تک نہیں سمجھا
اگر ایک شخص کو اسکی محنت سے زیادہ دیا جائے تو یہ عطا ہو گی انعام ہو گا کرم ہو گا احسان
ہو گا نہ کہ ظلم اس میں بھی کوئی اتلاف حق ہے اسے ظلم کہنا اگر دیوانگی نہیں تو کونسی سلامت
عقل ہے۔ پنڈت جی کے اس اصول نے یہ ثابت کر دیا کہ جس کو وہ پرمیشور کہتے ہیں اور
جسکا نام وہ قادر مطلق (سروشکتی مان) رکھتے ہیں۔ وہ خالی لفظوں کا بادشاہ ہے اور
حقیقت میں کمالات الوہیت سے معرا اور خالی ہے نہ وہ جواد ہے نہ کریم نہ منعم نہ محسن
انعام و احسان کی صفت سے اسے کوئی واسطہ ہی نہیں ایک دانہ کسی کو نہیں دے سکتا۔
اب اسے دیا لو کہنا ایسے ہی ہے جیسے کسی کے کالے آبنوس فام لڑکے کا نام مہتاب رکھ
دیا جائے اور یقینا جو ان صفات کمالات سے معرا ہو وہ خدا نہیں۔ اگر پنڈت جی کا یہ بیان
انکا اپنا آفریدہ طبع و تراشیدہ خیال نہیں ہے بلکہ انکے مذہب نے بھی یہی بتایا ہے اور وید
کی بھی یہی تعلیم ہے تو ثابت ہو گیا کہ وید اور ویدک دھرمیوں کو آج تک وجود حق کا پتہ ہی
نہیں چلا اور وہ صفات خداوندی سے بالکل ناآشنا ہیں اور ایک عاجز و مجبور نادار ناتواں
وجود فرض کر کے اسکو اپنا معبود مانتے اور بیکار اپنا سر کھپاتے ہیں پھر اس عقیدہ میں
بھی صدق و راستی صفائی و سچائی سے منزلوں دور ہیں جب انکے نزدیک انکا ایشور

کسی کو کچھ نہیں دے سکتا اور کسی کا کچھ نہیں لگا رسکتا تو اسکو ہر دشکتیمان اور دیالو اور داتا کیوں کہا جاتا ہے کیوں اسکی جھوٹی تعریف کی جاتی ہے کیوں دنیا کو غلطی میں مبتلا کیا جاتا ہے اپاسنا اور دعائیں میں کیوں بیکار وقت کھوئے جاتے ہیں اور کس لئے بیفائدہ خوشامد کیجاتی ہے ویدمیں جو دعائیں جابجا مذکور ہیں اور طرح طرح کی استدعائیں کی گئی ہیں اس عقیدہ کی بنا پر وہ سب لغو باطل ہیں پنڈت جی کے اس اعتراض نے تو ان کے دین وملت کی حقیقت کھولدی اور پردے الٹکر دکھا دیا کہ وہ ایشور کو صفات کمال سے مبرا ایک وجود فرض کر رہے ہیں اور اس سے دعا اور اسکی عبادت سب انکے اس عقیدہ سے باطل اور بیکار ثابت ہوتی ہے۔ پنڈت جی کے اس اعتراض کی بھی یہی وجہ ہے جب انہوں نے اپنے گریبان میں دیکھا اور انہیں معلوم ہوا کہ انکے دین نے ایشور کا فرض اتنا ہی مرتبہ بتایا ہے کہ نہ وہ کسی کو ضرر پہنچا سکے اور نہ نفع تو انہوں نے قرآن پاک میں خداوند عالم کی وسعت رحمت وکرم کے بیان دیکھکر اپنی خفت مٹانے کیلئے اسکو خلاف انصاف بتانا ضروری سمجھا اور یہ نہ خیال کیا کہ دنیا میں انکی اس ہٹ دھرمی پر کیسا مضحکہ اڑایا جائیگا ایک معمولی انسان اپنے ملازم کو مہینہ بھر کی تنخواہ دینے کے بعد دو روپے انعام دے سکتا ہے اور اسے دنیا میں کوئی ظلم نہیں بتا سکتا مگر پنڈت جی کے ایشور کو اتنا بھی مقدور نہیں۔ گورنمنٹ برطانیہ کے ہزارہا ملازمین اپنی خدمتوں کا معاوضہ پانیکے بعد انعام اور پنشن پاتے ہیں اور شاید بہت سے آریہ بھی پنشن خوار ہوں تو کیا پنڈت جی کے نزدیک انعام اور پنشن دینا گورنمنٹ کا خلاف انصاف فعل ہے اگر آریوں کو پنڈت جی کی اس تعلیم پر کچھ اعتماد اور بھروسہ ہو تو وہ اپنے ساتھ یہ خلاف انصاف کارروائی نہ ہونے دیں اور اس ظلم کو روکیں اور پنشن وانعام واپس کریں اور حساب سے تنخواہ قدر محنت وصول کریں ایک مزدور کو دن بھر اینٹیں ڈھونے پر آٹھ آنے پیسے ملتے ہیں تو ایک محرر چھ گھنٹہ لکھ کر کا قلم ہلا کر زیادہ سے زیادہ آٹھ پیسے کا مستحق ہو سکتا ہے پنڈت جی کے انصاف پر عمل

کریں تو آریوں کے دیوالے نکل جائیں ملازمت تو کی بیس پچیس سال اسکی پاتے رہے تنخواہ اسکے بعد جو عمر بھر پنشن ملتی رہی یہ تو یقیناً عمل سے زائد ہے آریہ دھرم میں حرام اس حرام کی آریے کیوں مرتکب ہیں مگر پنڈت جی نے گھر والوں کو کبھی یہ نصیحت نہ فرمائی۔ اب ذرا سود کے مسئلہ پر نظر ڈالئے وہاں دیئے تو تھے سنڈر وپے تو پنڈت جی کے اصول مصرعہ سے سو ہی لینے جائز تھے اس سے زیادہ جو لیا جاتا ہے وہ ظلم ہے خلاف انصاف ہے مال حرام ہے ایذائے خلق ہے مگر ایسا ہندو کیوں کرتے ہیں اور پنڈت جی اور انکے دین والے اس فعل بد سے اپنی قوم کو کیوں نہیں روکتے باوجودیکہ اس میں علاوہ اس پنڈت جی کے اصول کے اور بھی بہت سے مفاسد ہیں آپکا یہ اصول اپنے برتنے کیلئے نہیں ہے محض دوسروں پر اعتراض کرنے کیلئے بنایا گیا ہے۔ اب آپ ذرا اپنی تجویزوں پر تو نظر ڈالیں کہ اپنے خود اپنی تحریر کی ہوئی سزاؤں میں کہاں تک اس اصول کا لحاظ رکھا ہے اور آپکا اعتراض مع آپکے ناشائستہ کلمات کے کتنی مرتبہ آپکے دین پر عائد ہوتا ہے ستیارتھ پرکاش صد ۲۲۲ پر ملاحظہ ہو چور جس طریق پر جس جس عضو سے انسانوں میں نامناسب حرکات کام کرتا ہے اس عضو کو سبکی عبرت کیلئے راجہ کاٹ دیوے۔ انتہی۔ بلفظہ خالی مکان میں کھونٹی پر اچکن پڑی تھی اسکی جیب میں ایک پائی تھی چور نے چوری کی نیت سے اٹھ کر پاؤں سے چل کر ایک ہاتھ سے اچکن پکڑ کر دوسرا ہاتھ جیب میں ڈالکر پائی نکالی آنکھوں سے دیکھی اور چھپانے کیلئے منہ میں رکھی بازار میں آکر اس پائی کے چنے خریدے اور چبا کر کھا گیا چوری کیلئے پاؤں سے چلنا ہاتھ سے اچکن اتارنا دوسرا ہاتھ جیب میں ڈالنا آنکھ سے دیکھنا منہ میں چھپانا چنے خرید کر دانتوں سے چبانا یہ تمام اعضا سے نامناسب حرکتیں ہیں تو پنڈت جی کے دین کا فیصلہ یہ ہے کہ اس پائی کے چور کے دونوں پاؤں کاٹ ڈالے جائیں دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں دونوں آنکھیں نکال ڈالی جائیں سب دانت توڑ دیئے جائیں اور کان جن میں پائی چھپائی تھی انکو کاٹ ڈالا جائے۔ اب بتائیں پنڈت جی کہ یہ سزا قدر عمل

ہوئی یا اس سے زائد۔ ایک پائی چوری اور اسمیں ہاتھ پاؤں کی تھوڑی سی جنبش جو زیادہ
سے زیادہ دو ایک منٹ رہی ہو اسکی سزا ہمیشہ کیلئے اتنے اعضا سے محروم کر دیا جائے۔ پنڈت
جی کے اصول سے بہت زیادہ سزا یہ ہونی چاہئے تھی کہ ایک پائی لے لی جاتی پاؤں کو ایک
گھنٹہ چلا کر تھکا دیا جاتا ہاتھوں سے کچھ ورزش کرا لیجاتی دانتوں کو تھوڑی دیر کیلئے کچھ کام
بتا دیا جاتا آنکھیں چند منٹ بند کرا دی جاتیں۔ یہ تو بہت زیادہ کی صورت میں ہے ورنہ
پورے طور پر تو پنڈت جی کے اصول کی متابعت یہی ہے کہ جتنی دیر چور کے اعضا نامناسب
حرکات میں مشغول رہے اتنی ہی دیر انکو اسی قدر تکلیف دے لیجائے جتنا عمل انہوں نے
کیا تھا لیکن پنڈت جی اپنے اس اصول پر عامل نہیں ہیں اور انکا دین یہ سزا نہیں تجویز
کرتا بلکہ ایسی سخت سزا تجویز کی گئی ہے جسے پنڈت جی انصاف کریں تو انکو کہنا ہوگا کہ ظلم و
ستم کے پہاڑ توڑ ڈالے سزاؤں کے سلسلہ میں پنڈت جی نے اور بھی بہت سی عجیب و غریب
سزائیں لکھی ہیں جو سب کی سب عقلا کے نزدیک قابل اعتراض ہونیکے علاوہ خود پنڈت
جی کے اصول سے ظلم عظیم ہیں۔ پنڈت جی اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ معمولی آدمی کی نسبت
راجہ کو ہزار گنی سزا ہونی چاہئے۔ آپکے دین کی تعلیم یہ ہے اسی پر ناز ہے اگر کسی معمولی آدمی کسی کو
قتل کرے تو اسکی سزا قتل ہے اور راجہ کسی کو قتل کر دے تو اسکی ہزار گنی سزا کیا ہے۔ کیا اسکا
تمام کنبہ قبیلہ قوم برادری سب تلوار کے گھاٹ اتار دی جائے۔ بات ایسی تو کہی جاتی جو ممکن
ہوتی قانون سزا دھرم کا مقرر کیا ہوا اور اتنا لچر پوچ جس پر عمل ناممکن پھر ہزار گنا زیادہ
ہوا تو سزا قدر عمل کہاں ہوئی غرض پنڈت جی کا یہ اصول کہیں نہیں ٹھہرتا اب پنڈت جی کے
اعتقاد کے مطابق خاص ایشور کی دی ہوئی سزاؤں کا نمونہ بھی ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے
کہ ایشور کے پاس بھی پنڈت جی ترازو موجود ہے یا بقول پنڈت جی کے وہاں اندھیر کھاتہ
ہی ہو رہا ہے دیکھئے منوسمرتی بارھواں ادھیا ص ۳۴۶ سوائے مصیبت کی حالت کے
عام حالتوں میں اپنے کرموں کے چھوڑ دینے سے چار خراب جسموں میں جنم لیتے ہیں اور

دشمنوں کے غلام ہوتے ہیں۔ اگر کوئی پنڈت اپنے اشغال ترک کر دے تو اول تو اس پر ایشور کو اعتراض ہی نہیں ہونا چاہئے کیونکہ جب وہ کچھ دے نہیں سکتا بگاڑ نہیں سکتا عطا کا مالک نہیں داد و دہش سے مجبور ہے جیسا کہ پنڈت جی کا عقیدہ ہے تو اپنی عبادت کیوں کراتا ہے اور نہ کرنے پر سزا کیوں دیتا ہے۔ جب پیدا کرنا انسان کا بنانا عقل و خرد دینا زندگی تندرستی سب پچھلے ہی کاموں کا نتیجہ ہے اس میں ایشور کا کچھ بھی دخل نہیں اس نے کچھ بھی نہیں دیا کوئی محنت و احسان اسکا نہیں تو اسپر شکر گزاری کیسی اور اسکے ترک پر سزا کا اسکو کیا حق ہم ایک مزدور رکھیں دن بھر وہ کام کرے شام کے وقت اسکو ٹھہری ہوئی مزدوری دے دیں تو ہمیں کیا حق ہے کہ اسکے اوپر ایک گھنٹہ اپنی تعریف کرنیکا جرم بھی عائد کریں اور ہماری خوشامد نہ کرے تو ایک کی جگہ چار دن تک اسے قید کر رکھیں اس سے بڑھکر اور ظلم کیا ہوگا اب فرض کیجئے کہ پنڈت جی اپنے اصول اور عقل کیخلاف مجبور اور بیکار ایشور کی عبادت کو لازم اعتقاد کریں اور اسکے ترک کو گناہ جانیں تو ایک جون کے کسی حصہ کے گناہ کی سزا دوسری جون کے اسی قدر حصہ میں ہونی چاہئے نہ کہ اکھٹے چار جونوں میں اب وہ اپنے الغور کی نسبت فرمائیں اور اپنی منوسمرتی پر حکم لگائیں یہ کہاں کی عاقلانہ تعلیم ہے۔

سزاؤں کا سلسلہ پنڈت جی کی دینی کتابوں سے اگر پیش کیا جائے تو دنیا متحیر ہو جائے اور جو قوم ان کتابوں پر ایمان رکھتی ہے اسکی عقل و دانائی پر افسوس کرے مگر پنڈت جی کو انکے اصول کی نارسائی دکھلانیکے لئے اسی قدر مثالیں کافی ہیں۔ یہ مثالیں تو ہم نے سزاؤں کی دیں کہ ان میں تساوی اور مقدار کا برابر ہونا پنڈت جی کو دینی تعلیم کے خلاف ہے اور جزا میں زیادتی اور انعام و عطا تو ہر کریم النفس انسان بھی قابل ستائش سمجھتا ہے اس پر اعتراض عقل و انصاف سے بیگانگی اور محرومی ہے اسکے علاوہ پنڈت جی کی بہت فاحش غلطی یہ ہے کہ وہ غیر متناہی نیکی و بدی کے معنی ہی نہیں سمجھے اور ہر وہ

شخص جو معرفت الٰہی سے محروم ہو ایسی غلطی کا مرتکب ہوتا ہے پنڈت جی کی لفظی غلطیوں
سے میں قطع نظر کرتا ہوں جیسا کہ انھوں نے اسی اعتراض میں لکھا ہے کہ جیو غیر متناہی گناہ
وثواب کرنیکی طاقت نہیں رکھتے اس میں گناہ کا قابل ثواب کو قرار دینا اور ثواب جو جزا کے
معنی میں ہے اسکو روح کا فعل بتانا ایسی غلطی ہے جسکو شہر کا رہنے والا صحبت یافتہ جاہل
بھی پکڑ سکتا ہے ثواب کا مقابل عذاب تھا اور گناہ کا مقابل نیکی لیکن ایسے اغلاط پنڈت
صاحب کے کلام میں اس کثرت سے ہیں کہ انکے شمار کرتے میں بہت طول ہوگا اسلئے میں
معنوی زبردست غلطی کا ذکر کرتا ہوں جو دینی پیشوائی کے مدعی اور متناہی اور غیر متناہی
گناہ کے معنی نہ سمجھے اور یہ کہہ دے کہ جیو غیر متناہی گناہ وثواب کرنیکی طاقت نہیں رکھتے انکے
نزدیک غیر متناہی عمل کے یہ معنی ہیں کہ وہ غیر متناہی زمانہ میں کیا جائے۔ اسکا بطلان تو
اوپر کی تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ نیکی اور بدی کی بڑائی اور چھوٹائی زمانہ کے اور وقت پر موقوف
نہیں ہے کسی کی بیمار پرسی کیلئے ایک ہزار میل کا سفر کر کے جانا بہت وقت چاہتا ہے
مگر یہ عمل قلیل ہے اور قتل ایک آن میں ہو جاتا ہے مگر یہ عمل نہایت سخت ہے تو عمل کا اعتبار
وقت پر کرنا نیکی اور بدی کی حقیقت سے ناآشنائی ہے جو شخص اتنا بھی نہیں جانتا وہ اعمال
صالحہ وقبیحہ کا کس طرح معلم وحکیم ہو سکتا ہے عمل کا اعتبار بلحاظ اثر ونتیجہ اہم ہوگا اتنی ہی
عمل میں اہمیت ہے اور جتنا ہلکا ہوگا اتنا ہی عمل خفیف ہے چاہے اس میں وقت کتنا ہی
صرف ہو گیا ہو۔ ایک شخص جو پروردگار عالم کے غیر متناہی وجود غیر متناہی علم غیر متناہی قدرت
اور غیر متناہی کمالات کا قائل ومعتقد ہے اسکی یہ نیکی غیر متناہی کہنا حقیقت عمل سے ناواقفیت
ہے اسنے غیر متناہی وجود اور غیر متناہی کمالات کا انسان وا قرار کیا یہ متناہی کیسے ہو گیا اسی
طرح ایک خدا کا منکر معاذ اللہ اسکے غیر متناہی وجود اور غیر متناہی کمالات کا انکار کرتا ہے۔ تو
اسکی یہ بدی بھی غیر متناہی ہے پھر اس غیر متناہی عمل کی غیر متناہی جزا کیا قابل تعجب ہے اگر
پنڈت جی اس حقیقت کو سمجھتے تو اعتراض نہ کرتے مگر اعتراض کی بنا ناواقفیت ہے اسی سے

پنڈت جی کے دین کا بطلان بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسنے ایسے غیر متناہی اعمال کی غیر متناہی جزا تجویز نہیں کی اور اس دین میں وجود الٰہی کے انکار جیسا جرم بھی مستوجب سزا نہیں تو وہ دین کیا خدا شناسی بتائیگا خدا کا انکار آدمی ایک منٹ میں کر دیتا ہے تو پنڈت جی کے اصول سے اسکو ایک منٹ کی سزا ہونی چاہئیے یہ ہے خدا شناسی کی قدر جس دین کی یہ تعلیم ہو اسکو دین حق کون کہہ سکتا ہے۔ پنڈت جی کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ "اگر قیامت کی رات انصاف ہوگا تو انسانوں کے گناہ و ثواب مساوی ہونا چاہئیں"۔ قیامت کو رات بتانا دن کو رات کہنا ہے۔ قرآن پاک میں یوم القیٰمۃ آیا ہے۔ پنڈت جی کے علم کی حالت ہے کہ یوم کو رات سمجھتے ہیں اس فہم و فراست سے جو اعتراض کیا جائیگا اسکی حقیقت عقلا خود سمجھ لیں۔ اب رہی یہ بات کہ انصاف کے وقت نیکی اور بدی کا مساوی ہونا ضروری ہے اس پر کیا دلیل اگر مخلوق کا رجحان بدی کیطرف زیادہ ہو جیسا کہ دیکھا بھی جاتا ہے اور خود پنڈت جی کے عقیدے کے اعتبار سے بھی دنیا میں انکے عقیدے اور مسلک کے لوگ بہت ہی کم ہیں تو کبھی انصاف کا وقت نہ آنا چاہئیے یہ عجیب دانائی ہے کہ اگر بدکاری کی گرم بازاری ہو اور دنیا کے لوگ رات دن فساد و فتنہ شرارت بدمعاشی میں مشغول ہوں اور نیکیاں بہت ہی کم ہوں تو کبھی انصاف ہی نہ کیا جائے تمام بدمعاش آزاد سارے بدچلن مطمئن انصاف تو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ نیکیوں کی تعداد کم ہے اور اگر نیکیوں کی تعداد زیادہ ہو جائے اور دنیا کا عام رجحان خدا پرستی کی طرف ہو۔ بدی بہت کم رہ جائے تو بھی نیکی بدی کی مساوات نہ ہوئی عبادت کرنیوالے عبادت کرتے کرتے مر جائیں مگر پنڈت جی کے قانون سے انصاف نہ ہوگا تو صاف ہی نہ کہیے کہ ایشور کے یہاں انصاف ہی نہیں یہ اسلام پر تو اعتراض نہ ہوا مگر اس سے پنڈت جی کے دین کی معقولیت کا اظہار ہو گیا۔

پنڈت جی کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ "مسلمان لوگ دنیا کی پیدائش سات آٹھ ہزار برسوں سے بھی کم بتاتے ہیں کیا اس سے پیشتر خدا نکما بیٹھا رہا تھا"۔ پنڈت جی کے اعتراضات

انکی اور انکے دین کی حقیقت ظاہر کرنیکا پورا معیار ہیں۔ عاقل انسان ان پر غور کرے تو
سمجھ سکتا ہے کہ اس شخص کو خدا شناسی کی ہوا بھی نہیں لگی۔ نکما بیٹھا رہتا کیا معنی نکما کس کو
کہتے ہیں کیا پنڈت جی کے نزدیک خدا کیلئے دنیا کو پیدا کرنا ہی ایک کام ہے اور جب یہ کام
نہ ہو تو پرورد گار نکما ہو جاتا ہے یہ بات ہے تو پرلے میں کیا ہوتا ہے اس زمانہ میں آپکے نزدیک
ایشور نکما رہتا ہے اگر عیب ہے تو اسکی کوئی صفت بھی معطل نہیں ہو سکتی پھر ابتدائے عالم
میں وید کا بھیجنا رشیوں کو الہام کرنا انہیں بغیر ماں باپ کے جوان جوان پیدا کرنا یہ تمام صفتیں
معطل ہو گئیں ایک دفعہ چند انسان بے ماں باپ کے جوان جوان پیدا ہو گئے پھر وہ قدرت باقی
رہی یا بقول پنڈت جی کے بیکار و نکمی پڑی ہے اور کسی کام میں لگے رہنے کیلئے کیا الغرض مجبور
ہے اس پر پابندی کون عائد کرتا ہے اسکا حاکم اور اس سے بازپرس کرنیوالا کسکو تجویز کیا
ہے اور کیا دنیا کے پیدا کرنے میں ایشور کو رات دن محنت اٹھانی پڑتی ہے اور برابر کام میں
لگا رہتا ہے یہی اسکی قدرت مطلقہ ہے اسلام نے تو یہ بتایا کہ ایک کن سے چاہے تو ایک عالم
پیدا کر دے۔ سمجھئے کہ آپ قدرت الٰہی کو نہیں سمجھے اور آپنے اسکو اپنے اوپر قیاس کیا تو کس طرح
آپ راہ راست پر پہنچ سکتے ہیں۔ پنڈت جی نے ان اعتراضات کے سلسلہ میں جو دلآزار اور بے
ادب کلمات استعمال کئے ہیں انکی داد انکے شائستہ معتقدین ہی دیں اور سمجھیں کہ دینی پیشوا کی
تو بڑی چیز ہے کسی مہذب اور شائستہ انسان کیلئے بھی ایسا طریق گفتگو اپنے برابر والے کے حق
میں روا نہیں ہو سکتا ہے چہ جائیکہ جناب الٰہی میں ایسے گستاخانہ انداز سے قلم اٹھانا۔

پنڈت جی کا ترجمہ:۔ اور جب لیا ہم نے عہد تمہارا نہ ڈالو تم لہو اپنے آپس کے اور
نہ نکالو کسی آپس کو گھروں اپنے سے پھر قرار کیا تم نے اور تم شاہد ہو پھر تم وہ لوگ
ہو کہ مار ڈالتے ہو آپس اپنے کو اور نکال دیتے ہو ایک فرقہ کو آپ میں سے گھروں انکے سے

اعتراض:۔ پہلا اقرار کرنا اور کرانا محدود العقل آدمیوں کی بات ہے یا خدا کی
جب خدا ہمہ داں ہے تو ایسی بیہودہ باتیں دنیا داروں کی مانند کیوں کریگا۔ آپس میں

ہونہ بہانا اور اپنے ہم مذہبوں کو گھر سے نہ لگانا اور دوسرے مذہب والوں کا لہو بہانا اور
گھر سے انہیں نکالدینا بھلا کونسی اچھی بات ہے یہ بے علمی اور طرفداری سے بھری ہوئی فضول
بات ہے کیا خدا پہلے ہی سے نہیں جانتا تھا کہ یہ اقرار کے خلاف کرینگے اس سے واضح ہوتا
ہے کہ مسلمانوں کا خدا بھی عیسائیوں کے خدا کی بہت صفات رکھتا ہے اور یہ قرآن دوسری
کتاب کا محتاج ہے کیونکہ اسکی تھوڑی سی باتوں کو چھوڑکر باقی سب بائبل کی سی ہیں۔
جواب :- پنڈت جی کا یہ اعتراض آیہ کریمہ واذ اخذنا میثاقکم لا تسفکون
دماءکم ولا تخرجون انفسکم من دیارکم اس آیت کا ترجمہ پنڈت صاحب نے
کیا ہے نہایت غلط ہے جس شخص کو ترجمہ بھی نہ آتا ہو وہ مطلب کیا سمجھے گا اور جو مطلب نہ
سمجھے اسکا اعتراض کرنا اپنے جہل یا جنون کا اقرار ہے جب کلام سمجھا ہی نہیں اور متکلم کی
مراد پر وقوف اور آگاہی حاصل ہی نہیں ہوئی پھر بھی اعتراض کیلئے منہ پھیلا دینا کسی
سلیم العقل اور ذی علم انسان سے کسطرح ممکن ہے اور ایسے اعتراضوں سے کلام یا متکلم
عزت وشان میں کیا دھبہ لگ سکتا ہے۔ ایسے اعتراضات خود معترض کی جہل وسفاہت
کے برہان ہوتے ہیں۔ ابھی بات سمجھی نہیں اعتراض پہلے کردیا۔ ایسے شخص کو جو قوم اپنا
دینی پیشوا مانے اور اسکی ہر بات کے سامنے گردن نیاز جھکادے اور آنکھیں بند کرکے اس
کی تقلید کرے ایسی قوم کی حالت نہایت رحم اور قابل افسوس ہے کہ اس نے غلامی بھی
کی اور جانیں بھی قربان کیں مگر یہ نہ دیکھا کہ یہ فداکاری جس کے لئے کیجاتی ہے اسکا رنگ
روپ کیسا ہے اور وہ کس قابل ہے۔ پنڈت جی نے یہ کچھ انوکھا کام نہیں کیا ہے انکی عادت
ہی یہ ہے اور وہ ہمیشہ ہی غلط ترجمہ کرتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ جس پر پنڈت جی نے اپنی
عجیب وغریب عقلمندی سے اعتراض کیا ہے ہدایت ورہنمائی کا ایسا زبردست سرچشمہ
ہے جسنے دنیا کو سیراب کردیا اور فتنوں فسادوں کی آگ جس سے عالم انسانیت برباد ہورہا
تھا اسکے ایک ہی چھینٹے سے ٹھنڈی ہوگئی عرب کی اقوام میں جنگ کے شعلے بھڑک رہے

تھے اس خزرج کی شہرۂ عالم جنگ زور پر تھی عرب کے میدان بیرحمی کا منظر بنے ہوئے تھے
جہاں دوست دوستوں کو اور حلیف حلیفوں کو قتل اور جلاوطن کرتے تھے۔ ایک طوفان
برپا تھا جسکو ساکن کرنے کیلئے کوئی قوت کامیاب ہوتی نظر نہیں آتی تھی اس آیت کریمہ کے
ان چند جملوں نے بگڑے ہوئے دلوں کی اصلاح کر دی اور ایسے خونخوار بیرحموں کو پھر
انسانی شرافت کا جامہ عطا فرمایا جو اس سے عریاں ہو کر درندوں کو شرمندہ کر چکے تھے اور
جنکا ظلم و جفا دشمن سے گزر کر حلیفوں کے حلق پر خنجر ستم چلا رہا تھا اور انہیں اپنے حلیفوں
کا قتل و اخراج کچھ نامناسب نظر نہ آتا تھا تمام ملک میں کوئی مدبر اس جنگ کی بھڑکتی
آگ کو بجھا نہ سکا اور کسی کو اس فتنہ کے فرو کرنیکی ہمت و جرات نہ ہوئی مگر وہ اسلام جو تمام
عالم کیلئے مہر جہاں تاب ہے اس نے اپنی روشنی سے نورانی دل منور کر دیئے اور اس آیت
کے چند جملوں سے بہیمی اور سبعی زندگی کو شریفانہ حیات سے بدل دیا اور خونریز جنگ کو موقوف
کر کے صلح و امن کو رواج دیا عداوت و عناد کی جگہ سینوں میں ہمدردی و محبت کے
ولولے موجزن کر دیئے الحمد للہ علی کرمہ و احسانہ یہ وہ چیز تھی جس سے اندھوں کی
آنکھیں کھل گئیں کفار نے دیکھ لیا کہ حضور پر نور سرور انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
اشاروں میں قدرت الٰہیہ کے حیرت میں ڈالنے والے آثار نمایاں ہیں اور جن عقدوں کو
اعلیٰ مدبرین کی عقلیں لاینحل سمجھتی ہیں وہ ایک اشارۂ ابرو سے حل ہو جاتے ہیں اگر یہ
بھی مطلب سمجھئے اور انصاف سے کام لیجئے تو قرآن کریم کی ان آیات کا وہ زبردست اثر
نظر آرہا تھا اور قدرت الٰہی اور ارشاد ہدایت کا وہ منظر جلوہ گر تھا کہ اشہد ان لا الٰہ الا
اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ کی گواہی دیتے کے سوا دل کو کسی طرح چین ہی نہ
آتا تھا مگر جہاں مطلب تک رسائی نہ ہو حقیقت حال کیسے کھلے۔ آیۂ کریمہ کا انداز بیان ایسا
ہے جسپر فصاحت و بلاغت قربان ہوتی ہے اگر اسکی تفسیر کیجائے تو فصحاء حیران ہو جائیں
اور فصاحت وجد میں آجائے مگر اسکا بیان کسی ضمنی بحث میں ممکن نہیں۔ اسکے لئے ایک

مبسوط مضمون درکار ہے اجمال کیساتھ آپکو صرف لفظی ترجمہ پر ایک نظر ڈالنے کی دعوت دی
جاتی ہے کلام کی فصاحت اور اسلوب ارشاد و ہدایت کی لطافت سے لذت اٹھائیے اور
دیکھئے انداز کلام کسقدر بلند ہے - ارشاد فرمایا واذ اخذنا میثاقکم لا تسفکون دماءکم
ولا تخرجون انفسکم من دیارکم ثم اقررتم وانتم تشہدون اس آیت کا لفظی ترجمہ
ہے جب ہم نے تمہارا عہد لیا تم اپنے خون نہ بہاؤ گے اور اپنے آپکو اپنے دیار سے جلاوطن نہ
کرو گے پھر تم نے شہادت دیتے ہوئے اقرار کیا - یہ لفظی ترجمہ ہے اس پر ایک نظر ڈالئے پہلا
جملہ یہ ہے کہ ہم نے تم سے عہد لیا کہ تم اپنے خون نہ بہاؤ گے کیا پاکیزہ اسلوب ہدایت ہے
ایک چھوٹے سے جملہ میں قاتل کو قتل سے روکا جاتا ہے - قتل کی ممانعت اور ممانعت
اس شان سے کہ اس ممانعت سے بغیر کسی طویل عبارت کے قاتل کو اپنے فعل کی شناعت
بھی معلوم ہو جائے جس سے اسکا دل ارتکاب جرم سے نفرت کرنے لگے اور اسکا ثمرہ
نتیجہ بھی ظاہر ہو جائے تاکہ نفس انسانی مآل اندیشی کا خوگر ہو اور نتیجہ پر نظر ڈالکر اسکی عقل
اس کیلئے اقدام عمل بد سے زنجیر پا ہو جائے - یہ تمام باتیں اس ایک جملہ میں حاصل ہیں
یہ نہیں فرمایا گیا کہ حلیفوں کو نہ مارو یہ نہیں فرمایا گیا کہ دوسروں کو قتل نہ کرو کیونکہ عناد و عداوت
کے جذبات جو اپنی انتہائی اشتعال پر پہنچے ہوئے تھے اتنا کہنے سے ٹھنڈے نہیں ہو سکتے تھے
اور ہٹ اور ضد جو انکے ایسے حرکات کا باعث تھی صرف اتنا کہنے سے دب نہ سکتی کہ قاتل
کے سامنے خود اسکے اپنے حق میں کوئی خطرہ درپیش نہیں ہوا اسلئے ہادی برحق نے یہ فرمایا
لا تسفکون دماءکم تم اپنے خون نہ بہاؤ گے کیا معنی کہ غیر کا خون بہانا اتنا ہی نہیں ہے
کہ بہہ کر گزر جائے اور تم پر اسکا اثر نہ آئے بلکہ اگر آنکھ کھولو اور چشم حقیقت شناس سے
دیکھو تو تمہیں نظر آجائیگا کہ غیر کا قتل دینی اور دنیوی دونوں حیثیتوں سے بالآخر اپنا
قتل ہے اسکو مارو گے تو مارے جاؤ گے - دنیا میں اگر وہ تمہارا بالکل غیر تھا تو یا اسکے
رفقا تمہیں قتل کر دینگے یا حکومت کی تلوار تمہاری گردن اڑائیگی اور اگر وہ حلیف تھا

تو حلیفوں کے ساتھ ایسا سلوک دوسرے حلفار کیلئے سبق ہوگا کہ وہ تمہارے ساتھ ایسا ہی
سلوک کریں اسی طرح آخرت میں جہاں عمل کی جزا ملتی ہے تمہارا دوسرے کو قتل کرنا
تمہارے حق میں وبال ہوگا غرض کہ ہر طرح وہ خون بہانا تمہارے اپنے ہی لئے مضر ہے
اسلئے دوسرے کے خون بہانے کو اس عبارت سے منع کرتے ہیں کہ تم اپنا خون نہ بہاؤ کیونکہ
دوسرے کا خون بہانا اپنے خون بہانے کا سبب ہے سبحان اللہ کیا پاکیزہ ادا ہے اور کیا پاکیزہ
حسن بیان ہے کہ فصاحت کیلئے اسکے قدم چومنا عزت پاتی ہے۔

اس آیت پاک میں حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس
کے یہود کو خطاب فرما کر یاد دلایا گیا کہ انکے اباء سے عہد لیا گیا تھا کہ وہ باہم خونریزی نہ کریں
اور ایک دوسرے کو انکے دیار سے نہ نکالیں پھر انہوں نے اقرار کیا اور اس عہد کو قبول
کیا تھا اور تم اپنے اسلاف کے اقرار پر شاہد ہو۔ یہ تو آیت کا مختصر ترجمہ تھا جو اسلئے ذکر کر
دیا گیا کہ ناظرین معترض کے اعتراض پر نظر ڈالکر فیصلہ کر سکیں کہ وہ آیت کریمہ سے کہاں تک
علاقہ رکھتا ہے ورنہ آیت کریمہ کے لطائف و حکم تو بحر ذخار ہیں جن کیلئے دفاتر کافی نہیں
پنڈت جی نے اس آیت پر کیا اعتراض کئے ہیں اور وہ کہاں تک معقولیت رکھتے ہیں
اسپر غور فرمائیے پہلا اعتراض یہ ہے کہ "اقرار کرنا اور کرانا محدود العقل آدمیوں کی بات
ہے" یہ پنڈت جی کا نیا ہی قانون ہے جس پر نہ کوئی دلیل ہے نہ برہان نہ عقل میں آنے
کے قابل اقرار میں کیا عیب ہے اور اس سے اقرار لینے والے کی کیا کسر شان لازم آتی ہے
اور اقرار لینا کس لئے شان الٰہی کے خلاف ہے اسکی نہ کوئی وجہ پنڈت جی نے بیان کی
نہ بیان کر سکتے تھے یہ ایسا ہی اعتراض ہے جیسا کوئی شخص یہ کہے کہ آفتاب میں روشنی
ہونا بہت ہی بڑا عیب ہے جب پنڈت کو اقرار عیب معلوم ہوتا ہے تو نیک اور بد
کی تلقین کو وہ کیوں جائز رکھتے ہیں کسی کو راہ نیک کا بتانا اور بدی سے بچنے کی ہدایت کرنا
یہ بھی شان الٰہی کے لائق ہے یا نہیں ہے اگر یہ بات شان الٰہی کے لائق ہو تو اقرار پر کیا

اعتراض ہے اقرار بھی تو اسی کی تائید ہے اور تعلیم و تلقین کا ایک ابلغ طریقہ ہے کہ راہ صواب بتا کر اقرار بھی لے لیا جائے بات خوب موکد ہو جائے حجت اتمام کو پہنچے جو دین نیکیوں کو پھیلانے والا ہو اور جسکا مقصود فتنہ و فساد کا مٹانا ہو ضرور ہے کہ وہ اس مدعا کیلئے موثر اور زبردست طریقے عمل میں لائے اور دنیا کو نیک چلنی و پاکبازی کے عہد لیکر کجروی و گمراہی سے بچائے۔ اسلام میں بدیوں کو روکنے کا یہ اہتمام دیکھ کر ادیان کے مدعیان حقانیت کو پسینہ آجاتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کے اس طریقہ ہدایت دیکھ کر اگر دنیا نے جب سے سوال کیا کہ تم دنیا کی اصلاح و درستی کا دعویٰ تو کرتے ہو بتاؤ کہ تم نے مفاسد کو روکنے میں کبھی ایسی جد و جہد کی ہے کبھی ایسے عہد و پیمان لئے ہیں کبھی امن قائم کرنے اور شرارت کو روکنے کیلئے کوئی قول و قرار لیا ہے۔ اگر یہ کچھ نہیں کیا تو کس منہ سے تم اصلاح خلق کا دعویٰ کرتے ہو یہ سوچکر تمام باطل کار پریشان ہو جاتے ہیں اور ایسی مجبوری کی حالت میں پنڈت جی کی طرح ایسی غیر عاقلانہ بات زبان سے نکالنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اقرار کرنا اور کرانا محدود العقل آدمیوں کی بات ہے انسان ضرور محدود العقل ہے اور محدود العلم ہے لیکن کیا اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اسکے جملہ افعال قابل اعتراض ہو جائیں۔ سچ بولنا دیانتداری کرنا عدل و انصاف رحم و کرم یہ تمام باتیں انسانوں میں پائی جاتی ہیں تو کیا انسان کے محدود العقل ہونے سے اسکی یہ تمام خوبیاں عیب و قابل اعتراض قرار دی جائینگی سوامی جی کیا شور مچائی دیانتداری انصاف رحم و کرم کو اسلئے چھوڑ بیٹھے گا کہ محدود العقل آدمی ایسا کیا کرتے ہیں نیز آپ بھی انہیں محدود العقل آدمیوں میں سے ہیں اگر محدود العقل ہونے سے انسان کی سب باتیں بیجا ہو جاتی ہیں تو انکی کوئی بات کسطرح درست ہو سکے گی۔ آپنے یہ نہ سوچا کہ آپ آدمی ہیں محدود العقل ہیں نا محدود العلم پروردگار پر اعتراض کرنا کیسا شرمناک جرم ہے پنڈت جی نے اقرار کرنے کو بیہودہ بات بتایا ہے۔ تمام دنیا کے نزدیک مکرنا اور انکار کرنا عیب

ہے اور کسی بات کا سچائی کے ساتھ اقرار کر لینا عیب نہیں مگر پنڈت جی کی الٹی منطق میں اقرار کر لینا بیہودہ بات ہے ایسی بیہودہ باتیں اگر تلاش فرمائینگے انکو اس ذخیرہ میں بہت مل جائینگی جسکو وہ ایشور کا کلام اور الہامی بتاتے ہیں پنڈت جی کے ایسے لغو اعتراض ان کے ادعائے پیشوائی کی قلعی کھولتے ہیں۔

آیۂ کریمہ کا مضمون ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اس میں خونریزی و فتنہ انگیزی کو روکنے کی ابلغ ترین ہدایت ہے مگر پنڈت صاحب کو یہ بھی قابل اعتراض معلوم ہوئی انکے تعصب نے گوارا نہ کیا کہ ایسی پاکیزہ اور واضح تعلیم کو جسکی خوبی کا ہر فرد بشر معترف ہو اور جسکی پاکیزگی کی ہر ضمیر شہادت دے وہ بھی قابل تعریف تعلیم کو معیوب بنانے پر ابھارا مگر عیب نکالتے تو کسطرح نکالتے اسلئے انہوں نے آیۂ کریمہ کے مضمون کے ساتھ ایک فقرہ اپنی طرف سے لگا دیا جسکا آیۂ کریمہ میں نام نشان نہیں ہے۔ اور وہ فقرہ یہ ہے کہ دوسرے مذہب والوں کا لہو بہانا اور گھر سے انہیں نکالدینا بھلا کونسی اچھی بات ہے۔

اب پنڈت جی کے تمام ہوا خواہ ملکر تو بتائیں کہ اس آیت میں دوسرے مذہب والوں کے لہو بہانے اور انہیں گھر سے نکالنے کا کہاں حکم ہے جب قرآن پاک پر اعتراض کرنیوالا اقرار کرتا ہے تو مسلمانوں کے ایمانوں کو مزید تقویت ہوتی ہے کہ کتاب الٰہی کے کسی حرف پر اعتراض کرنیکی معاند دشمن کو جگہ نہ ملی اور وہ اپنا عناد نکالنے کیلئے افترا و بہتان کرنے پر مجبور ہوا۔

اس سلسلہ میں آپکا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ کیا خدا پہلے ہی سے نہیں جانتا تھا کہ یہ اقرار کیخلاف کرینگے بیشک خداوند عالم عالم الغیب والشہادہ ہے اسکا علم قدیم و ازلی ہے وہ ہر ایک بات کو ہمیشہ سے جانتا ہے لیکن بندوں سے نیکیوں کا اقرار لینا کس دلیل سے اس علم کے منافی ہے ذرا وہ دلیل بھی تو آپ بیان کرتے اگر پنڈت جی کے نزدیک یہ بات قابل اعتراض تھی تو انہیں پہلے یہ اعتراض وید پر کرنا چاہئے تھا کہ کیا ایشور

پہلے سے نہیں جانتا تھا کہ بندے نافرمانی کرینگے وید کی تعلیم کو نظر التفات سے نہ دیکھیں گے قرنوں تک وید برہمنوں کی جھولیوں میں پڑے رہینگے اور صدیوں تک اسپر عمل تو درکنار انکا ایک کلمہ بھی دنیا کی نظر کے سامنے نہ آئیگا اگر نہ جانتا تھا تو ایشور کیسا اور اگر جانتا تھا تو بقول پنڈت جی کے اس نے ایسا لغو اور عبث کام کیوں کیا پنڈت جی کو یہ بھی سوچنا چاہئے تھا کہ جو آدمی دنیا میں پیدا ہو کر پاپ (گناہ) کے کام کرتا ہے اور اسی میں اپنی عمر گزار دیتا ہے اور وہ پنڈت جی کے اعتقاد میں اپنے عملوں سے سور وغیرہ کی بدترین جون پانیکا مستحق ہوتا ہے اگر ایشور کو خبر نہ تھی کہ وہ انسانی جون میں جاکر ایسے پاپ کریگا جن کی پاداش سور کی جون ہے تو وہ ایشور ہی کیا ہوا اور اگر جانتا تھا تو پنڈت جی اپنے پیش کئے ہوئے معیار پر انکی کتاب اور انکا عین پورا نہیں اترتا۔

ترجمہ:- یہ وے لوگ ہیں کہ مول لیا دنیا کی زندگی کو بدلے آخرت کے پس نہ ہلکا کیا جائیگا ان سے عذاب اور نہ وے مدد کئے جائینگے۔ یہ ترجمہ پنڈت جی نے لکھا ہے آیت میں یہ مضمون ہے کہ کفار ایسے بے عقل اور حریص ہیں جنہوں نے دنیوی ناپائدار زندگی کی آسائش کو اختیار کیا اور خدا کی نافرمانی کر کے آخرت کی دائمی زندگی سے ہاتھ اٹھا بیٹھے انکے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی اور نہ دنیا کی طرح مصیبت کے وقت وہاں انکا کوئی مددگار ہوگا جو انہیں اس عذاب سے چھڑا سکے۔ اس پر پنڈت جی یہ اعتراض کرتے ہیں۔

اعتراض:- بھلا ایسی نفرت و حسد کی باتیں کبھی خدا کی طرف سے ہو سکتی ہیں جن لوگوں کے گناہ ہلکے کئے جائینگے یا جنکو مدد دی جائیگی وے کون لوگ ہیں؟ اگر وے گنہگار ہیں اور گناہ ہونگے بلا سزا دیئے ہلکے کئے جائینگے تو بے انصافی ہے جو سزا دیکر ہلکے کئے جائینگے تو جنکا بیان اس آیت میں ہے یہ بھی سزا پاکر ہلکے ہو سکتے ہیں اور سزا دیکر بھی ہلکے نہ کئے جاوینگے تو بھی بے انصافی ہوگی اگر گناہوں سے ہلکے کئے جانیوالوں سے مطلب پرہیزگاروں سے ہے تو انکے گناہ تو آپ ہی ہلکے ہیں خدا کیا کریگا؟۔

جواب!- معترض اپنی جہالت و نادانی کے باوجود مغرور بلکہ اپنے آپکو ہمہ داں سمجھتا

اور درحقیقت ایسے لایعنی اعتراض کوئی لکھا پڑھا آدمی کر ہی نہیں سکتا۔

اسکا اعتراض جیسا کچھ بھی ہے وہ صرف اتنی بات پر ہے کہ بعض لوگوں کے عذاب میں تخفیف کیجائیگی اور انہیں مدد دی جائیگی مگر نادان معترض سے پوچھئے یہ مضمون اس آیت میں کہاں ہے معلوم نہیں معترض نے خواب میں دیکھا یا کسی خمار میں لکھ مارا۔ ایسے معترض اور ایسے اعتراض کو وہی لوگ قبول کر سکتے ہیں جنکی بصیرت کی روشنی بالکل زائل ہو چکی ہے یہ ایک جہالت ہوئی، معترض کی دوسری جہالت یہ ہے کہ وہ ایسی پاکیزہ تعلیم کو حسد بتاتا ہے جو بدکرداری سے روکنے والی ہے اور جسمیں سیاہ کاروں کو انکے اعمال کے نتیجہ سے باخبر کیا گیا ہے اگر یہ حسد ہو تو دنیا کے تمام قانون حسد ہو جائیں جنمیں مجرموں کی سزا کا بیان ہوتا ہے اور خود پنڈت اور اسکے دین کے تمام احکام اسکو حسد ماننے پڑیں گے بریں عقل و دانش بباید گریست۔

تیسری جہالت یہ ہے کہ آیت میں یہ بیان ہے کہ انکے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی۔ پنڈت نے اعتراض میں گناہ کی تخفیف پر نکتہ چینی کی ہے آجتک اسکو گناہ اور عذاب کا فرق معلوم نہیں چوتھی جہالت یہ کہ تمام مجرموں کو ایک درجہ میں رکھنا چاہتا ہے خواہ انکے جرموں میں کیسا ہی عظیم فرق ہو۔ اسکے نزدیک اگر انتہا درجہ کے سنگین جرم کی سزا میں تخفیف نہیں ہو سکتی تو معمولی جرم کی سزا بھی ایسی ہی ہونی چاہیئے یہ کہاں کی عقلمندی ہے دنیا کے قانون میں بھی ایک جرم کی سزا حبس دوام ہوتی ہے جس سے کبھی رہائی نہیں ہوتی لیکن معمولی جرائم کی سزا ایسی نہیں ہوتی تو پنڈت صاحب کے نزدیک یہ حسد ہے۔ ایک آدمی نے قتل کیا وہ مجرم ہے ایک نے کسی کے چپت مار دیا وہ بھی مجرم ہے پنڈت جی کے نزدیک اگر قاتل کی سزا میں کبھی تخفیف نہ ہو اور اسکو حبس دوام کیا جائے تو چپت مارنیوالے کی سزا بھی ایسی ہی ہونا چاہیئے ورنہ حسد ہوگا۔ جن لوگوں نے کفر کیا اور خدا کے منکر ہو گئے انکا جرم معمولی گنہگاروں کی سزا کے برابر کیسے ہو سکتا ہے مگر شوق اعتراض میں عقل سے دشمنی کر لی اسکے علاوہ اور بھی جہالتیں ہیں اور تمام اعتراض جہالتوں کا طومار ہیں۔

اعتراض ۱۹:- اور بالتحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پیچھے ہم پیغمبروں کو لائے اور دیئے ہم نے عیسیٰ بن مریم کو معجزے ظاہر اور قوت دی ہم نے اسکو ساتھ روح پاک کے پھر بھلا جب آیا تمہارے پاس پیغمبر ساتھ اس چیز کے کہ نہیں چاہتے جی تمہارے تکبر کیا تم نے پس ایک فرقہ کو جھٹلایا تم نے اور ایک فرقہ کو مار ڈالتے (منزل اول سپارہ اول سورۃ البقر آیت ۸۷)

محقق:- جب قرآن میں شہادت ہے کہ موسیٰ کو کتاب دی تو اسکا ماننا مسلمانوں کیلئے لازم آیا اور جو جو اس کتاب میں نقص ہیں وے بھی مسلمانوں کے مذہب میں آگئے اور معجزے کی باتیں سب فضول ہیں اور روح مسلمانوں کے بہکانے کیواسطے گھڑی گئی ہیں کیونکہ قانون قدرت اور علم کے برخلاف تمام باتیں جھوٹی ہی ہوا کرتی ہیں اور اگر اس وقت معجزے تھے تو اب کیوں نہیں ہوئے چونکہ اسوقت نہیں ہوتے اسوقت بھی نہیں ہوتے تھے اسمیں کچھ بھی شک نہیں۔

جواب! حضرت موسےٰ علیہ السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیاء کے کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ پنڈت جی کو کیا وہم ہوا جو کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی کتاب کا ماننا مسلمانوں کیلئے لازم آیا یہ تو مسلمان ہونیکے لئے لازم ہے جو ان کتب الہیہ نہ مانے مسلمان نہیں بیشک قرآن پاک میں کتب انبیاء کی شہادتیں ہیں اور ہم ان تمام کتب پر ایمان رکھتے ہیں اب اس میں اعتراض کیا ہے پنڈت جی نے بھی سوچا کہ یہ بات کچھ اعتراض کی تھی نہیں تو آپنے حسب عادت اپنی طرف سے ایک بہتان جوڑ کر اسکے ساتھ شامل کر دیا وہ یہ کہ جو جو اس کتاب میں نقص ہیں وے بھی مسلمانوں کے مذہب میں آگئے۔ پنڈت جی کو تو اتنی سمجھ ہوگی اور جب وہ معترض بنے ہیں تو اتنا بھی جانتے ہونگے کہ یہود و نصاریٰ نے کتب الہیہ میں جو تحریفیں کیں اور اپنی ہوائے نفسانی سے مضامین بدلکر کچھ کے کچھ کر ڈالے اس پر قرآن پاک نے ان کی گرفت فرمائی تو یہود و نصاریٰ کی تحریفات تو کتاب الٰہی ہے نہیں کتاب الٰہی وہی چیز ہے جو اللہ تعالےٰ نے اپنے انبیاء پر نازل فرمائی اس میں نقص بتانا پرلے سرے کا کمینہ طوفان ہے۔ قرآن پاک میں اگر یہ بتایا گیا ہوتا کہ ان کتابوں میں نقص ہے معاذاللہ تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ قرآن پاک نے ان کتابوں میں

نقص بھی بتایا اور پھر مسلمان مانتے ہی ہیں تو اس سے ان کے دین میں نقص لازم آیا مگر قرآن پاک تو ان کتابوں کو ہدایت و رحمت فرماتا ہے یہ نقص پنڈت کا اپنا ہے جو دوسروں کی طرف منسوب کرتا ہے اسطرح کے تعصب سے جو اعتراض کئے جائیں وہ شہادت دیتے ہیں کہ معترض انسانی فضیلت اور ضمیر کی صفائی سے محروم ہے اسکے بعد پنڈت نے کہا ہے کہ معجزے کی باتیں سب فضول ہیں کیسا جاہلانہ انکار ہے واقعات جو خبر صادق سے ثابت ہو جائیں اور کروڑوں معاندین خود اس زمانہ کے انکی صحت میں کلام نہ کر سکیں انکو یہ کہہ دینا کہ سب فضول ہے کہاں کی دانشمندی ہے یہ کلمہ ہر جاہل ہر چیز کی نسبت کہہ سکتا ہے تو کیا اس سے واقعات کے ثبوت اور صداقت میں کوئی کمزوری آ سکتی ہے۔ اب رہا یہ کہنا کہ معجزات کا قانون قدرت کے خلاف ہیں۔ یہ اور زیادہ جہل کی بات ہے خداوند عالم کیلئے قدرت و اختیار کے حدود معین کرنیکا دعوے شان عبدیت کے بالکل خلاف ہے اس شخص کو خدا شناسی کی ہوا ہی نہیں لگی جو ایسی لغو بیہودہ بات زبان پر لائے کبھی پنڈت جی نے قانون قدرت کی کوئی کتاب دیکھی ہے جس میں خدائی اختیار کیلئے حدود معین کئے گئے ہوں۔ یہ بات کیا کہتے ہیں اور پھر اپنے گریبان میں منہ نہیں ڈالا جاتا کہ ابتدائے دنیا میں ہزاروں جوان جوان آدمیوں کا بے ماں باپ کے زمین سے پیدا ہونا تسلیم کر کے اپنے قانون قدرت کی کیسی بیخ کنی کی وہاں پنڈت جی کیوں نہیں کہتے کہ اگر اس وقت آدمی بے ماں باپ کے پیدا ہوتے تھے تو اب کیوں نہیں ہوتے چونکہ اب نہیں ہوتے اسلئے اس وقت بھی نہیں ہوئے تھے۔ یہ پنڈت جی ہی کے کلمے ہیں جو انہوں نے معجزہ کی نسبت کہے ہیں مگر عائد ہوتے ہیں ان ہی کے عقیدے پر۔ یہ تو بڑی جاہلانہ بات ہے کہ جو چیز آپ نے اپنے زمانہ میں ہوتی ہوئی نہیں دیکھی اسکی نسبت انکار کر دیا کہ کبھی ہوئی ہی نہیں۔ وید کا الہام آپکے عقیدہ میں آج کسی کو نہیں ہوتا تو آپ مانئے کہ پہلے بھی کسی کو نہیں ہوتا تھا کیونکہ آپنے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ جو چیز اب نہیں ہوتی وہ پہلے بھی نہیں ہوئی۔ یہ اعتراض تو پنڈت جی کے دین و مذہب کا خاتمہ ہی کر دیتا ہے اور ہم پر اسکا کچھ بھی

اثر نہیں کیونکہ اول تو اسکے سب مقدمات باطل اور اس سے قطع نظر ثبوت قطعی یا اخبار متواتر موجود اور ہزاروں معجزوں کے آثار ابتک باقی انکار کرنیوالا کہاں انکار کریگا اور پھر انکے بعد تو اولیاء کی کرامتیں اسوقت بھی معائنے میں آرہی ہیں۔ امروہہ ضلع مراد آباد میں شاہ ولایت صاحب کے مزار پر بے انتہا بچھو ہیں، اینٹ اٹھایئے بچھو نکل آئیگا مگر احاطہ درگاہ میں ممکن نہیں کہ وہ بچھو کسی کے کاٹ لے بچھوؤں کے ہار بناکر گلے میں ڈال لیتے ہیں ہاتھوں میں لئے پھرتے ہیں ڈنک پر ہاتھ رکھدیتے ہیں مگر وہ اپنا ڈنک موڑتا چلا جاتا ہے مجال نہیں کہ کاٹے پھر وہاں سے کسی محدود عرصہ کی اجازت لیکر آپ بچھو کو جس مقام پر چاہئے لیجایئے اس میعاد کے اندر ہرگز نہ کاٹے گا۔

ہزاروں کرامتیں اولیاء کی آج معائنہ کیجاتی ہیں۔ انکار کرنیوالا پنڈت آئے اندر گھسے اور ایمان لائے۔

اعتراض ۷۲۰: جسطرح تم غیر مذہب والوں کو کافر کہتے ہو اسی طرح کیا وے تمہیں کافر نہیں کہتے اور وہ اپنے مذہب کے خدا کی طرف سے تمہیں لعنت دیتے ہیں پھر کہو کون سچا اور کون جھوٹا ہے جب غور سے دیکھتے ہیں تو سب مذہب والوں میں جھوٹ پایا جاتا ہے اور جو سچ ہے وہ سب میں یکساں ہے۔ (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۶۲۹)

جواب: آیت میں یہ مضمون تھا کہ یہود و نصاریٰ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت مبارک کیوقت تک حضور کے نام پاک کے توسل سے مصیبت کیوقتوں میں دعائیں کیا کرتے تھے اور اپنے دشمن مشرکین کے مقابلہ میں فتح حاصل کرنیکے لئے اس نام کے ذریعہ مدد طلب کرتے تھے اور کامیاب ہوتے تھے حضور کے ظہور نبوت تک تو انکی عقیدت کا یہ حال تھا اور یہ حضور کے نام پاک کی برکت کا معتقد تھا اور انہیں تجربے حاصل تھے کہ اس نام پاک کے توسل سے فتح وکامیابی حاصل ہوتی ہے لیکن جس وقت وہی جانے اور پہچانے ہوئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سریر نبوت پر جلوہ فرما ہوئے اور آفتاب رسالت کی چمک

انہوں نے جہاں کو منور کیا تو حسد و عناد سے یہ لوگ جل مرے اور حضور کے ساتھ کفر کر بیٹھے۔ اس آیت میں کفار کی نابینائی اور انکے کمال عناد کا بیان ہے کہ حضور کے ظہور سے قبل تو نام پاک کا ورد و وظیفہ رکھتے تھے چاہیے تھا کہ ظہور کے وقت اس نعمت عظمیٰ کی دل سے قدر کرتے اسلام لانے میں دوسروں سے سبقت کرتے ایسا نہیں کیا جان پہچان کر حضور کے فضائل و کمالات کا مدتوں اعتراف کرنیکے بعد ظہور کیوقت منکر ہو گئے اور حسد ور آنکھوں سے حضور انور کی سیادت و اقبال کا جلوہ نہ دیکھا گیا اور اس دشمنی میں انہوں نے اپنی عاقبت خراب کر لی اور کفر جیسی تاریکی میں گرفتار ہو گئے۔ ایسے معاندین بیشمار لعنت و ملامت کے مستحق ہیں اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہود و نصاریٰ نے توریت و انجیل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور آپکی تشریف آوری کی خبریں پڑھکر مدتوں آپکا انتظار کیا مشکلوں میں آپکے نام کی برکت سے فائدے اٹھائے۔ باوجود اسکے آپکی تشریف آوری کے وقت منکر ہو گئے انکا یہ کفر انکے اپنے اعتراف و اقرار سے انکے حق میں موجب ملامت ہے اور اس ملامت کو کوئی صاحب عقل و انصاف نظر اعتراض سے نہیں دیکھ سکتا۔ پنڈت صاحب نے حسب عادت ان تمام واقعات سے نظر بچا کر ایک نہایت بھونڈا اعتراض کر دیا کہ جسطرح تم غیر مذہب والوں کو کافر کہتے ہو اسی طرح وہ تم کو کافر نہیں کہتے۔

اول تو الحمد للہ تمام زمانہ کے کافر یہود و نصاریٰ مجوس ہنود وغیرہ کوئی بھی مسلمانوں کو کافر نہیں کہتا۔ پنڈت صاحب کا اعتراض تو یہیں ختم ہو گیا۔ اب ذرا انکے علم و قابلیت پر بھی تو نظر ڈال لیجئے تو کیا اگر اور مذہب والے بھی مسلمانوں کو کافر کہتے تو دونوں کا قول غلط ہو جاتا جیسا کہ پنڈت جی نے لکھا ہے۔ یہ لزوم انہوں نے کہاں سے نکالا اور اسپر انکے پاس کیا دلیل ہے کیا دو مخالفوں میں اگر ہر ایک دوسرے کی تکذیب کرتا ہو تو پنڈت صاحب کے نزدیک دونوں کا جھوٹا ہونا لازم ہے کچہری میں جو مقدمات پیش ہوتے ہیں ان میں بالعموم ہر فریق دوسرے کو جھٹلاتا ہے تو کیا کسی مجسٹریٹ کیلئے یہ فیصلہ

لکھنا جائز ہوگا مگر چونکہ ہر دو فریق ایک دوسرے کو جھٹلاتے ہیں لہٰذا دونوں جھوٹے ہیں مقدمہ خارج اگر پنڈت جی کسی دیوانی کی کچہری کے حاکم یا کسی مالی تنازعہ کے پنچ اور ثالث بنا دیئے جائے تو وہ یہی فیصلہ لکھتے کہ فریقین میں سے ہر ایک زمین یا مکان کو اپنی ملک بتاتا ہے اور دوسرے کی ملکیت کا انکار کرتا ہے۔ لہٰذا دونوں جھوٹے ہیں مال یار و نکا۔ پنڈت جی نے یہ بات کیا سمجھ کر لکھی۔ اگر ایک نابینا کو کوئی اندھا کہے اور وہ نابینا جواب میں اسکو اندھا کہدے تو تمہیں اندھا کہتا ہے لہٰذا دونوں جھوٹے ہوئے لیکن کسی صاحب عقل سے پوچھئے کہ پنڈت جی کی اس بات میں کتنی سچائی ہے کسی شخص کے واقعی جرم پر گرفت کرنے کے بعد اگر وہ طیش میں آکر گرفت کرنیوالے کو گالی دے اور وہی لفظ کہے تو گیا اس سے وہ مجرم بے گناہ ہو جائیگا اور یہ اتہام اسکی برأت کی دلیل قرار پائیگا ایک آوارہ اور بدچلن شخص کو اگر کوئی شخص بدمعاش کہے تو محض اسکے کہدینے سے ناصح بدمعاش بن جائیگا یا وہ بدمعاش صالح اور نیک چلن ہو جائیگا۔ یہ نمونہ ہے پنڈت صاحب کے علم و قابلیت کا اسکے بعد پنڈت صاحب نے دل کھولکر تمام مذہبوں کو جھوٹا بتا دیا ہے اور کسی مذہب کا بھی استثنار نہیں کیا دوسرے مذہب والے تو پنڈت صاحب کے اس الزام کو کیوں مانیں گے لیکن پنڈت صاحب کے اس اقرار کا اثر خود انکے اپنے مذہب پر ضرور پڑیگا اور یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ انہوں نے اپنے مذہب کو غیر مذاہب کی مخالفت کے ضمن میں جھوٹا مان لیا اور جب جھوٹا مان لیا تو وہ اور انکے متبعین دنیا کو ایسے مذہب کی دعوت کیوں دیتے ہیں جو انکی اپنی نظر میں بھی جھوٹ سے پاک نہیں ثانیاً دنیا کے تمام مذاہب کو جھوٹا بتانا خود پنڈت جی کے بیان کردہ اصول سے انکے دین کے باطل اور جھوٹ ہونیکی دلیل ہے چنانچہ وہ اسی ستیارتھ پرکاش کے صفحہ ۶۹۱ میں لکھتے ہیں جو دوسرے مذہبوں کو کہ جنکے ہزاروں کروڑھا آدمی معتقد ہوں جھوٹا بتلا دے اور اپنے کو سچا ظاہر کرے اس سے بڑھکر جھوٹا اور مذہب کون ہو سکتا ہے۔ یہ پنڈت جی کا اپنا فیصلہ ہے اسکی بنا پر وہ تمام مذاہب کو جھوٹا بتا کر خود

جھوٹے ہوئے اور انہوں نے اپنے مانے ہوئے اصول سے اپنے مذہب کے کذب و بطلان کا فیصلہ صادر کر دیا یہ وہ فیصلہ ہے جسکی اپیل بھی نہیں۔ پنڈت جی نے اعتراض کیلئے جو اصول قائم کیا ہے ارباب عقل کے نزدیک وہ نہایت جاہلانہ اصول ہے انہیں یہ بھی نظر نہ آیا کہ اسکا اثر ان پر کیا پڑتا ہے وہ جینیوں ساتیئنوں وام مارگیوں کو برا اور باطل پرست کہتے ہیں اور وہ لوگ آریوں کو تو پنڈت جی کے اپنے اسی اصول سے ماننا پڑیگا کہ دونوں جھوٹے ہیں۔

اعتراض: جب مسلمان کہتے ہیں کہ خدا لاشریک ہے پھر یہ فوج کی فوج شریک کہاں سے کردی کیا جو اور انکا دشمن ہو وہ خدا کا بھی دشمن ہوا اگر ایسا ہے تو ٹھیک نہیں کیونکہ خدا کسی کا دشمن نہیں ہو سکتا۔

جواب: پنڈت جی کا یہ اعتراض آیت من کان عدوا للہ وملائکتہ ورسلہ وجبریل ومیکال فان اللہ عدو للکافرین۔ پر ہے اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو خدا کا اور خدا کے مقبول اور اسکی راہ بتانیوالوں کا دشمن ہے (وہ کافر ہے) اور خدا کافروں کا دشمن ہے۔ یہ تو ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ خدا کی دشمنی کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس سے ناخوش ناراض ہے اور اسے سخت ترین سزا دیگا یہ معنی ہماری بول چال اور ہمارے محاورات میں بھی مستعمل ہیں مثلاً یوں کہا جاتا ہے کہ زید جھوٹ کا دشمن ہے اسکے یہی معنی ہوتے ہیں کہ اسکو جھوٹ سے نفرت اور جسکی نفرت و بیزاری ہے اسکے یہ معنی کوئی نہیں سمجھتا کہ وہ جھوٹ سے برسر جنگ ہوتا ہے اور جھوٹ اسکے مقابلہ میں صف آرائی کرتا ہے یقیناً جو خدا کے مقبولوں اور اسکی راہ بتانے والوں سے عداوت کرے خداوند عالم ضرور اس سے ناراض ہوگا اور اسکو سخت سزا دیگا۔ سلطنت کے عمال اور سلطنت کے احکام نافذ کرنیوالوں کی مخالفت کرنیوالا سلطنت کا باغی سمجھا جاتا ہے۔ ایک وائسرائے کا دشمن سمجھا بلکہ منصبی حیثیت سے ایک کانسٹیبل اور چپراسی کا دشمن حکومت کا دشمن سمجھا جاتا ہے اور حکومت کی مخالفت کے الزام میں اسکو گرفتار کر کے سزا دی جاتی ہے تو کیسے ممکن ہے کہ خدا کے مخصوص بندوں کا دشمن خدا کا دشمن نہ ہو۔ یہ بات

اسقدر صاف تھی جسکے معنی میں کسی ادنی الفہم والے کو بھی تامل نہ ہوتا مگر پنڈت صاحب چکرا رہے ہیں اور انکے لئے یہ بات عقدۂ لاینحل ہو رہی ہے۔

سب سے پہلے تو پنڈت صاحب کی دیانت اور راستی قابل داد ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ یہ فوج کی فوج شریک کہاں سے آگئی۔ آیت میں ملائکہ اور مرسلین اور جبریل و میکائیل کو شریک کب بنایا ہے وہ کونسا لفظ ہے جسکے معنی پنڈت صاحب شریک کرتے ہیں بس افسوس کہ پنڈت صاحب کا منبائے اعتراض افترا محض اور بہتان خالص ہے اور ایسا افترا جسکا قرآن پاک میں ہزارہا جگہ صراحت و فصاحت کیساتھ رد کیا گیا ہے اسکو قرآن پاک کی طرف منسوب کر دیا باوجودیکہ آیت میں کوئی ایسا کلمہ نہیں جس سے اس معنی کا ایہام بھی ہو سکے۔ پنڈت صاحب کی حیاداری کی داد دینا چاہئے جس مذہب کے پیشوا کی راستی کا یہ حال ہو اس مذہب کی سچائی کا کیا پوچھنا۔

اعتراض:۔ وقولو حطۃ نغفر لکم خطایاکم وسنزید المحسنین کا ترجمہ پنڈت نے یہ لکھا اور کہا کہ معافی مانگتے ہیں ہم معاف کر ینگے تمہارے گناہ اور زیادہ دینگے نیکی کرنیوالوں کو۔ اسپر پنڈت نے یہ اعتراض کیا ہے۔ "بھلا یہ خدا کی ہدایت سب کو گناہگار بنانیوالی ہے یا نہیں کیونکہ گناہ معاف ہونیکا سہارا آدمیوں کو ملتا ہے تب گناہوں سے کوئی بھی نہیں ڈریگا اس واسطے ایسا لکھنے والا خدا اور یہ خدا کی بنائی ہوئی کتاب نہیں ہو سکتی وہ عادل ہے بے انصافی کبھی نہیں کرتا اور گناہ معاف کرنیسے تو بے انصاف ہو جاتا ہے کیونکہ جیسا قصور ہو ویسی سزا دینے ہی سے عادل ہو سکتا ہے۔

جواب:۔ آیت کا صحیح ترجمہ تو کبھی پنڈت کو نصیب ہی نہیں ہوا اسکی کہانتک شکایت کی جائے۔ اب آپکے اعتراض کو دیکھئے کسقدر عقل و دانش سے دور ہے امید عفو کو آپ سبب گناہ قرار دیتے ہیں یہ فاحش ترین غلطی ہے آپکو یہ کیا معلوم ہوگا اور آپ کب جانتے ہونگے کہ مغفرت و معافی سے مایوسی ایسا اوقات آدمی کو گناہوں میں مستغرق رہنے پر مجبور کرتی ہے دنیا میں ہر

ایک مجرم کو فیصلے بلکہ نتیجہ اپیل کے وقت تک اپنی برأت کی امید لگی رہتی ہے اور یہی امید اس کو مزید فرائع کے ارتکاب سے روکتی ہے طیش میں آکر ایک غضبناک انسان دوسرے کو قتل کرتا ہے مگر اس کیساتھ امیدوں کا ایک ہجوم ہوتا ہے کہ شاید قتل کا ثبوت نہ پہنچے شاید وکیلوں کی جرح ثبوت کی شہادتوں کو نکما کر دے شاید ترحم خسروانہ کے سلسلہ میں میرے اس جرم سے درگزر کیجائے شاید کوئی اور صورت رہائی کی نکل آئے شاید مجھے بھاگ کر جانیکا موقع مل سکے۔ یہ امیدیں اسکو ایک قتل کے بعد دوسرے قتل کرنے سے روک دیتی ہیں لیکن اگر وہ قتل کے ساتھ ہی اپنی رہائی سے بالکل مایوس ہو جائے اور خفیف سی کوئی امید بھی باقی نہ رہے اور یقین کامل ہو کہ اسکو ضرور پھانسی لگے گی تو وہ جہانتک ہو سکے اپنے اور دشمنوں پر بھی ہاتھ صاف کرتا چلا جائے اور یہ سوچے کہ میری جان تو اب بچے ہی گی نہیں تو اب میں کسی کے ساتھ کیوں رعایت کروں۔

پنڈت جی کی فہم یہانتک نہ پہنچی اور در حقیقت یہ انکے مذہب کا قصور ہے جس نے خدا کو صفت عفو سے عاری سمجھا ہے لیکن جس حال میں کہ پنڈت جی کا یہ اعتقاد ہے کہ گناہ معاف کرنا خلاف عدل و انصاف ہے اور انکے ایشور کو اسپر قدرت ہی نہیں تو دنیا کو ویدک دھرم کی دعوت دینا ایک لاحاصل بات ہے کیونکہ جن لوگوں نے عمر بھر بت پرستی کی پرانوں کو مانا مورتیوں کو پوجا ویدوں کو برہما کے چار موہوں سے نکلا ہوا مانا اور وید کے خلاف عمل کرتے رہے یا جو مسلمان ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں۔ گائے کی قربانی کرتے ہیں اسکا گوشت کھاتے ہیں اور عمر بھر انہیں افعال میں گزری ہے ہزاروں گائیں انہوں نے ذبح کر ڈالی ہیں پنڈت جی کے اعتقاد کے مطابق ایشور انکا جرم تو معاف کر نہیں سکتا صدہا جونوں تک انہیں سزا بھگتنی ہے۔ اس جنم میں اتنے گناہ ہو گئے تو اگلی جون میں کیا اطمینان ہے کہ کوئی گناہ نہ ہوگا اور ضرور ہوگا۔ اور ایشور معاف کر نہیں سکتا تو پھر اسکے بدلے اور جونوں میں سزا ملیگی اور ان میں بھی گناہ ہوگا تو سزا ہمیشہ بڑھتی ہی رہیگی۔ نجات کی ساعت کبھی نہ آئے

کی تو اب بتائیں کہ کسی ہندو مسلمان یا عیسائی کو آریہ بنانے سے کیا نتیجہ اور وہ کس طرح شدھ ہو سکتا ہے جب پاپ معاف نہیں ہوتا گناہ نہیں بخشا جاتا نجات منظور نہیں تو اب آدمی اپنا دین تبدیل کرے تو کیوں اور کس لئے اور جو لوگ آریہ ہیں ان سے کیا گناہ نہیں ہوتے ہیں صدہا گناہ ان سے صادر ہوتے ہیں اور معاف نہیں ہو سکتے تو نجات کا راستہ انکے لئے ہی بند ہے پنڈت جی کے اس اصول نے یہ بتایا کہ انکے دھرم سے نجات کی توقع کرتی نئے اور پرانے آریہ دونوں کیلئے باطل و غلط ہے اب ذرا یہ بھی دیکھ لیجئے کہ پنڈت جی کے دھرم میں غلط اور نمائش کی باتیں کس قدر ہیں ستیارتھ پرکاش میں ایشور کے ناموں کے سلسلہ میں لکھتا ہے۔

(وایو) چونکہ وہ (ایشور) متحرک اور ساکن جہان کو قائم اور زندہ رکھتا ہے اور فنا کرتا ہے اور تمام قادروں سے قادر ہے اسلئے اس پرمیشور کا نام وایو ہے صہ یہاں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ایشور قادر ہے اور فنا و بقا اسکے اختیار میں ہے لیکن حقیقت یہ ہے قرآن پاک نے جو صفات الٰہیہ کے شاندار درس دیئے ہیں اسکی نقل اتاری جاتی ہے اور محض نمائش کیلئے یہ صفتیں پیش کی جاتی ہیں ورنہ جو فرقہ تناسخ کی قائل ہو اور مادہ کے ذرے ذرے اور ایک ایک جیو کو قدیم مانے وہ کسطرح اسکی فنا کی قائل ہو سکتی ہے ایشور کیلئے فنا کا عام اختیار ظاہر کرنا ویدک دھرم کے مسلمہ اصول کے خلاف اور محض دکھاوے کی بات ہے اسی طرح اسکو قادر بلکہ اقدر القادرین کہنا یہ بھی ایک مغالطہ ہے کیونکہ جو شخص آریہ دھرم میں کسی مجرم کا خفیف سا جرم بھی معاف نہیں کر سکتا اسکو قادر یا اقدر القادرین کہنے کے کیا معنی ہیں بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص زندگی نسبت رکھے کہ اسے اندھیرے اجالے میں کچھ نظر نہیں آتا ایک شہتیر کو دن دہاڑے نہیں دیکھ سکتا پہاڑ تک اسکو نہیں سوجھتا مگر ہے وہ بڑا حدید البصر تیز نظر جبھی یہ تعریف ایک تمسخر اور یاوہ گوئی ہے ایسا ہی عفو جرائم سے مجبور مانتے ہوئے ایشور کو اقدر القادرین کہنا تمسخر اور صرف نمائشی بات ہے جیسے پرمیشور کی سچائی انصاف رحم کامل قدرت اور کامل علم وغیرہ بیشمار صفتیں ویسی دیگر کسی بے جان یا جاندار کی نہیں ہیں صہ ستیارتھ پرکاش۔

رحیم اور کامل قدرت کا یہ حال ہے کہ ایک خطاکار کا چھوٹے سے چھوٹا گناہ معاف نہیں کر سکتا اتنے بڑے رحیم کو خطا بخشنے سے مجبور اور ایسی کامل قدرت رکھتے ہیں کہ ایک ذرہ بھر قصور معاف کرنیکا اختیار نہیں انصاف کی عینک لگاکر دیکھئے کہ یہ صفتیں محض گنانے یا شمار کرانیکے لئے لکھی گئی ہے اور حقیقتاً اعتقاد ہے کہ ایشور بیچارا مجبور محض اور عاجز و ناچار ہے۔

۳/ چونکہ کامل جاہ و حشمت رکھنے والا پرمیشر ہی ہے اسلئے اسکو اندر بھی کہتے ہیں صد ستیارتھ یہ صفتیں بھی نرے دکھاوے ہی کی ہیں کامل جاہ کا تو یہ حال کہ کسی قصوروار کی تقصیر سے درگذر اختیار سے باہر اور حشمت و دولت کی یہ کیفیت کہ ایک دانہ بے عوض کسی کو نہیں دے سکتے مالک تو ہیں ساری کائنات کے مگر ایک جو دینے کا اختیار نہیں کیا شان عالی ہے اور کیا صفت کامل ہے ثنا گری بھی ہو تو ایسی ہو۔

۴/ وید منتر میں ایک التجا ہے۔

لے پرمیشر آپ ہی عالم القلوب (انتریامی) ہونے سے بالتحقیق برہم ہیں کیونکہ آپ ہر جگہ موجود ہونیکی وجہ سے سب کیلئے قابل حصول ہیں جو آپکا صحیح حکم ویدوں میں ہے میں سب کو اسی کا اپدیش اور خود بھی عمل کرونگا سچ بولونگا سچ مانونگا اور سچ ہی عمل میں لاونگا پس آپ میری حفاظت کیجئے۔ آپ مجھ آپت یعنی راستگو کی حفاظت کیجئے تاکہ میری عقل آپکے فرمانوں میں قائم رہکر الٹی کبھی نہ ہو صد ۱۲۴ ستیارتھ پرکاش۔

اس منتر میں دعا کا جو یہ اتار ا ہے اور نمائش بھلے یہ ظاہر کیا ہے کہ ایشور دعا کے قبول کی حیثیت رکھتا ہے تاکہ اسکے صفات رب العالمین کے اس مرتبہ سے گھٹ نہ جائیں جو اسلام اور قرآن نے بتایا ہے اور مجیب الداعین کی صفت سے ایشور محروم اور کورا نہ رہ جائے مگر اسکی حقیقت نمائش سے زیادہ کچھ نہیں کیونکہ ویدک دھرم میں اگر پچھلے عمل اسکو مستحق حفاظت کرتے ہیں تو دعا و التجا بیکار ہے۔ ایشور پر خود ہی حفاظت کرنا واجب ہے بلکہ اگر منع بھی کیجئے تو وہ حفاظت کریگا اور حفاظت کرنے پر حسب اعتقاد آریہ مجبور ہوگا اور اگر پچھلے عمل ایسے نہیں ہیں

تو آپ لاکھ کہئے کبھی حفاظت نہ کریگا اور اگر کریگا تو بقول پنڈت جی کے اسکا انصاف جاتا رہیگا
دونوں حالتوں میں ایشور بیچارا دعا کے قبول کرنیسے عاجز و مجبور ہے اب جو یہ دعا کیگئی یہ محض
دکھاوا اور مسلمانوں کی نقل نہیں تو اور کیا ہے۔ اس منتر سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سیدھی راہ چلنے
کی توفیق دینا بھی ایشور کے ہاتھ میں ہے اگر ایسا ہے تو کارخانۂ تناسخ باطل ہے کہ وہاں سوائے
عمل صالح کے کوئی سبب نعمت نہیں ہو سکتی اور بغیر جزاء کے کوئی سلوک نیک کسی کے ساتھ
نہیں کیا جاسکتا۔ نقل تو کی اھدنا الصراط المستقیم کی مگر اس اعتقاد حق سے محروم رہے
جبھر اس دعا کے حق ہونیکا مدار ہے۔

اعتراض:۔ آیہ واذ استسقیٰ موسیٰ لقومہ کا ترجمہ ان لفظوں میں لکھا ہے جب موسیٰ
نے اپنی قوم کے واسطے پانی مانگا ہم نے کہا کہ اپنا عصا پتھر پر مار اس میں سے بارہ چشمے بہ نکلے
یہ ترجمہ کرکے پنڈت جی یہ اعتراض کرتے ہیں اعتراض دیکھئے ان ناممکن باتوں کی برابر
دوسرا کوئی شخص کیا کہیگا ایک پتھر پر عصا مارنے سے بارہ چشموں کا نکلنا بالکل ناممکن ہے ہاں اس
پتھر کو اندر سے کھولا کرکے اسمیں پانی بھر لیں اور بارہ سوراخ کرنیسے ایسا ہو ناممکن ہے اور کسی
طرح نہیں۔

جواب:۔ پنڈت جی نے ارادہ کرلیا ہے کہ وہ آیات قرآنیہ کی تکذیب و انکار پر کمر باندھے رہیں
گے اور خواہ عقلاً وہ انکار کتنا بھی معیوب ہو اسکی اصلا حیا نہ کریںگے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ
والسلام کا معجزہ تھا کہ ضرب عصا سے بارہ چشمے نمودار ہوئے۔

کائنات میں نظر کرنیوالے روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ خاصان خدا کے ہاتھوں پر ہزارہا
عجائب و غرائب ایسے ظہور پذیر ہوتے ہیں جو ناظرین کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں چون و چرا کرنے
اور ناممکن و محال کہدینے سے واقعات نہیں مٹ سکتے بچھو کا کام کاٹنے کا ہے اسکی طبیعت کا یہی
مقتضا ہے۔ نیش کژدم نہ از پے کین ست ؎ مقتضائے طبیعتش این ست۔
پنڈت کے نزدیک کسی چیز کے طبع خواص کو ایشور بھی نہیں بدل سکتا چنانچہ وہ لکھتے ہیں جو

قدرتی اصول ہیں مثلاً آگ گرم پانی ٹھنڈا اور مٹی وغیرہ تمام ذی شعور ہیں انکی طبعی صفت کو پرمیشور بھی نہیں پلٹ سکتا" ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۲۸۔

پنڈت جی کے نزدیک اس عقیدہ کے بموجب ناممکن ہے کہ بچھو کا طبعی خواص یعنی ڈنک مارنا اور کاٹنا بدل جائے۔ یہ بات پنڈت جی کے نزدیک ناممکن بھی ہے اور ایشور کے مقدور سے باہر بھی کہ اگر پنڈت جی کا ایشور چاہے بھی کہ بچھو کاٹنا چھوڑ دے تو اس بیچارے کے چاہے کچھ نہ ہو اور بچھو ڈنک مارنے سے باز نہ آئے۔ اپنے عقیدہ کے بموجب ایشور کے یہ اختیارات دیکھتے ہوئے اگر ایک پتھر سے بارہ چشموں کا برآمد ہونا ناممکن سمجھ گئے تو کوئی تعجب نہیں مگر واقعات انکے اس اعتقاد کو باطل کر دیں تو بیچارے کے بس کی بات ہے زمانہ پاک حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت دور ہو چکا اور اسی بھروسہ پر پنڈت جی نے انکے معجزہ کا انکار کر دیا کہ نہ اب وہ زمانہ لوٹ کر آئیگا نہ پنڈت جی کو کوئی ذلیل کر سکیگا مگر ان بیچارے کو یہ خیال نہ آیا کہ غلامان حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامتیں آج بھی دنیا کی نگاہوں کے سامنے ہیں وہ پنڈت جی کے عقیدہ کا بطلان ظاہر کر دینگے۔

امروہہ ضلع مرادآباد میں آستانہ حضرت شاہ ولایت صاحب قدس سرہٗ العزیز میں ہر زمانہ ہر موسم میں ہزار ہا بچھو ملتے ہیں اور احاطہ درگاہ کے اندر کوئی بچھو کسی طرح نہیں کاٹتا ہاتھ پر رکھئے خواہ گلے میں بچھوؤں کا ہار بنا کر ڈالئے یا بچھو کے ڈنک پر ہاتھ رکھئے کسی طرح وہ نہیں کاٹتا اور انکا وہ طبعی خاصہ پلٹ جاتا ہے جسکو پنڈت جی کا ایشور بھی نہیں پلٹ سکتا تھا تو اب پنڈت جی بتائیں کہ ایسی ناممکن بات جو انکے عقیدہ پر ایشور کے اختیار میں نہ تھی کسطرح واقع ہوگئی اور اسکا استحالہ کہاں چلا گیا اور ایشور سے بڑھکر کونسی قدرت ہے جس نے اپنا کرشمہ دکھایا یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا نہیں جسکو مکر جائے تو اس زمانہ کا پھر آپکی آنکھوں کے سامنے لانا ممکن نہ ہو۔ یہ کرامت آج ظاہر ہے لاکھوں کفار دیکھ چکے ہیں روزانہ خلق خدا اسکے تجربے اور مشاہدے کرتی ہے جس آریہ کا دل چاہے امروہہ جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے جو قادر مطلق

اپنے مقبولانِ بارگاہ کے مبارک ہاتھوں پر ایسے عجائب کا اظہار فرماتا ہے اسکی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عصا سے بارہ چشمے ظاہر فرمادے اسکو پنڈت جی نے محض اپنے عقیدے کی بنا پر ناممکن کہدیا کچھ علم ہوتا تو استحالہ پر کوئی دلیل قائم کرتے محال ہونیکا دعوےٰ اور دلیل خاک نہیں کسقدر شرمناک جہالت ہے آخر میں انکو خود بھی کچھ خیال آیا تو لکھا ہاں اس پتھر کو اندر سے کولا کر اسمیں پانی بھر لیں اور بال سوراخ کرنے سے ایسا ہونا ممکن ہے اور کسی طرح نہیں۔ ابھی ابھی جو بات ناممکن بتائی تھی ابھی اپنی ایک خیالی صورت سے اسکو ممکن قرار دیدیا اس شخص کو اپنی رائے پر خود جزم و اعتقاد نہیں پھر اسکے اعتراض کی کیا حقیقت جو اعتراض پتھر سے چشمے جاری ہونیکے استحالہ و عدم امکان کی بنا پر تھا وہ چشموں کا جریان پتھر سے ممکن مان لینے سے باطل ہو گیا۔ پنڈت جی کی اپنی ہی بات سے خود انکار رد ہو گئی پھر نہ معلوم یہ اعتراض کیا کیوں ہے کہ اس سے عقلاً سوائے معترض کی کم عقلی و نادانی اور کیا سمجھیں، اس سے بے فائدہ کاغذ سیاہ کرنیکا کیا نتیجہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

اعتراض:- آیہ کریمہ واللہ یختص برحمتہ من یشاء کا پنڈت نے یہ ترجمہ لکھا "اور اللہ خاص کرتا ہے جسکو چاہتا ہے ساتھ رحم اپنے کے" اور اسپر یہ اعتراض کیا "کیا جو مخصوص اور رحم کئے جانیکے لائق نہیں انکو بھی (خدا) مخصوص کرتا ہے اور اسپر رحم کرتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو خدا گھر بگاڑنیوالا ہے پھر اچھا کام کون کریگا؟ اور برے کام کو کون چھوڑیگا؟ کیونکہ ایسی صورت میں خدا کی رضامندی پر انسان بھروسہ کرینگے اور اعمالوں کے نتائج پر نہیں اس گڑبڑ کی وجہ سے تو سب نیک اعمال کرنے سے دستبردار ہو جائیں گے۔

جواب:- پنڈت جی کی تہذیب کا ماتم تو اس حالت میں کچھ مناسب ہو سکتا جبکہ انکی ذات سے اسکی امید بھی ہوتی۔ یہ بدزبانی اور شانِ الٰہی میں بد سے بد اور سیاہ دل آدمی بھی اسکی جرات نہیں کر سکتا۔ صحرائی اور وحشی آدمی بھی خدا کا نام ادب سے لیتا ہے مگر آریہ دھرم کا بانی شانِ الٰہی میں بدزبانی کرنا اپنی قابلیت سمجھتا ہے جس کی شائستگی کا یہ حال ہو۔

کیا رہنمائی کر لگا اور جو قوم ایسے شخص کو پیشوا مانتی ہو وہ کیسے صفات پیدا کر سکیگی۔

اس سے قطع نظر کرکے اعتراض کو دیکھئے تو نہایت لغو اور تعصب محض ہے اہل علم اسکو کس حقارت کی نظر سے دیکھیں گے۔

یہ اعتراض نہیں اسکو منہ چڑانا کہتے ہیں۔ آیت شریف میں مضمون تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جسکو چاہتا ہے مخصوص فرماتا ہے۔ اسپر یہ کہنا کہ جو رحم کئے جانیکے لائق نہیں انکو بھی مخصوص کرتا اور انپر بھی رحم کرتا ہے کسقدر بے محل بات ہے۔ یہ کہا کسلئے تھا کہ جو رحم کے قابل نہیں اسپر رحم کرتا ہے آیت میں یہ مضمون ہے کب عجب معترض ہے جو نشہ اعتراض میں اسقدر بیخود و سرشار ہے کہ اسکو یہ بھی پتہ نہیں کہ جس بات پر وہ اعتراض کرتا ہے وہ اس کلام میں موجود ہی نہیں جسپر اسکو اعتراض ہے۔

علاوہ بریں یہ کہنا کہ جو قابل رحم نہیں کیا خدا اسپر بھی رحم کرتا ہے؟ انتہا درجہ کی خدا ناشناسی ہے حکیم جو کرتا ہے وہی حکمت ہے۔ خدا جسکو دیتا ہے وہی اہل ہے جسپر رحم فرماتا ہے وہی لائق ہے جسکو اسکا رحم مخصوص کرے اس سے بڑھکر لائق کون لیاقت آتی کہاں سے ہے سہ داد حق را قابلیت شرط نیست ؛ بلکہ شرط قابلیت داد است

پنڈت جی لیاقت کسکو کہتے ہیں؟ انہوں نے لیاقت و قابلیت سے استحقاق مراد لیا ہے اور مطلب انکا یہ ہے کہ جو اپنے اعمال نیک سے مستحق ہو اسپر رحم ہونا چاہئے مگر ایسا کہنا جہالت ہے کیونکہ جس چیز کا کوئی مستحق ہے اسکا دینا رحم نہیں ہو تعادائے حق ہوا اسکو رحم کہنا ہی غلطی ہے۔ اس اعتراض سے معلوم ہوا کہ معترض رحم کے معنی تک نہیں جانتا۔ اونجانتا تو جب کہ اسکے عقیدہ میں رحم ہوتا بھی یقیناً رحم ایک پاکیزہ اور برتر صفت ہے۔

مگر آریہ دھرم نے ایشور کو اس بہترین صفت سے عاری و محروم کیا ہے۔ ایک زمیندار رعایا پر رحم کرسکتا ہے ایک مجسٹریٹ مجرم کو اپنے رحم سے نواز سکتا ہے مگر آریہ دھرم کا ایشور جسکو عالم کا کارساز کہا جاتا ہے اپنے بندوں پر رحم نہیں کرسکتا مجبور ہے اگر بالفرض وہ ایسا

بکرے تو آریہ اصول کی بنا پر تمام کارخانہ اسکی خدائی کا درہم برہم ہو جائے اور اسکے بندوں
میں اسکا کچھ خوف باقی نہ رہے اور لوگ نیک کام کرنا چھوڑ دیں جیسا کہ پنڈت جی نے اسی
اعتراض کے سلسلہ میں کہا ہے۔ تعجب ہے کہ ایشور کو قادر مطلق مانتے ہوئے اتنے اندیشوں
اور مجبوریوں نے گھیر رکھا ہے مگر گاؤں کا چودھری ہیڈ مین رحم کر سکتا ہے کہو تم نے ایشور کی
کتنی قدر کی۔ اسکی شان بندوں سے بھی گھٹا دی۔ اب رہی یہ بات کہ رحم سے رعب جاتا
رہتا ہے اور بندے جری ہو جاتے ہیں یہ بات وہ کہہ سکتا ہے جو خدا کو قادر مطلق اور جبار و
قہار نہ جانتا ہو یا یہ سمجھتا ہو کہ سزا دینا اسکے اختیار سے باہر ہے ورنہ جو یہ اعتقاد نہ رکھے وہ کسطرح
کہہ سکتا ہے کہ بندے نیک کام کرنا چھوڑ دینگے۔ جب وہ جانتے ہیں کہ وہ رحیم بھی ہے قہار
بھی ہے قادر مختار بھی جو چاہے کرے۔ اگر گناہ پر پکڑے تو اسکے عذاب سے چھڑانیوالا نہیں
اگر معاف کرے تو اسکو اختیار ہے۔ یہ جاننے والا کیسے بے خوف ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ
بادشاہ معاف بھی کرتے ہیں رحم و کرم بھی مگر پھر بھی مارے خوف کے رعایا لرزتی اور کانپتی
ہے اگر پنڈت جی کا خیال درست ہو تو دنیا کی ہر سلطنت میں قانون بیکار ہو جانا چاہیئے۔
اور ہر ملک کی رعایا کو بالعموم باغی اور غدار بننا لازم ہو۔ ایسے اباطیل بموجب مذہب کے
عقائد کی بنا رہے وہ انسان کو سوائے گمراہی کے اور کیا دے سکتا ہے۔

اعتراض: ود کثیر من اھل الکتاب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارا حسدا
من عند انفسھم من بعد ما تبین لھم الحق۔ کا پنڈت نے یہ ترجمہ لکھا ایسا نہ ہو کہ
کافر لوگ حسد کر کے تم کو ایمان سے منحرف کر دیویں کیونکہ ان میں ایمان والوں کے بہت
سے دوست ہیں اور اسپر یہ اعتراض کیا اب دیکھئے خدا ہی انکو یاد دلاتا ہے کہ تمہارے ایمان
کو کافر لوگ نہ گرا دیویں۔ کیا خدا سمہ دان نہیں ہے ایسی باتیں خدا کی نہیں ہو سکتی ہیں۔

جواب: معترض دیانت اور عقل دونوں سے بکلی محروم ہے۔ ترجمہ لکھا تو ایسا بگاڑا
کہ کچھ کا کچھ کر دیا جو قرآن پاک میں نہیں جسکا شائبہ اور بو بھی نہیں وہ اپنی طرف سے داخل کر

دیا تمام آریے بتائیں کہ پنڈت کے[۱] الفاظ" کیونکہ ان میں سے ایمان والوں کے بہت سے دوست ہیں"۔ یہ عبارت اس آیت کے کونسے جملہ کا ترجمہ ہے کونسے جز کا حاصل ہے ایسا ستم یہ غضب ایسا صریح جھوٹ اتنا بڑا جیتا افترا ایسا اندھیر یا بہتان اور وہ بھی قرآن پاک پر جو وید کی طرح کوئی چھپی چیز نہیں کہ اسکا میسر آنا دشوار ہو ترجمے ناپید ہوں اردو فارسی انگریزی تمام زبانوں میں قرآن پاک کے ترجمے موجود ہیں۔ یہ جرات اور یہ غوغہ جیغی کہ ایسی کتاب پر صریح کھلا بہتان اٹھا دیا اور پرواہ نہ کی کہ ارباب انصاف دیکھیں گے۔ صداقت وراستی کے جانچنے والے نظر تحقیق سے جانچیں گے۔ تو ایسے مفتری کور وسیاہ تیرہ باطن بتائیں گے۔

یہ قرآن کریم پر اعتراض ہوا یا معترض کی اپنی بیدینی و بے ایمانی کا ثبوت یہ دلیل واضح ہے کہ قرآن پاک پر اعتراض کرنیوالا اس کتاب مقدس کے مضامین میں چون وچرا کی جگہ نہیں پاتا تو مجبوراً اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنے کیلئے کذب و دروغ پر اتر آتا ہے ہمیں یہ بھی غور کرنا ہے کہ جو انسان کسی پر اعتراض کرنیکے لئے جھوٹ بولتا ہے اسکی ضمیر اور اسکا آئینہ خاطر کیا کسی صاحب عقل کے نزدیک پاک اور مصفا ہو سکتا ہے اور کیا ایسے شخص کو رہنما بنانا قرین عقل ہے۔ اور جس قوم نے ایسے شخص کے ساتھ روابط عقیدت کو مضبوط کیا ہو کیا وہ انسانی فضائل سے بہرہ مند ہو سکتی ہے آنکھ والو چشم بصیرت سے دیکھو بیجا طرفداری کے جذبے یا التعصب کے جوش میں اپنے آپکو قعر ضلالت و ورطۂ گمراہی میں نہ ڈالو آیت کریمہ کا صاف صریح ترجمہ یہ ہے جو مولوی عبدالحق صاحب حقانی دہلوی کی تفسیر سے اسلئے نقل کیا جاتا ہے کہ پنڈت جی نے انکی تفسیر کا شاہ عبدالحق لکھکر حوالہ دیا ہے ملاحظہ کیجئے تفسیر فتح المنان مطبع مجتبائی دہلی صـ ۲۲۳ " اکثر اہل کتاب تو اپنے حسد سے حق ظاہر ہونیکے بعد یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم کو ایمان لانیکے بعد بھی پھر کافر کر ڈالیں"۔

یہ ترجمہ اسلئے نقل کیا گیا کہ ستیارتھ کے فٹ نوٹ میں مولوی عبدالحق کی تفسیر کا حوالہ دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتراض کرتے وقت یہ تفسیر پیش نظر تھی باوجود اسکے یہ

[۱] یہ بھی معلومات کی کوتاہی ہے۔ ۱۲

افترا پردازی کی گئی۔ اب ٹھیک نہیں دوربین لگاکر دیکھئے کہ پنڈت جی کا جملۂ مذکورہ اس ترجمہ میں کب موجود ہے جس سے اس معنی کی طرف اشارہ بھی ہوتا ہو جسکو انہوں نے بیدھڑک قرآن پاک کی طرف نسبت کیا ہے۔

اب اسپر جو کچھ بھی اعتراض ہوگا وہ معترض کی اپنی ساختہ عبارت پر ہوگا قرآن پاک سے اس کو کیا علاقہ۔

یہ تو تھا معترض کی دیانت کا بیان۔ اب معترض کی عقل و دانائی سے بے تعلقی ملاحظہ کیجئے کہ یہ جملہ جو اس نے اپنی طرف سے بڑھایا اسی "کیونکہ" لکھکر جملہ سابقہ کی دلیل بنایا اور اسپر نظر نہ کی کہ یہ جملہ پہلے جملہ سے مناسبت ہی کیا رکھتا ہے دلیل کیسے ہوسکیگا حسد کر کے بے ایمانی کرنیکی دوست ہونا یہ معترض کی سادگی ہے کہ وہ دوستی کو حسد کی دلیل قرار دیتا ہے۔

اسکے بعد جو آپنے اعتراض کیا ہے وہ بھی نہایت بے سرو پا۔ سارا مجموعہ ہی ذخیرۂ بے ربطگی ہے۔ اعتراض کیا کیا ہے کہ خدا ہی انکو یاد دلاتا ہے کہ تمہارے ایمان کو کافر لوگ نہ گرا دویں کیا خدا ہمہ دان نہیں ہے۔ نہ گرادویں کا محاورہ زباں دانی اور قابلیت کا جوہر ہے اور یہ اعتراض معترض کی عقل و دانائی کا خاتمہ کرتا ہے ادنی عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ کسی کو پیش آنیوالے خطرہ سے آگاہ کرنا واقف کار اور صاحب علم ہی کا کام ہو سکتا ہے اسکو ہمہ دانی کیخلاف سمجھنا عقل و دانائی کے خلاف بلکہ دانشمندی سے عداوت ہے ایسے اعتراض کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے اس قسم کالا یعنی کلام آدمی کو بیعزت اور اہل علم کی نظر میں ذلیل و رسوا کرتا ہے۔

اعتراض:۔ پنڈت نے آیۂ کریمہ اینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ کا ترجمہ ان الفاظ میں لکھا "تم جدھر منہ کرو ادھر ہی منہ اللہ کا ہے"۔ اور اسپر یہ اعتراض کیا ہے "اگر یہ بات سچی ہے تو مسلمان قبلہ کیطرف منہ کیوں کرتے ہیں؟ اگر کہیں کہ ہم کو قبلہ کی طرف منہ کرنیکا حکم ہے تو یہ بھی حکم ہے کہ چاہے جسطرف کو منہ کرو کیا ایک بات سچی اور دوسری جھوٹی ہوگی؟ اور اگر اللہ کا منہ ہے تو وہ سب طرف ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ایک منہ ایک طرف رہیگا سب

طرف کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس واسطے یہ بات ٹھیک نہیں۔

جواب :- آیۂ کریمہ کا ترجمہ یہ ہے تم جہاں منہ کرو وہیں وہ اللہ تمہاری طرف متوجہ ہے۔ جو شخص قرآن پاک کو نہ سمجھے موارد کلام سے بیخبر ہو۔ تفاسیر کا علم نہ رکھتا ہو اس نافہم کا اعتراض کیا حقیقت رکھتا ہے۔ بات کیا تھی اسے سمجھے ہی نہیں اور اعتراض جڑ دیا یہ ایک رسوا کرنیوالی جہالت ہے آیت کے معانی کی تفصیل تو کہاں پنڈت کے دماغ میں سما سکتی تھی لیکن اگر قرآن پاک پر کچھ نظر ہوتی تو اسکو معلوم ہوتا کہ قبلہ پہلے کعبہ تھا پھر بیت المقدس ہوا اسکی طرف حضور نماز پڑھتے تھے پھر بیت المقدس کا قبلہ منسوخ ہوا اور حضور کے حسب خواہش کعبہ شریف قبلہ بنایا گیا اسپر عرب کے کفار نے طعن کیا اسکے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی للہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ کہ مشرق و مغرب سب خدا کا ہے جہاں تم رخ کرو وہیں وجہ اللہ یعنی جہت ماموره یا رضائے الٰہی ہے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے مشرق مغرب اور تمام جہات اسی کے ہیں وہ بیت المقدس کیطرف رخ کرنیکا حکم دے یا کعبہ مقدسہ کی طرف جدھر اسکی رضا ہو وہی قبلہ ہے اور اسی طرف متوجہ ہونا مقبول بندہ کو اس میں کیا جائے عذر اور کیا مجال اعتراض جس طرح کعبہ اسکے حکم سے قبلہ ہوتا ہے اسی طرح بیت المقدس اسی کے حکم سے قبلہ ہو جاتا ہے اسپر اعتراض کرنا نہایت نادانی و سفاہت ہے

کفار کے اعتراض کا یہ جواب دیا گیا اور قرآن کریم میں انکے اعتراض سے پہلے خبر دیدی گئی تھی کہ وہ اس طرح کی یاوہ گوئی کرینگے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا سیقول السفھاء من الناس ما ولّٰھم عن قبلتھم التی کانوا علیھا قل للہ المشرق والمغرب عنقریب کہینگے بیوقوف لوگ کس نے بھادیا انکو مسلمانوں کو انکے اس قبلہ سے جسپر وہ تھے آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی کا مشرق و مغرب۔ اس آیت میں خبر ہے کہ کفار تحویل قبلہ پر اعتراض کرینگے اور انکا یہ جواب ہے کہ مشرق و مغرب خدا ہی کا ہے وہ جدھر چاہے اپنے بندونکو متوجہ ہونیکا حکم دے اس پر اعتراض کیا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قرآن پاک کی خبر کے مطابق کفار نے یہ اعتراض کیا

اور انکے جواب میں یہ ارشاد فرمایا گیا للہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ مراد یہ ہے
کہ جب مشرق و مغرب سب کا مالک اللہ ہے تو جدھر تم اسکے حکم سے منہ کرو اسکی رضا حاصل ہوگی
اسپر کافروں کا معترض ہونا اور طعن کرنا محض جہالت ہے۔ اس مضمون سے پنڈت کے اعتراض
کو کیا مناسبت اور اس آیت سے قبلہ کیطرف منہ نہ کرنا اس نے کیسے سمجھ لیا اگر قرآن پاک پر معترض
کی نظر ہوتی اور آیت سیقول السفہاء جو ہم نے اوپر نقل کی ہے اس نے دیکھی ہوتی تو ایسا لایعنی اعتراض
کر کے اہل علم کی نگاہوں میں اپنے آپکو رسوا نہ کرتا پھر وجہ اللہ کے معنی خدا کا منہ کس نے بتلاتے ہیں
وجہ جہت اور قبلہ کے معنی میں آتا ہے یا رضا کے معنی میں چنانچہ تفسیر احمدی میں ہے الوجہ اما
بمعنی الجہۃ او القبلۃ او الرضاء دونوں تقدیروں پر اعتراض وارد نہیں ہوتا خواہ وجہ قبلہ کے
معنی میں لیا جائے یا رضا کے اور یہ کہدینا کہ جبکا منہ ہوگا ایک ہی طرف ہوگا یہ بھی کوتاہ نظری ہے
عالم حیوانات میں نظر کو مقصور کرنے سے کوئی کوتاہ عقل اس شبہ میں پڑ سکتا ہے ورنہ ہر صاحب عقل
جانتا ہے کہ وجہ اس چیز کو کہتے ہیں جسکے ساتھ مواجہت حاصل ہو تو جس شئے کو کوئی جہت مواجہت
سے مانع نہ ہو اسکے منہ کو ایک جہت خاص کے ساتھ مقید کر دینا کم فہمی و نادانی ہے مجلس میں
روشن ہونیوالی ایک شمع کا منہ تمام اہل مجلس کیطرف ہے اور ہر ایک کو اس سے یکساں مواجہت
حاصل ہے یہ تو نورِ مجازی کا حال ہے اور نورِ حقیقی جو کیف سے بھی وراء ہے اسکو جہت کیا مقید
کر سکیگی اسی فہم پر ذات و صفات الٰہی میں کلام کرنیکا دعویٰ ہے ہمارے لئے منہ ہونا اور ایک طرف
ہونا اور ہماری مواجہت کا ایک جہت کیساتھ مقید ہونا اور ہمارے بصر و کلام وغیرہ کا ایک جہت کے
ساتھ خاص ہونا ہماری کمزوری اور عبدیت کا ضعف و نقصان ہے کمال یہی تھا کہ قوت بینائی ایک
جہت کے ساتھ مقید نہ ہوتی اسی طرح شامہ ذائقہ اور کلام کرنیوالے آلات ایک سمت کے پابند نہ ہوتے
بیک لمحہ ہم ہر طرف دیکھتے شش جہت ہمارے لئے یکساں ہوتیں ہمارے تمام آلات ہر طرف کام
کرتے مگر صرف آنکھیں دیکھتی ہیں چہرے کے مقابل کی جانب دیکھتی ہیں بدن کے باقی حصے
بینائی نہیں رکھتے یہ نقصان ہوا یا کمال اگر ہمارے حیلہ اور ادراک ہر جانب یکساں ہوتے تو منہ کو

یکطرف نہ کہا جاسکتا اپنی اسی کمزوری اور عیب پر مالک بے عیب کو قیاس کرنا اور جن قیود میں خود مقید ہیں انکا اس بے نیاز کو پابند بنایا جائے نہایت بے علمی اور بے ادراکی ہے۔

آیت بدیع السموات والارض واذا قضی امراً فانما یقول لہ کن فیکون کا ترجمہ پنڈت جی نے ان الفاظ میں کیا ہے "جو زمین و آسمان کا پیدا کرنیوالا ہے جب وہ کچھ کرنا چاہتا ہے تو نہیں کہ اسکو کرنا پڑتا ہے بلکہ اسے کہتا ہے کہ ہو جا پس ہو جاتا ہے اسپر یہ اعتراض کیا ہے۔

اعتراض :- بھلا جب خدا نے حکم دیا کہ ہو جا تو یہ حکم کس نے سنا؟ اور کسکو سنایا گیا؟ اور کون بنگیا کس علت مادی سے بنایا گیا؟ جب یہ لکھتے ہیں کہ آفرینش کے پہلے سوائے خدا کے کوئی بھی چیز نہ تھی تو یہ دنیا کہاں سے ہوئی علت کے بغیر معلول نہیں ہوتا تو اتنا بڑا جہاں علت کے بغیر کہاں سے ہو گیا؟ یہ بات صرف لڑکپن کی ہے۔

جواب :- پنڈت جی بہت حیرت ہے کہ جب پروردگار عالم نے حکم دیا ہوگا کس نے سنا ہوگا کس کو سنایا ہوگا اور علت مادی کے بغیر کوئی چیز کیونکر بنی ہوگی۔ جہانتک انکے علم عقل مشاہدہ کی رسائی ہے اسی احاطہ میں آپ عجائبات قدرت الٰہی کو محدود کرنیکی کوشش کرتے ہیں ایک چھوٹے سے مینڈک کنوئیں کی وسعت دیکھکر حیران ہوتا ہے تالاب دریا اور سمندر کے پانی کا اندازہ اسکے لئے ناممکن ہو جاتا ہے اور وہ اپنے مشاہدہ کی بنا پر یقین کرتا ہے کہ سمندر کی لمبائی چوڑائی گہرائی مبالغہ اور جھوٹ ہے۔ اس سے بدرجہا زیادہ پنڈت صاحب کی حیرانی ہے اور وہ کارسازِ عالم کی قدرت و صنعت اور اسکے رموزِ حکمت تک انکی عقل کیا رسائی کرے۔ آج دنیا میں انسانی مصنوعات کی حیرت انگیزی انکی عقل کو چکر میں ڈالدیگی ٹیلیفون کے ذریعہ ہزارہا میل کے فاصلہ پر بات چیت کرنا اور سننا اور پہچاننا آواز کا اتنی مسافت بعیدہ تک محفوظ چلا جانا اور وائرلیس تار کے سلسلہ کا بھی نہ ہونا پنڈت جی کو کسقدر مبہوت کریگا اور بیچارے کو یہی کہتے بنیگی کہ یہ بچوں کی باتیں ہیں انگلستان کی بات ہندوستان میں سنائی دے یہ نری گپ ہے مگر پنڈت جی کے گپ بتانے سے واقعات بے حقیقت نہیں ہوتے وہ اپنا کام کر رہے ہیں اور دنیا ان سے اپنا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ روزمرہ

نئے نئے حیرت انگیز معلومات دنیا پر کھلتے چلے جاتے ہیں جو دماغ انسانی صنائع تک پہنچنے سے قاصر ہو اور فکر بشری عجائب کاریوں تک رسائی نہ کر سکے وہ اگر کارخانہ قدرت الٰہی میں معطل ہو تو کیا تعجب ہے اسکی حکمت و قدرت عقول کے اوج پرواز سے بالاتر ہے یہی شان خدائی ہے لیکن ذی علم اور بے علم میں فرق یہ ہے کہ جاہل بے علم اپنی نارسائی بے ادراکی کمی معلومات پر نظر نہیں کرتا اور قصور کو جرات دیباکی کیساتھ قدیر مطلق حکیم برحق کیطرف نسبت کر دیتا ہے اور جسکو اللہ نے علم دیا ہے خردور کیا ہے وہ اپنے محدود علم کو جانتا ہے اور اپنے ضعف ادراک سے واقف ہے اپنی تقصیر کا اعتراف کرکے اسکی عظمت پر ایمان لاتا ہے پنڈت جی کیطرح ہزارہا جہاں حصے کے دقیق اور غامض مسائل پر تمسخر اڑاتے ہیں انکی عقل وہاں تک رسائی نہیں کرتی منکر ہو جاتے ہیں۔ اس سے وہ حقائق غلط نہیں ہو جاتے۔ اسی طرح اگر پنڈت کی سمجھ میں نہ آئے تو یہ اسکے فہم کا قصور و ادراک کا فتور ہے۔ اس سے قادر حکیم کی قدرت میں بٹہ نہیں لگ سکتا پنڈت امر تکوینی سے خبردار ہی نہیں ہے خود مخلوق ہے مخلوقات میں رہا ہے۔ مخلوقیت کے عجز میں مبتلا ہے اسکی آنکھوں نے خالقیت کے جلوے دیکھنے کی لذت نہیں اٹھائی۔
وہ سمجھتا ہے کہ امر ہم بھی کرتے ہیں مگر جب کرتے ہیں جب کوئی مخاطب سننے والا موجود ہو اور جب ہی اس امر پر ثمرہ بھی مرتب ہوتا ہے اگر کوئی سننے والا نہ ہو تو ہمارا امر کرنا بیکار رہے نہ اس کا کوئی ثمرہ نہ نتیجہ مگر اتنی عقل اسکے پاس نہیں ہے جس سے وہ یہ غور کرے کہ یہ بات ہے کیوں اسی لئے ہم مخلوق ہیں عاجز ہیں شان خالقیت نہیں رکھتے ہمارے امر میں معدوم کو موجود کرنیکی طاقت نہیں اسلئے جب تک کوئی سننے والا نہ ہو ہمارا امر بیکار ہے لیکن جو عالم کو وجود عطا فرمانیوالا اور عالم کو ہستی مرحمت فرمانیوالا ہے اسکا امر معدوم کو موجود اور نیست کو ہست نہیں کر سکتا اسکو کیوں ایشور کہا جاتا ہے کس لئے مستحق عبادت قرار دیا جاتا ہے بیچارگی اور مجبوری میں وہ اور ہم برابر ہیں نہ ہمارے امر کئے سے کچھ بنتا ہے نہ اسکے حکم دینے سے کچھ ہوتا ہے تو وہ نہ خالق ہے نہ قادر ہے ہماری طرح ایک وہ بھی ہے ایسے کو ایشور کہتے ہو اور ایسے کی عبادت

کرتے ہو تو یہ مخلوق پرستی ہے عاجز پرستی ہے مجبور پرستی ہے اور بیکار پرستش ہے مفت کی دردسری اور بیکار محنت ہے۔ ایسے لایعنی وجود کو ایسے بیکار اور غیر مفید وجود کو الیشور بنانا سرو شکتیمان کہنا بالکل جھوٹ اور غلط ہے۔ مسلمان ایسے نکمے مخلوق کو خدا نہیں مانتے ان کا مالک ان کا معبود قادر مطلق ہے کہ موجودات کی ہستیاں اسکے امر کے تابع ہیں حکم دیا اور بیدرنگ جو چاہا ہو گیا ہستی بس فیاض کے حکم سے تخلف نہیں کر سکتی اسی کو کہتے ہیں فیاض اسی کا نام ہے موجد وہی ہے مبدع۔

اب رہی یہ بات کہ حکم کس کو دیا اگر امر تکلیفی ہو تو ضرور ہے کہ مامور موجود ہو لیکن پھر بھی وقت امر ہونا ضرور نہیں، آپ دیکھتے ہیں کہ صدہا وصیت نامے لکھے جاتے ہیں وقف نامے تحریر ہوتے ہیں نسلوں بعد کے انتظام ان میں کئے جاتے ہیں جو لوگ ابھی تک پیدا نہیں ہوئے انکو حکم دیئے جاتے ہیں انکے لئے پابندیاں مقرر ہوتی ہیں پنڈت جی تو ایسے تمام دستاویزیں ناجائز کر ڈالیں، دستاویزیں ناجائز ہو جائیں تو پنڈت جی کا اسمیں زیادہ نقصان نہیں بڑی مشکل کی بات ہے کہ وید اور منوسمرتی میں مخلوق کیلئے بہت سے احکام ہیں دعا کے عبادت کے اپار سنا کے ہوم کے تو یہ احکام اگر دنیا پر لازم نہ ہوں تو وید اور منوسمرتی بیکار ہیں اور اگر لازم ہوں تو پنڈت جی بتائیں کہ آج کی مخلوق وید و منوسمرتی کی تصنیف کیوقت کب موجود تھے اور انکے مصنفوں نے احکام ان لوگوں کو کب سنائے تھے اگر بقول آپکے صحت اطلاق امر کیلئے مامور کا موجود ہونا اور سننا ضروری ہے تو وید و منوسمرتی کے جملہ احکام بالغو اور بیکار ہیں یا زمانہ تصنیف کے لوگوں سے تو متعلق تھے انکے بعد کسی سے نہیں، دہرم ہی گیا اب کیسی سندھی اور کہاں کی دعوت جب امر تکلیفی میں بھی مامور کا سامنے موجود ہونا امر کا اسی وقت اپنے کانوں سے سننا ضروری نہیں تو امر تکوین جسکا مقصد ایجاد معدوم ہے اسی کیلئے مامور کا پہلے سے موجود ہونا کسطرح ضروری ہو سکتا ہے لیکن یہ حکیمانہ مسائل پنڈت کے دماغ میں کیسے آسکتے تھے یہ علمی باتیں ان تک کہاں پہنچی تھیں۔

ابھی کلو نہیں اس بہری کے یہ گفتگو بھی نہیں گئی ہے ۞ ابھی وہ نام خدا ہے غنچہ نسیم چھو بھی نہیں گئی ہے
اس سے زیادہ نادانی پنڈت صاحب کی یہ ہے جو وہ کہتے ہیں کہ کس علت مادی سے بنایا گیا گویا
آپکے نزدیک ہر چیز کیلئے علت مادی ضروری ہے یہ تو حال ہے علم و خرد کا اور اسپر شوق اعتراض
واہ کیا خوب جناب آپکو اس شکل پر ناز۔ آئینہ دیکھو اور دل میں پشیمان ہو جاؤ۔
خبر بھی ہے کہ موجودات کتنی قسم کی ہے موجودات کو آپنے مادیات میں منحصر کر دیا ہے بات یہ
ہے کہ مادیات کے احاطہ سے نظر آگے نہیں بڑھی۔ یہ لیاقت اور علم الٰہیات میں کلام۔ مادیات کے
لئے علت مادی درکار ہے لیکن خود مادہ بھی تو مخلوق ہے اس کیلئے بھی ایک علت مادی ضروری
ہو تو مادہ کا مادہ کیطرف محتاج ہونا لازم آئے اور یہ تسلسل یا دور تک منجر ہو یہ محال تو مادہ
کی احتیاج مادہ کیطرف یقیناً محال ہوئی۔
دوسری بات یہ کہ مادہ کو اگر تم نے محتاج الی المادہ مانا تو وہ مادہ نہ ہوا مادی ہو گیا۔ والمفروض
خلافہٗ تو لازمی طور پر ماننا پڑیگا کہ مادہ کسی مادے سے نہیں بنایا گیا ہم صاف ہی کہے دیتے ہیں
کہ پنڈت جی اور انکے ہمنوا بتائیں کہ بسائط عنصر یہ کس مادے سے بنے ہیں جب انکے لئے کوئی
مادہ ثابت نہیں کیا جاسکتا تو ہر شئے کیلئے علت مادی کی ضرورت کا دعویٰ باطل و غلط اور بے
علمی و جہالت۔
اب رہی یہ بات کہ پنڈت مادے کو قدیم ماننے اور کارسازِ عالم کے دستِ قدرت کو اسکی
آفرینش تک پہنچنے سے کوتاہ بتائے تو یہ پرلے سرے کی بے خدا اغناسی ہوگی اور اسنے جو ایشور کو
خالق بتایا ہے یہ غلط ٹھہریگا اور جب مادہ خود ہی موجود ہے تو ایشور کا وجود کس دلیل سے ثابت
کیا جائیگا اور قدیم مادہ جو اپنے وجود میں جاعل سے غنی ہے کسطرح دوسرے قدیم یعنی ایشور کا زیر
حکم و تابع فرمان ہو سکیگا اور ایشور کو اسپر حکومت و تفوق کیوں حاصل ہوگا یہ عقیدے ہیں جو
پنڈت جی اور انکے ہمنواؤ نکے ناخن افکار و افکار سے حل نہیں ہو سکتے اور یہ بے علمی و نادانی
ہے کہ خالق عالم کا وجود مانتے ہوئے مادہ کو قدیم کیا جائے اس سے اور بڑھکر معترض کی جہالت

یہ ہے کہ اس نے کہا ہے کہ معلول بے علت نہیں ہو سکتا ہے یہ نابینائی۔ آیت میں تو صاف
بتایا گیا ہے کہ موجودات کا وجود امرِ الٰہی سے ہوتا ہے تو امرِ الٰہی کا علت ہونا ظاہر تھا پھر کس طرح یہ
لکھ دیا کوئی معلول بے علت نہیں ہوتا یہ بتایا کس نے ہے کہ معلول بغیر علت ہے امرِ الٰہی خود
علت ہے مفقود وجود ہے لہٰذا معترض کا قول اور اسکے کلام کا ہر جز سراسر جہل بطالت ہے۔ اسی
اعتراض کے تتمہ میں پنڈت نے یہ الفاظ لکھے۔ خدا اپنے اور دوسروں کے وصف عمل فطرت کے
خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتا جیسے دنیا میں کسی چیز کے جننے بنانے میں تین اشیاء پہلے ضرور ہوتی
ہیں ایک فاعل جیسے کمہار دوسرے بننے والا مثلاً گھڑا مٹی اور تیسرا اسکا ذریعہ جس سے گھڑا
بنایا جاتا ہے۔ جسطرح کمہار مٹی اور آلہ کے ذریعہ گھڑا بناتا ہے اور بننے والے گھڑے سے پہلے
مٹی اور آلات موجود ہوتے ہیں دنیا کے بننے سے پہلے جہان کی علت مادی یعنی پرکرتی کی ا
ان سب کے اوصاف افعال و فطرت ازلی ہیں اسلئے یہ قرآن کی بات بالکل ناممکن ہے۔

جواب:- پنڈت جی نے ایشور کو کمہار پر قیاس کرنے میں اپنی قدر دانی کا نمونہ دکھایا کہ جس
طرح ایک کمہار حقیقتاً کسی چیز کا خالق نہیں مجبور ہے وہ بغیر مٹی اور آلات کے گھڑا نہیں بنا
سکتا یہی ایشور کی مجبوری کا حال ہے کہ جب تک مادہ نہ ہو اور مادہ میں عمل کرنیکے آلات نہ ہو
اسوقت تک بیچارا ایشور کچھ بھی نہیں کر سکتا عاجز ہے مجبور ہے یہ تو ایشور کی شان خدائی ہے
اب اسکی خواہ کتنی بھی مدح سرائی فرمائیے مگر پنڈت جی یہ لکھنا بھول گئے کہ عالم کے بنانے
میں جن آلات کی احتیاج پڑتی ہے اور آفرینش سے پہلے ان آلات کا موجود ہونا ضروری ہے
وہ آلات کیا ہیں اور وہ آلات بھی قدیم ہیں یا حادث۔ حادث تو کہہ نہیں سکتے کیونکہ
کے وجود سے پہلے انکا وجود موقوف علیہ کے طور پر تسلیم کیا ہے اگر انہیں حادث کہیں تو وہ
داخل مخلوقات ہو جائینگے لہٰذا ضرور پنڈت جی کو قدیم ہی ماننا پڑیگا تو اب پنڈت جی بتا
کہ وہ آلات کیا ہیں روح بھی ان آلات میں داخل نہیں ہو سکتی کیونکہ مادہ کیطرح ا
بھی ایشور کے عمل کو قبول کیا ہے اور وہ اسکے مقید کرنیسے جسم کی پابند ہوئی ہے تو روح ا

مادہ دونوں میں عمل کرنیکے لئے جن آلات سے ایشور نے کام لیا ہے اور جنکا موجود ہونا اسکی خالقیت کیلئے پنڈت جی کے خیال میں ضروری ہے وہ آلات کیا ہیں ابھی تک آریوں نے روح مادہ ایشور تینہی قدیم تسلیم کئے ہیں یہ چوتھا قدیم آلات کہاں سے نکل آیا پنڈت جی تو چلے گئے اب انکے ماننے والے آریہ ہی بتائیں کہ وہ آلات کیا ہیں جنکا ایشور محتاج ہے پنڈت جی نے جہاں تک دنیا دیکھی اور موٹے موٹے کام انکی نظر سے گزرے ان میں انہوں نے اکثر یہی دیکھا کہ کاریگر آلوں اور اوزاروں سے کام لیتے ہیں اسے دیکھ کر انکے خیال میں یہی آیا کہ ایشور بھی بہت سے بہت اتنا ہی کرسکتا ہے کہ اوزاروں سے جہاں بنادے اور پھر یہ بھی نہیں کہ اسکی مشیت کو کچھ اسمیں داخل ہو جو چاہے کر سکے بلکہ اسکی مجبوری اور بے بسی کا یہ عالم ہے کہ کسی چیز کے وصف اور فعل تک کو نہیں بدل سکتا۔ پنڈت صاحب نے اپنے اسی قول میں مادہ (پرکرتی) اور اسکے اوصاف و افعال سب کو ازلی بتایا ہے لیکن حیرت ہے کہ باوجود اس اعتقاد کے کہ وہ کس طرح ایشور کے وجود اور اسکی ہستی کے قائل ہیں اور اسکی اپاسنا و عبادت کیوں لازم بتاتے ہیں۔ جب مادہ اور عالم کا ذرہ ذرہ اور اسکے تمام اوصاف و افعال قدیم و ازلی ہیں تو عالم بتمامہ قدیم ہوا۔ اب حادث کونسی چیز رہی جسکے لئے محدث اور پیدا کرنیوالے کی ضرورت ہوتی یا مادہ خود ہی اپنے اوصاف و افعال کیمطابق رنگارنگ صورتیں اختیار کیا کرتا ہے تو ایشور صاحب کون ہیں کیا کرتے ہیں انکا اسپر کیا قابو پھر انکا وجود ثابت کرنے کیلئے کونسی دلیل ہے اس اعتقاد نے سرے سے ایشور کی ہستی ہی کو مٹا ڈالا پھر مذہب کی تمام بنیادیں پیوند خاک ہوگئیں عبادت کس کی اور الہام کیسا جب ایشور ہی نہیں تو یہ تمام منصوبے ہیچ ہیں۔

اعتراض ۱۱۔ پنڈت نے آیہ کریمہ واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا واتخذوا من مقام ابراھیم مصلے کا بالکل غلط ترجمہ لکھ کر یہ اعتراض کیا۔ کیا کعبہ سے پہلے مقدس جگہ خدا نے کوئی بھی نہیں بنائی تھی اگر بنائی تو کعبہ کے بنانیکی کچھ بھی ضرورت نہ تھی اگر نہیں بنائی تو بیچارے پہلے پیدا ہوئے لوگوں کو مقدس جگہ سے محروم ہی رکھا تھا پہلے خدا کو مقدس جگہ

بنانیکی یاد نہ رہی ہوگی۔

جواب :- اہل عقل اور سمجھ دار آریے غور کریں یہ اعتراض ہی کیا ہوا - اس آیت میں یہ
کہاں ہے کہ کعبہ معظمہ کو پہلے ہی مقدس نہ بنایا تھا ۔ پھر اعتراض کس چیز پر محض اپنے تخیل پر آپ
معترض ہیں تو یہ کمال نادانی ہے ۔ اور فرض کرو یہ ہوتا بھی کہ کعبہ معظمہ کو آفرینش سموات والارض
کے بعد مقدس بنایا تو یہ بات کیا قابل اعتراض تھی ۔ کیا کارخانہ صنع الٰہی میں تدریج نہیں ہے
اتنا تو دنیا کا ہر فرد بشر جانتا ہے کہ اس عالم کا نظام تدریجی ہے ۔ پرندوں کے بچے گوشت کے لوتھڑے
کی شکل پیدا ہوتے ہیں ' وقت پیدائش نہ انکے پر ہوتے ہیں نہ بال ۔ ایک عرصہ کے بعد پر و بال
پیدا ہوتے ہیں تو پنڈت جی تو اپنے بھولے پن سے یہی کہینگے کہ پہلے ایشور کو پر لگانیکی یاد نہ رہی
ہوگی ۔ مگر خدا شناس اور اصحاب عقل ایسے بیہودہ کلمہ کو سننا گوارا نہیں کرتے ۔ وہ جانتے ہیں کہ
ہر کام حسب اقتضاء حکمت و مصلحت کسی وقت کے ساتھ خاص ہوتا ہے ۔ پنڈت جی یہ
بتادیں کہ وہ اس زمانہ میں کیوں پیدا ہوتے پہلے جگ میں کیوں نہیں ہوئے کیا اسوقت ایشور
کو بقول انکے انکے بنانے اور پیدا کرنیکی یاد نہیں رہی تھی۔

اس موقع پر ایک واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا ۔ عرصہ ہوا کہ بریلی میں آریہ اس فقیر سے
مناظرہ کرنے آئے تھے ۔ انکے پنڈت نے یہ اعتراض کیا کہ توریت انجیل زبور اور قرآن شریف
چار کتابیں مختلف زبانوں میں کیوں نازل ہوئیں ۔ ایک ہی مرتبہ ایک مکمل کتاب کیوں نازل
نہ کردی گئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کتاب نازل کرنیکے وقت (معاذ اللہ) خدا سے بھول
ہوئی جب یاد آیا کہ فلاں فلاں بات رہ گئی تو دوسری کتاب نازل کی اسمیں بھی بھول سے کچھ
باتیں رہ گئیں یاد آنے پر تیسری اور اسی طرح سب کے آخر میں چوتھی کتاب نازل کی اگر وہ
باتیں پہلے یاد ہوتیں تو ایک ہی مرتبہ مکمل کتاب نازل کر دیتا۔

پنڈت صاحب نے بڑے تفاخر سے اچھل اچھل کر اس اعتراض کو پیش کیا اور انہیں
یقین تھا کہ ہمیں انکا مقابل لاجواب ہو جائیگا اور میدان انکے ہاتھ رہیگا۔

فقیر نے کہا کہ پنڈت صاحب یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں حکیم کے افعال حسب اقتضاء حکمت و مصلحت ہوتے ہیں جسوقت جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے اسی کو وہ بہم کرتا ہے ایک حاذق طبیب ایک وقت مریض کیلئے منضج کا نسخہ لکھتا ہے پھر وہی اس نسخہ کو موقوف کرکے مسہل کا نسخہ دیتا ہے اسکے بعد اسکو بھی موقوف کرتا ہے تبرید میں لاتا ہے پھر انہیں موقوف کرکے مقویات دیتا ہے۔ اسکے یہ معنی نہیں کہ منضج کا نسخہ لکھتے وقت اسکو مسہل یاد نہ تھا اور مسہل تجویز کرتے وقت تبرید کا اسکو علم نہ تھا اور تبرید دیتے وقت وہ نہ جانتا تھا کہ آخر کار مقویات دینے ہونگے بلکہ یہ سب کچھ حسب اقتضا و حکمت ہے وہ حکمت اگر آپکی سمجھ میں نہ آئے تو آپکے علم و عقل کا قصور ہے حکیم پر اعتراض بیجا ہے۔

یہ مضمون میں نے تفصیل و توضیح کیساتھ بیان کیا الحمد للہ جلسہ کے لفظ لفظ مطمئن اور خاطر نشین ہو گیا مجمع سے آفریں اور مرحبا کی صدائیں آنے لگیں مگر پنڈت صاحب بہت برہم ہوئے بہت بگڑے بڑے جوش میں کھڑے ہوئے تیوری میں بل ڈالکر کہنے لگے ہم جانتے تھے کہ آپکے پاس اس اعتراض کا کچھ جواب نہیں ہے اور آپ یہی کہینگے کہ دین کی بات میں عقل کا کچھ دخل نہیں اپنی حکمت کو خدا ہی جانے مگر یہ کہدینے سے میرا اعتراض نہیں اٹھا آپ اعتراض کا جواب دیجئے اسکے ساتھ پنڈت جی نے تعلی وغیرہ کے بہت کلمات کہے۔ میں نے کہا پنڈت جی بات تو میں نے بہت معقول کہی اور مجمع کے دل نشین بھی ہو گئی میری تقریر پر آپ کوئی جرح بھی نہیں کر سکتے اور اسکا کوئی لفظ آپ سے غلط ثابت نہ ہو سکا اسپر اتنا غصہ ہے ٹھنڈے دل سے اس پر غور کیجئے آپکے اعتراض کا جواب شافی پیش کر دیا گیا ہے۔

اس متانت کی گفتگو نے پنڈت صاحب کو بہت زیادہ گرم کر دیا اور انہوں نے بہت سخت لب و لہجہ میں پھر اپنے اعتراض کو پیش کر کے جواب طلب کیا میں نے کہا کہ پنڈت صاحب جواب شافی تو میں دے چکا اور مجمع سمجھ گیا مگر آپ کہتے ہیں کہ جواب ہی نہیں ہوا تو اب میں آپکی فہم کے لائق جواب عرض کرتا ہوں۔ قرآن پاک کو تو آپ مانتے ہی نہیں مگر یہ تو آپکو تسلیم ہے

کہ آپکو تو آپکے ایشور ہی نے پیدا کیا ہے۔ اِسوقت تو آپکا قد پانچ چھ فٹ لمبا ہے منہ پر مونچھیں ہیں۔ کھانے کے دانت داڑھیں موجود ہیں لیکن جب آپ پیدا ہوئے تھے اسوقت نہ آپکے منہ میں دانت تھے نہ داڑھیں نہ یہ لمبی لمبی مونچھیں نہ اتنا بڑا قد و قامت تو کیا آپکے اعتقاد میں اسوقت ایشور ان سب چیزوں کو بھول گیا تھا۔ آپکی تو صرف زبان ہلتی ہے آپ آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ ایشور سے بھول ہو گئی تھی لیکن اگر کہیں پنڈت پیدائش کے وقت جناب کا یہ قد و قامت ہوتا تو والدہ صاحبہ کی شامت تھی۔ یہ جواب سنکر آریہ تو چلدئے اور پنڈت جی اکیلے رہ گئے زبان سے اٹھا گیا نہ زبان سے ایک لفظ نکل سکا اور مجمع میں تحسین و آفرین کا شور مچ گیا۔ اس پنڈت کی یہ گفتگوئے نادانی تھی انہیں استاد کی تعلیم کا نتیجہ تھی جسپر اسکو انتہا درجہ کی شرمندگی اٹھانا پڑی۔

آیہ ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم کا غلط ترجمہ لکھکر پنڈت نے یہ اعتراض کیا ہے۔

اعتراض:- یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو ابراہیم کے دین کو نہیں مانتے وے سب جاہل ہیں؟ ابراہیم کو ہی خدا نے پسند کیا اسکا کیا سبب ہے؟ اگر دیندار ہونیکے سبب کیا تو دیندار اور بھی بہت سے ہو سکتے ہیں اگر بلا دیندار ہونیکے پسند کیا تو بے انصافی ہوئی۔ ہاں یہ تو ٹھیک ہے کہ جو دہرماتما ہے وہی خدا کو عزیز ہوتا ہے ادھرمی نہیں۔

جواب:- پنڈت جی کی فہم پر افسوس اتنا بھی نہ سمجھے کہ کسی نائب السلطنت یا سفیر حکومت کی مخالفت اس سلطان کی مخالفت ہوئی جس نے اسے یہ منصب دیا ہے جب ابراہیم علیہ السلام فرستادہ خدا اور اسکے رسول تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں ملت حنفیہ کی دعوت و تبلیغ کیلئے بھیجا تھا تو جو کوئی انکے دین سے پھریگا وہ دین الٰہی سے منحرف ہوا کس عاقل کے نزدیک ایسا شخص مستحق عتاب و عقاب نہ ہوگا پنڈت جی کی سمجھ میں اتنی بات بھی نہیں آتی اور انکا یہ کہنا کہ دیندار اور بھی بہت ہو سکتے ہیں!! اگر اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور انبیاء علیہم السلام کو بھی مرسل کیا اور وہ بھی دین لائے۔ تو ان سب کی بھی اطاعت واجب ہے اور ان میں سے ہر ایک نبی سے انحراف کرنیوالا متمرد باغی مستحق سزا ہے اور اگر

پنڈت جی کی یہ مراد ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے طریقوں کے سوا اور لوگ بھی دیندار ہیں تو انہیں یہ کہنا چاہیے کہ انکے پاس دین الٰہی نہیں باطل ہے۔ جیسے بت پرستوں کا دین، آتش پرستوں کا دین کواکب پرستوں کا دین، مادہ پرستوں کا دین، آریوں کا دین، یہ دین جو دین الٰہی نہیں ہیں انکا اختیار کرنے والا اور دین الٰہی کو چھوڑنے والا تو مستحق سزا ہے۔ پہلے آپ اپنے دین کو دین الٰہی تو ثابت کیا ہوتا آپ اپنے دینوں میں شمار کرتے مگر آپ دین الٰہی کیا ثابت کر سکتے آپکے اعتقادات تو ایشور کا وجود ہی ثابت نہیں ہونے دیتے۔ مادہ اور اسکے اوصاف و افعال کی قدامت چاہتی ہے کہ عالم خود بخود ہو جب پنڈت جی کو یہ تسلیم تو وہ خدا کے وجود کا کس منہ سے دعویٰ کر سکتے ہیں اور خدا ہی نہ ہو تو خدائی دین کہاں سے آئیگا۔ پنڈت جی کا یہ کہنا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو حضرت ابراہیم کو نہیں مانتے وہ سب جاہل ہیں عاقل کے کہنے کی بات نہیں اتنا تو ہر شخص جانتا ہے کہ سچے دین کا نہ ماننے والا ضرور جاہل و گمراہ ہے اور اس سے بڑھکر انسان کی سیہ دلی و سینہ کجی کیا ہو گی کہ دین حق سے منحرف ہو جائے کیا پنڈت صاحب کے اعتقاد میں جو لوگ انکے دین کے مخالف ہیں وہ نادان اور غلط کار نہیں عالم دیندار خدا شناس ہو سکتے ہیں اگر وہ کہیں کہ نہیں جب تو پنڈت صاحب کا اعتراض خود انکے سر پر سوار ہو گیا۔ اور اگر کہیں کہ ہاں ویدک دھرم کے نہ ماننے والا بھی عالم دیندار خدا شناس ہو سکتے ہیں تو پھر انسان کیلئے اس دھرم کا ماننا ضروری نہ رہا کیونکہ بغیر اسکے بھی علم و خدا شناسی اور دینداری حاصل ہو جاتی ہے تو اس دین کی پابندیاں برداشت کرنے اور بیفائدہ تکلیف اٹھانے کی کیا حاجت پنڈت جی کا یہ نکتہ آریوں کی سمجھ میں آجائے تو وہ دھرم کی قیدوں سے آزاد ہو کر آنند کریں۔ یا اگر خدا عقل دے تو یہ غور کریں کہ جبکہ خدا شناسی کے لئے ضرور نہیں اب وہ کونسا دین ہے جو خدا شناسی کے لئے اپنے اصول کی پابندی ضروری بتاتا ہے اور اگر اس کی پابندی نہ کی جائے تو عذاب دائم اور مصیبت ابدی میں گرفتار ہونے کا اعلان کرتا ہے اس کو قبول کریں تاکہ اس کے بموجب بھی نجات پاسکیں اور پنڈت جی کے طور پر تو ان کے دین کا قبول کرنا نجات کیلئے ضروری ہی نہیں ہے۔

پنڈت نے آیۂ قد نریٰ تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلۃ ترضٰھا الآیہ نقل کر کے اسکا غلط ترجمہ لکھ کر مسلمانوں پر بت پرستی کا الزام لگایا ہے۔ آیت شریف میں کعبہ معظمہ کے قبلہ بنانے اور نماز میں اسکی طرف منہ کرنیکا بیان ہے اسکو پنڈت صاحب نے شرکت وبت پرستی بتایا اور نہایت خلاف تہذیب کلمات سے اسپر اعتراض کیا پنڈت کے چند کلمے نقل کئے جاتے ہیں

اعتراض۔ محمد صاحب نے چھوٹے بت کو مسلمانوں کے مذہب سے نکالا لیکن بڑا بت جو پہاڑ کی مانند مکہ کی مسجد ہے وہ تمام مسلمانوں کے مذہب میں داخل کر دیا کیا یہ چھوٹی بت پرستی ہے ہاں جیسے ہم لوگ (ویدک) وید کے ماننے اور اسپر عمل کرنے والے ہیں ویسے تم لوگ بھی ویدک ہو جاؤ تو بت پرستی وغیرہ برائیوں سے بچ سکو گے ورنہ نہیں۔

جواب۔ اتنا عظیم طوفان وبہتان ہے جس آدمی کو جھوٹ بولنے میں شرم نہ ہو وہ جو چاہے کہے اسکی بندش ہی کیا ہو سکتی ہے کعبہ معظمہ کو پنڈت نے خود مسجد بتایا اور خود ہی بڑا بت بتایا۔ اب کوئی پوچھے کہ مسجد عبادت خانہ کو کہتے ہیں۔ دنیا میں عبادت خانہ کو بت کس نے بتایا ہکو ابھی تک یہ معلوم نہیں کہ بے شعور مخلوقات میں سے جسکو پوجا جائے جسکی پرستش وعبادت کی جائے وہ بت ہوتا ہے نہ کہ پوجا کی جگہ یا پرستش وعبادت کا مقام یہ انوکھی ہی بات ہے کہ مقام عبادت کو بت اور معبود سمجھ لیا جائے جس کی سمجھ کا یہ حال ہو اسکا معترض ہونا جائے تعجب و مقام حیرت نہیں یہی حال ہے تو پنڈت جی ہر چیز کے مکان پر اسی کا حکم جاری کر دیا کرینگے مہمان خانہ کو مہمان اور مسافر خانہ کو مسافر اور بیمار خانہ کو بیمار اور قمار خانہ کو قمار اور شرابخانہ کو شراب سمجھ لیں گے۔ اس سمجھ کی آپ ہی تعریف کرینگے مسجد جائے سجود ہے نہ کہ معبود۔ پارسیوں کے آتش خانے اور ہنود و سکھ کے بت خانے کو کوئی بت نہیں کہتا۔ پھر پنڈت کی عقل کو کیا ہو گیا کہ اس نے مسجد کو معاذ اللہ بت بتا دیا تعصب کی کچھ انتہا ہے۔ پنڈت کا یہ الزام کسی دوسرے پر اسقدر قبیح نہ ہوتا جتنا مسلمانوں پر بیجا ہے کیونکہ ہر مسلمان نماز کی نیت میں یہ کلمے کہتا ہے تب نماز شروع کرتا ہے نویت ان اصلی رکعتی صلوٰۃ الفجر للہ تعالیٰ متوجھا الی الکعبۃ الشریفۃ

میں نیت کرتا ہوں کہ کعبہ کیطرف منہ کر کے خاص اللہ تعالیٰ کیلئے دو رکعتیں نماز فجر ادا پڑھوں اس نیت میں جس وقت کی نماز ہوتی ہے اسی کا نام لیتا ہے مگر باقی تمام کلمے ہر نماز میں یکساں رہتے ہیں اور نماز شروع کرنے سے قبل وہ یہ کہہ لیتا ہے کہ میری نماز خاص اللہ کیلئے ہے تو دوسرے کسی کا وہم بھی نہیں آسکتا۔ مسلمانوں کی عبادت میں توحید کی یہ مزیدار چاشنی ہے جو خدا پرست کو مست بنا دیتی ہے ان پر مفتری کا اتہام بت پرستی کب چسپاں ہو سکتا ہے۔ غیر کی پرستش کا تو اسلام نے شائبہ بھی نہ چھوڑا۔ نماز کے اندر آنے سے پہلے ہی عابد نے تصریح کر دی کہ اسکی عبادت خاص اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کیلئے۔ اسکے بعد اللہ اکبر کہکر خدائے تعالیٰ کبریائی کے اعتراف و اقرار کیساتھ وہ نماز میں داخل ہوتا ہے اور آغاز عبادت اپنے معبود برحق جل شانہٗ کی ثنا سے کرتا ہے اور کہتا ہے۔ سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کے بعد وہ توحید کا اعلان کرتا اور شرک کی گردن قطع کر دیتا ہے کہ لا الہ غیرک کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں جسکی عبادت کی ابتدا میں یہ اعلان ہو اسکو بت پرست اور مشرک کہنا کیسا کذب کیسا فریب کتنا بڑا بہتان و افتراء ہے جسطرح نماز میں وقت کا نام لینے کو کوئی وقت پرستی نہیں کہہ سکتا اسی طرح کعبہ معظمہ کا نام لینے کو کعبہ پرستی نہیں کہا جاسکتا۔ پنڈت سے کہوگا اپنے گریبان میں تو منہ ڈال سندھیا کرنیوالے کو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۴۴ میں ہدایت کی ہے جنگل یا تنہا جگہ میں جا کر قائم مزاجی سے پانی کے نزدیک بیٹھ کر نت کرم کر نیکے بعد ساوتری کو پڑھے۔ اب آریہ بتائیں پنڈت کے اصول پر آب پرستی اور پانی کی پوجا ہوئی یا نہیں۔ اور اگنی ہوتر میں جو آریوں کی عبادت ہے جس کا طریقہ پنڈت جی نے ستیارتھ صفحہ ۴۵ میں لکھا ہے اسمیں ویدی کھودی جاتی ہے آگ جلائی جاتی ہے صندل وغیرہ کی عمدہ لکڑیاں پھونکی جاتی ہیں۔ آگ میں گھی ڈالا جاتا ہے۔ یہ آتش پرستی ہوئی یا نہیں۔ پنڈت جی کو اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہ آیا۔

پنڈت نے آیہ کریمہ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات پر یہ اعتراض کیا ہے۔

اعتراض:۔ بھلا خدا کی راہ میں مرنے مارنیکی کیا ضرورت ہے۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ یہ بات اپنے مطلب پورا کرنے کیلئے ہے یعنی یہ لالچ دینگے تو خوب لڑینگے اپنی فتح ہوگی مارنے سے نہ ڈرینگے۔ لوٹ مار کر پیسے عیش وعشرت حاصل ہوگی بعدازاں خوب گلچھرے اڑائینگے۔ اپنی مطلب براری کیلئے اس قسم کی الٹی باتیں گھڑی ہیں۔

جواب:۔ مرنے مارنیکی جگہ تو خدا ہی کی راہ ہے اور مرنا مارنا تو وہی کام کا ہے جو راہ خدا میں ہو جو مرنا مارنا خدا کی راہ میں نہ ہو وہ فساد ہے بد معاشی ہے جرم و گناہ ہے ظلم وعدوان ہے ہندوستان میں ہندو خونخوارانہ جنگ کرتے رہے ہے۔ اچھوت اقوام کیلئے انکے تیر وتلوار ہمیشہ تشنہ خون رہے ہے۔ ہندوستان کے قدیم باشندوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ منوسمرتی میں انکے لئے وہ احکام لگائے ایسی سختیاں کیں جو انسان کسی جانور کیلئے بھی گوارا نہیں کرتا پنڈت صاحب نے اسپر کوئی حکم نہ دیا خود غرضی کی جنگ کی انکا مذہب تعلیم دیتا ہے لنکا دین کے لوگ اسپر عامل رہے ہے اور اب بھی وہی ستمگاری انکی طبیعت میں ہے۔ ہندوستان کی سرزمین بیگناہوں کے خون سے رنگ ڈالی مگر پنڈت صاحب نے اسکی نسبت ایک لفظ نہ کہا۔ نہ ان کتابوں کو اپنے دین سے خارج کیا جن میں یہ تعلیم دی گئی ہے۔

راہ خدا میں جان دینا تو بڑے بلند حوصلہ عالی ہمت خدا پرستوں کا کام ہے حق وصداقت کے شیدائی راہ حق پر قائم رہتے ہیں۔ دنیا کی قومیں اور ظالمانہ طاقتیں انپر بلائے ناگہانی کیطرح ٹوٹ پڑتی ہیں اور سالکان راہ حق کو جادۂ صدق وصفا سے ہٹانے کیلئے جور وجفا کے پہاڑ ان پر ڈھائے جاتے ہیں۔ امتحان گاہ صداقت میں یہ انکی آزمائش کا وقت ہوتا ہے۔ راست باز خدا پرست بلاؤں کی ان بھیانک گھٹاؤں کی کچھ پرواہ نہیں کرتے گردنیں کٹوا لیتے ہیں مگر راہ خدا سے قدم نہیں ہٹاتے صادق العہد ایمانداروں کو تیغ وسنان اور لشکر وفوج وفا کے عہد سے منحرف نہیں کرسکتے۔ لذت طاعت وعبادت کے متوالے یاد خدا میں مست رہتے ہیں خواہ کوئی انکے خون بہائے یا سر کاٹے دولت ومال چھینے یا گھر لوٹے مگر انکے استقلال واستقامت میں

فرق نہیں آتا مئے توحید کے مستانے سر دیکر سود لئے محبت خرید لیتے ہیں ع طعمہ ہر مرغکے انجیر نیست
اہل باطل میں یہ حوصلہ کہاں دنیا پرستوں کو اس جذبہ کی کیا خبر ہے

سرمد غم عشق بو الہوس را ندہند ‌ ‌ ‌ ‌ سوز دل پروانہ مگس را ندہند

دنیا کو اس صدق و راستی نے حیرت میں ڈالدیا اس وارفتگی و صداقت نے متحیر کر دیا۔ بیر معونہ کے واقعہ میں کفار نے ستر حافظ قرآن صحابہ کرام کو دھوکہ سے بلا کر شہید کر دیا۔ ان حضرات نے دشمنان دین کا خون نہ کیا تھا مال نہ لیا تھا اور کسی طرح کی عداوت نہ تھی بجز اسکے کہ وہ دل و زبان سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے معتقد و قائل تھے ان سے یہی کہا جاتا تھا کہ تم یہ کہنا چھوڑ دو پھر جو چاہو تمہارے لئے حاضر ہے مال دولت بھی خوبصورت وحسین لڑکیاں بھی اگر اس سے باز نہ آئے تو تمہیں سولی دیکر یا تیل میں جلا کر سختی کیساتھ ہلاک کر دیا جائیگا مگر ان صادق العہد وفا شعاروں نے دولت دنیا کو ٹھکرا دیا اور سولی کی پرواہ نہ کی کلمہ شریف پڑھتے پڑھتے جانیں دیدیں اور حق یہ ہے کہ صدق وحقانیت کے جلوے دیکھنے والے ہی فداکاری کر سکتے ہیں جنہیں اپنے دین میں حقانیت کی دلکش روشنی نظر نہ آئی ہو وہ بیچارے فداکاری کی لذت سے کیا خبردار ہونگے جو دین خود اس دین والوں کی نظر میں اس قابل نہ ہو کہ اس پر جان نثاری کیجائے اسکا بطلان اور کسی دلیل کا محتاج نہیں۔

رہا مسلمانوں پر مارنے کا الزام جسکا بڑا غوغا ہے اور بیجا طور پر مسلمانوں کو متہم اور بدنام کیا جاتا ہے پہلے اسکی حقیقت سامنے لائیے واقعات کی تحقیق کیجئے اسکے بعد حکم لگائیے۔ یہ تو بڑی جہالت ہے کہ واقعات کو تو نہ دیکھا جائے اور محض توہم یا عناد سے کسی کو مورد الزام بنایا جائے

حضور پر نور سید انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیا کو اسلام کی دعوت دی اور دین الٰہی کو قبول کرنیکی ہدایت فرمائی اور کتاب الٰہی قرآن کریم کو پیش فرمایا۔ اس قرآن پاک کے ماننے پر کسی کو شمشیر سے مجبور نہ کیا نہ جبر سے کام لیا بلکہ قرآن پاک کے کتاب الٰہی ہونیکا ایسی زبردست دلیل سے ثبوت دیا جس نے تمام دنیا کو ساکت کر دیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ عرب میں ہوئی نشو ونما عرب میں پائی عربوں کی گودوں میں پلے عربوں
میں جوان ہوئے عربوں کی زبان میں کلام فرمایا کسی دوسرے ملک میں تعلیم حاصل کرنے تشریف نہ
لیگئے بلکہ اپنے ملک میں بھی کسی کے سامنے شاگرد بنکر نہ بیٹھے کسی سے ایک حرف نہ سیکھا باوجود
اسکے آپ جو کتاب لائے وہ عربی میں تھی زمانہ ایسا تھا کہ عربی علم و ادب انتہائی عروج پر تھا فصحا
بلغا سے ملک بھرا ہوا تھا فصاحت و بلاغت و زبان دانی کا شہرہ تھا نظم و نثر کی اعلیٰ ترین دست
گاہ رکھنے والوں سے ملک بھرا ہوا تھا زبان کے ماہر غرور یکتائی کے نشہ میں چور تھے اسی حالت
میں حضور سید انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کتاب لائے اسکے ساتھ یہ اعلان تھا کہ یہ کتاب
فصاحت و بلاغت میں اپنا نظیر نہیں رکھتی کسی صاحب کمال کی مجال نہیں کہ وہ اسکا مثل بنا
کر پیش کر سکے تمام مخلوق جن و انس کو اعلان دیدیا گیا کہ یہ کتاب الٰہی ہے اسلئے کسی مخلوق
کی قدرت میں نہیں کہ اسکا مثل بنا سکے قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا
بمثل ھذا القران لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔

جب تمام جن و انس اور کل کائنات قرآن پاک کا مثل پیش کرنے سے عاجز رہی اور مقدرت
مخلوق سے اس کتاب پاک کا مثل بنانا ناممکن ہوا تب اس کے کمال و بیمثالی کے اظہار کے
لئے اور ترقی کی اور فرمایا کہ اگر تم سب ملکر ایک دوسرے کے مددگار ہو کر بھی قرآن پاک کا مثل
بنانے سے عاجز رہے تو اتنا ہی کرو کہ فقط دس سورتیں اسکی مثل بنالاؤ یہ تو اسکا چھوٹا سا حصہ
ہے فاتوا بعشر سور مثلہ جب وہ دس سورتیں بھی نہ بنا سکے تو اور تخفیف فرمائی اور انکے کمال
عجز کے اظہار کیلئے فرمایا فلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صدقین مگر ایک بات ہے اسکی مثل
بنالاؤ۔ ایک چھوٹی سی سورت کی برابر ہی کوئی عبارت لکھ لاؤ۔ زبان کے ماہر ہو فصاحت و
و بلاغت میں شہرۂ آفاق ہو اگر قرآن پاک کے کتاب الٰہی ہونے میں تردد رکھتے ہو تو اسکی مثل
بنالاؤ۔ یہ بھی نہ کر سکو تو صرف دس سورتوں کی مثل بنالاؤ یہ بھی امکان میں نہ ہو تو صرف کسی
ایک سورت ہی کا مثل بنالاؤ۔ مگر عرب کے تمام فخر روزگار ماہر زبان اور آسمان فصاحت کے نیر

اعظم اتنا بھی نہ کر سکے عاجز رہے انکو قرآن پاک کی اس تحدی نے مجبور و لاچار دیکر شرم سے سر نہ اٹھا سکے اور یقین کامل ہو گیا کہ اس کتاب کی مثل بنانا ہمارے امکان میں نہیں ہے تو انہوں نے بجائے علمی مقابلے کے معاندانہ شروع کر دیا اور ہنگامہ کارزار گرم کر ڈالا تب انکے مقابلہ کیلئے مسلمانوں کو میدان میں آنا پڑا۔ مسلمانوں کی حالت پر نظر کرنا بھی ضروری ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ابتدائی عہد میں جبکہ انکی تعداد محدود اور جماعت منتشر تھی۔ دس کہیں رہتے تھے بیس کہیں اور سب طاقتور دولتمند جتھے دار جنگجو کفار کے انبوہ میں گھرے ہوئے تھے۔ وہ لوگ اپنے زور و زر کے غرور میں رات دن ان پر ظلم کرتے تھے انکے پاس نہ رہنے کیلئے محفوظ مکان تھے نہ گزراوقات کیلئے کافی اسباب معاش کیونکہ مسلمان ہونیوالوں کو اسلام لا کر اپنی تمام دولتوں سے دستبردار ہونا پڑتا تھا وہ صرف اپنی جان لیکر سید عالم کے حضور میں حاضر ہوتے۔ زن و فرزند اور عزیز و اقارب تک انکے دشمن جان ہو جاتے تھے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بھی کوئی دنیوی خزانہ ظاہر میں موجود نہ تھا اگرچہ درحقیقت وہ تمام عالم کے مالک ہیں لیکن کفار جس چیز کو دولت یا خزانہ سمجھتے ہیں اسکا یہاں پتہ نہ تھا۔

دولت سرائے اقدس میں کئی کئی روز مطبخ سرد رہتا اور دھواں تک نہ اٹھتا پیہم فاقوں سے ہادی عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شکم مبارک پر پتھر باندھنا پڑتے تو اسلام قبول کرنیوالوں کیلئے یہاں بھی آسائش زندگانی کیلئے سامان موجود نہ تھے۔ نہایت بے بسی اور بیکسی کا عالم تھا ضروری لباس تک انکے پاس نہ تھا۔ اس حالت میں کون کہہ سکتا ہے کہ ان میں ہمت ملک گیری پیدا ہو سکتی تھی اور وہ معدود افراد باوجود ان مصائب تمام اور بے سامانی کے زبردست طاقتور ملک سے جنگ کرنے کیلئے تیار ہو سکتے تھے جنکی تعداد بدرجہا زیادہ ہر قسم کا سامان انکے پاس موجود نبرد آزما دیو پیکروں کے مسلح لشکر ہر وقت تیار اور جوش عداوت زور پر۔ اگر اس قسم کی حالت دنیا کی کسی اور جماعت کو پیش آتی تو وہ ہرگز اپنے آئین و دین پر قائم نہ رہ سکتی اور ضرور اسکو ملک کی ایسی زبردست اکثریت کے سامنے گردن جھکانا پڑتی اور اپنا ملک

چھوڑ کر دشمن کی اطاعت کے سوا چارہ نہ ہوتا لیکن ان حالات میں مسلمانوں کا استقلال کیساتھ اپنے دین پر قائم رہنا اور مصائب کے طوفانوں کو خیال میں نہ لانا اور جانونکو راستی و خدا پرستی پر قربان کر دینا اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک تعلیم سے جذبۂ خدا پرستی میں ایسا سرشار ہو جانا کہ دنیا کی آفت و مصیبت اور سخت سے سخت بلا اور تمام ملک کا شمشیر بکف ہو کر تشنۂ خون ہو جانا انہیں مرعوب نہ کر سکا نہایت حیرت انگیز اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بہت واضح اور روشن معجزہ ہے ان واقعات پر نظر کر کے کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ مسلمان خود درپے جنگ ہو بھی سکتے تھے ہاں جب کفار نے انہیں چین نہ لینے دیا اور بجائے اسکے کہ قرآن کریم کی ایک چھوٹی سی سورت کا مثل بنا سکتے، لڑنے کیلئے آمادہ ہو گئے اور ہر طرف سے لشکر کشی شروع کر دی اور مسلمانوں کو قتل کرنے کیلئے ٹوٹ پڑے تو اسوقت مسلمانوں کا استقلال کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہنا اور ان ہولناک مصائب کے ہجوم میں ثابت قدم رہنا اور شجاعت و بسالت کے ساتھ اعدائے دین کا مقابلہ کرنا اور بتائیدِ الٰہی اپنی قلت اور بے سامانی کے باوجود ان پر فتح پانا اور تمام ملک کا بادشاہ اسلام کے مقابل عاجز ہونا اور انکی دو طرفوں لشکروں کا انکے کام نہ آنا اسلام کی حقانیت اور ربانی تائید کی کھلی دلیل ہے ایک طالب حق اتنا ہی دیکھ کر اسلام کی حقانیت کیطرف سے مطمئن ہو سکتا ہے اور یہ حالات اسکی ہدایت کیلئے کفایت کر سکتے ہیں بشرطیکہ چشم بینا اور منصف دل اسکے پاس موجود ہو یہی وجہ تھی کہ لاکھوں آدمی اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے چلے گئے اور وہ ہی جو سرگرم مخالفت تھے اسلام کے شیدائی بن گئے اس جنگ پر جو مسلمانوں کیلئے ناگزیر تھی کون عاقل انہیں الزام دیسکتا ہے اسلام کے آئین میں ملک و مال کیلئے جنگ کرنا داخل ہی نہیں ہے اور یہی سبب ہے کہ اسلام کے پیشوائے اعظم حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اگرچہ بہت سی فتوحات ہوئیں اور سرکش قومیں اطاعت کیش اور فرمانبردار بنیں محارب ناکام ہوئے اسلام کو فتح پر فتح حاصل ہوتی چلی گئی لیکن باس ہمہ فتوحات سلطان کونین بادشاہ دارین صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی سکونت و آسائش کیلئے کوئی قلعہ یا گڑھی تیار نہیں فرمائی نہ کوئی خزانہ نہ ذات خاص کیلئے املاک کثیرہ نہ اپنے اہل و عیال کیلئے فراغت عیش کے اسباب و وسیع جاگیریں اور وافر مال بہم پہنچایا بلکہ اس سرورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس زندگی اول سے آخر تک درویشانہ و زاہدانہ رہی۔

اعتراض:۔ پنڈت نے آیات ان اللہ شدید العقاب و لا تتبعوا خطوات الشیطن کو بے جوڑ طریقہ سے ملایا۔ کسی کا ٹکڑا کسی کے ساتھ جوڑا سخن فہمی تو اس سے ظاہر ہے کہ اتنا بھی شعور نہیں کہ بات کہاں پوری ہوئی دو باتیں ہیں ان میں سے پہلی بات کا نصف حصہ علیحدہ کیا اور پچھلا نصف دوسری بات کیساتھ ملایا ایسا بے شعور آدمی اگر اعتراض کرے تو کیا تعجب ہے وہ خود اپنی نادانی کا ماتم کرتا ہے پھر بھی اس جوڑ گانٹھ قطع و برید سے کوئی نتیجہ نہ نکلا اب پنڈت کی عبارت دیکھئے اور اندازہ کیجئے کہ کونسی قابل اعتراض بات اسکے ہاتھ آسکی پنڈت نے آیت کی قطع و برید کر کے جو اس کا ترجمہ لکھا ہے وہ یہ لکھا ہے" اور یہ کہ اللہ سخت تکلیف دینے والا ہے شیطان کے پیچھے مت چلو وہ واقعی تمہارا دشمن ہے"۔ اسکے سوائے اور کچھ نہیں کہ برائی اور بے شرمی کی اجازت دے اور یہ کہ تم کہو اللہ پر جو نہیں جانتے۔ اعتراض۔ کیا تمہارا خدا بدوں کو عذاب دینے والا اور نیکوں پر رحم کرنیوالا ہے یا مسلمانوں پر رحم کرنیوالا اور دوسروں کو عذاب دینے والا ہے، موخر الذکر صورت میں وہ خدا ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر خدا طرفدار نہیں ہے تو جو آدمی جبکہ دھرم کریگا اس پر خدا رحم اور جو ادھرم کریگا اسکو سزا دیگا ایسی حالت میں محمد صاحب اور قرآن کو شفیع جاننا ضروری نہ رہا" اور جب سب کو برائی کرانیوالا ہر ایک انسان کا دشمن شیطان ہے اسکو خدا نے پیدا ہی کیوں کیا کیا وہ آئندہ کی بات نہیں جانتا تھا، اگر کہو کہ نہیں جانتا تھا لیکن آزمائش کیلئے بنایا تو بھی درست نہیں کیونکہ آزمائش کرنا محدود العقل کا کام ہے، ہمہ داں خدا سب روحوں کے اچھے برے اعمالوں کو ہمیشہ ٹھیک ٹھیک جانتا ہے اور اگر شیطان سب کو بہکاتا ہے تو شیطان کو کس نے بہکایا ہے۔ اگر کہو کہ شیطان خود بخود بہکا یا جاتا

ہے تو اور بھی خود بخود بہکائے جا سکتے ہیں۔ درمیان میں شیطان کا کیا کام ہے اور اگر خدا ہی نے شیطان کو بہکایا تو خدا شیطان کا بھی شیطان ٹھہریگا۔ ایسی بات خدا کی نہیں ہو سکتی۔ اور جو کوئی کسی کو بہکاتا ہے وہ بد صحبت اور لاعلمی کے باعث خود گمراہ ہوتا ہے۔

جواب :- یہ وہی باتیں ہیں جو پنڈت کی زبان پر چڑھی ہوئی ہیں اور بارہا انکو لکھ چکا ہے اور مکرر سہ مکرر جواب گذر چکے ہیں۔ جب اسلام دین الٰہی ہے اور وہ ہدایت کیلئے آیا اور اسنے نیک باتیں بتائیں، تو نیک وہی ہے جو اسکا متبع ہو اور جو متبع نہ ہو اسلام قبول کرے وہ بد ہے تو پھر یہ کیا پوچھنا ہے کہ خدا بدوں کو عذاب دینے والا اور نیکوں پر رحم کرنیوالا ہے مسلمانوں پر رحم کرنیوالا نیک تو مسلمان ہی ہیں جو خدا کی ذات و صفات کی نسبت حق اعتقاد رکھتے ہیں اور وہ ناخدا شناس جو خدا کے عزوجل کو نہ پہچانیں اور مخلوقات کے ذرہ ذرہ کو خدا کیطرح واجب الوجود اور قدیم جانیں، وہ ہر بد سے بدتر ہیں، مگر پنڈت کے اعتراض سے آریوں کی نصرت کیلئے ایک نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ یہ کہ خدا کا رحم و کرم آریہ دھرم کے قبول کرنے پر منحصر نہیں ہر مذہب میں اگر کوئی نیک ہو گر پنڈت کے اعتقاد میں رحمت الٰہی کا مورد ہو سکتا ہے، پھر آریہ ہونا بیکار، اور اسکے لئے کوششیں کرنا کتابیں لکھنا، لیکچر دینا، شور مچانا، فساد برپا کرنا نہایت ظلم اور پرلے سرے کا گناہ ہے اسیطرح پنڈت کا یہ اعتراض بھی لایعنی ہے کہ جب شیطان انسان کا دشمن ہے تو خدا نے اسکو پیدا ہی کیوں کیا؟ ایسی بات تو معمولی سمجھ کا انسان بھی زبان پر لانا گوارا نہ کریگا۔ سانپ بچھو بھیڑیئے شیر ریچھ اور موذی جانور سب انسان کے دشمن ہیں، وہ کیا خدا کے سوا کسی اور نے پیدا کئے؟ اور خود مسلمان اور عیسائی جنھیں آریہ اپنا دشمن جانتے ہیں اور انکی طرف سے دل میں بہت غیظ و غضب رکھتے ہیں، انہیں بھی خدا ہی نے پیدا کیا تو پنڈت جی نے کبھی ایشور کو ملامت نہ کیا کہ آپ سے یہ کیا غلطی ہوئی کہ ویدک دھرم کا ناس لگا دینے والوں کو آپنے پیدا کر کے مدت ہائے دراز تک دھرماتماؤں کو انکی غلامی کی ذلتوں میں مقید رکھا، اگر آپ جانتے تھے کہ بیادھرمی ہیں تو آپنے پیدا ہی کیوں کیا اور اگر نہ جانتے تھے تو بایں جہالت ایشور ہونے کا دعویٰ جھوٹا ہے

پنڈت جی کی نظر اپنے گریبان میں نہیں پڑتی اور اپنی آنکھ کا شہتیر انہیں نظر نہیں آتا۔

پنڈت جی کا ایک نہایت فرسودہ اور لغو اعتراض یہ بھی ہے کہ "اگر شیطان سب کو بہکاتا ہے تو شیطان کو کس نے بہکایا" یہ ہر عاقل جانتا ہے کہ بہکانیوالے کیلئے یہ ضروری ہے کہ اسکو بھی کسی نے بہکایا ہو۔ ہزاروں آدمی دوسرونکو اغوا کرتے ہیں تو کیا ضروری ہے کہ ان اغوا کرنے والوں کو بھی کسی نے اغوا کیا ہو۔ پنڈت جی کے نزدیک تو آریونکو سوا ساری دنیا کے لوگ بہکانے ہی والے ہیں۔ سناتن دھرمی پنڈتوں کی شان میں پنڈت جی نے دل کھولکر الفاظ لکھے ہیں اور انکو بہکانیوالا بتایا ہے تو ان بہکانیوالوں کو کیا پنڈت جی کے اعتقاد میں ایشور نے بہکایا ہے جیسا کہ خود انکا قول ہے کسی کی طبیعت میں خود اپنے آپ ہی خبث ہوتا ہے اور کوئی بہکائے سے راہ حق چھوڑ کر منحرف ہوتا ہے۔ شیطان میں خبث طبعی ہے۔ اس کیلئے کسی اور بہکانے والے کی ضرورت نہیں اتنی بات بھی نہ سمجھنا اور کسی مذہب کی پیشوائی کا مدعی ہونا اس مذہب کی حقیقت کو آشکار کر دیتا ہے۔

پنڈت نے آیہ انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے "تم پر مردار لہو اور گوشت سور کا حرام ہے اور سوائے اللہ کے جس پر کچھ پکارا جائے" اس پر پنڈت نے یہ اعتراض کیا۔

اعتراض:- یہاں پر سوچنا چاہیئے کہ کوئی جانور خواہ خود بخود مرا ہو یا کسی کے مارنے سے دونوں حالتوں میں وہ مردا ہے، ہاں ان میں کچھ فرق بھی ہے تو بھی موت میں کچھ فرق نہیں اور جب صرف سور کی ممانعت ہے تو کیا انسان کا گوشت کھانا روا ہے کیا یہ بات اچھی ہو سکتی ہے کہ خدا کے نام سے دشمن وغیرہ کو عذاب دیکر اسکی جان لیجاوے اس سے تو خدا کے نام پر دھبہ لگتا ہے، ہاں خدا نے بلا پورب جنم یعنی زندگی سابقہ کے گناہوں کے مسلمانوں کے ہاتھ سے جانداروں کو عذاب کیوں دلایا۔ کیا ان پر رحم نہیں کرتا۔ انکو اولاد کی مانند نہیں جانتا جس جان سے زیادہ فائدہ پہنچے مثلاً گائے وغیرہ انکو مارنے کی ممانعت نہ کر نیسے خدا دنیا کو نقصان پہچانے

والا ثابت ہوتا ہے، اور عام طور پر ایذا رسانی کے گناہ سے خدا بھی بدنام ہو جاتا ہے ایسی باتیں
خدا اور خدا کی کتاب کی ہرگز نہیں ہوسکتیں۔

جواب :- یہ کہنا کہ اعتراض تھا کہ مسلمان اپنے ہاتھ کے مارے ہوئے کو حلال جانتے ہیں اور
خدا کے مارے ہوئے یعنی اپنی موت مر جانیوالے کو حرام، پنڈت جی نے اسی سے یہ اعتراض اٹھایا
اور جو حماقت انھوں نے کی تھی آپ نے اسکا اتباع کیا، ہر عاقل جانتا ہے کہ طبعی موت فساد مزاج
اور فنائے ارواح اور اکثر حالات میں انتشار سمیت سے واقع ہوتی ہے۔ قویٰ میں اگر ذرا سی
رمق بھی باقی ہو تو جاندار نہیں مرتا جب تمام اعضاء کی طاقتیں باطل ہو چکتی ہیں اعضاء
فاسد و خراب ہو جاتے ہیں انکے مزاج بدل جاتے ہیں یا ان میں سمیت آجاتی ہے اسوقت طبعی
موت جاندار کے بدن پر وارد ہوتی ہے تو اسکے کھانے کا حکم دینا اقتضاء حکمت نہ تھا صحیح سالم
تندرست جاندار جسکے بدن میں سمیت نہیں ہے اسکو ذبح کر کے کھایا جائے اور ذبح کر لینے
اسکا دم بغیر گھٹے آسانی سے نکل جائے تو اسکے اعضاء فساد سے محفوظ رہتے ہیں اور وہ غذا صالح
ہو کر بدن کی صحت و قوت کا سبب ہوتا ہے اسلئے یہ اعتراض جہالت ہے کہ مردہ اور ذبح کئے
ہوئے میں فرق نہیں ہم دونوں کو مردار بتانا ناواقفی ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر پنڈت اور
اسکے ہمنواؤں کے نزدیک مذبوح اور مردار دونوں میں غذائیت کے اعتبار سے فرق نہیں ہے
تو آریہ مردار خواری شروع کر دیں کہ اس میں بہترین غذا بھی ملیگی اور کسی کی ایذا بھی نہیں ہو
مگر آریوں کا گوشت سے بالعموم احتراز کرنا اسکی دلیل ہے کہ وہ مردار کو مذبوح کی مثل صالح الغذا
نہیں سمجھتے تو پھر مسلمانوں پر اعتراض کرنیکی کیا وجہ۔

پنڈت کا یہ قول کہ صرف سور کی ممانعت ہے قرآن پاک افترا اور بہتان ہے۔ اسمیں
یہ کہیں نہیں کہ ممانعت صرف سور کی ہے، بلکہ جو آیت پنڈت نے نقل کی ہے اسمیں بھی کئی قسم
کے محرمات کا ذکر ہے۔ یہ کیا اعتراض ہے جس کے شوق میں جھوٹے الزام لگائے جائیں اور
بہتان اٹھائے جائیں۔ رہا مذبوح کو بنام خدا ذبح کرنا، یہ ایک عارفانہ تعلیم ہے کہ جب تم نفس

غذا یعنی حیوان کے گوشت کا ارادہ کرو تو تمہارا فرض ہونا چاہئے کہ رب النعمت یعنی اپنے اور اسکے خالق کی یاد کرو اور اسکا نام لو۔ اب اسمیں مومن کو مشرکین کے اطوار و عادات سے بچانا اور شبہ و شائبہ شرک سے محفوظ رکھنا بھی مدنظر ہے۔ کیونکہ مشرک بتوں کے نام پر جانور وں کی قربانی کرتے ہیں تو مومن کو خدا کے نام کا اعلان کر کے ظاہر کر دینا چاہئے کہ انکا فعل مشرکین کے افعال کیطرح باطل اور نجاست شرک سے آلودہ نہیں ہے۔ اور جو گوشت وہ کھانا چاہتے ہیں وہ اس جانور کا نہیں ہے جسکی جان بتوں کے نام پر بے فائدہ ضائع کی گئی ہے یا جسکا ذبح شرک اور خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ سے بغاوت ہو۔

پنڈت جی نے اسی سلسلہ میں ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے۔ ہاں خدا نے بلا بجہ بے جسم یعنی نزندگی سابقہ کے گناہوں کے مسلمانوں کے ہاتھوں سے جانداروں کو عذاب کیوں دلایا؟ آریہ سوچیں پنڈت صاحب کا یہ اعتراض مسلمانوں پر ہوا یا آریوں پر جب پنڈت کے اعتقاد میں ہر جاندار کی راحت و تکلیف اسکے عمل کی جزا اور پرکرتی کا پھل ہے تو ضرور مذبوح جانور اپنے سابقہ اعمال سے ذبح کا مستوجب تھا اور ایشوری عدل و داد کی رو سے اسکا ذبح ہونا عین انصاف اور نہایت ضروری تھا تو مسلمانوں پر ایذا رسانی اور بے رحمی کا اعتراض پنڈت کے اپنے عقیدہ کے خلاف ہے بلکہ وہ بندے جن کے ہاتھ سے اس نے احکام عدل جاری کرائے اور مستحق سزا کو سزایاب کرایا ضرور مقبول و مقرب اور اپنے کارساز کی مرضی کے تابع ہیں جس طرح مجسٹریٹ شاہی قانون کو نافذ کر کے بادشاہ کے احکام عدل و انصاف کو عمل میں لاتا ہے اور ایوان حکومت میں صاحب منصب مانا جاتا ہے ایسے ہی وہ بندے جو لائق سزا مخلوق کو سزا دیکر خداوندی انصاف کا قانون نافذ کرتے ہیں خدائی حکومت میں منصب دار اور اسکے مقبول ہیں۔ یہ سمجھ کر تو پنڈت اور اسکے ہم اعتقادوں کو مسلمانوں کے سامنے گردن نیاز جھکا دینا چاہئے اور ان پر اعتراض کر کے ایشور کا مجرم اور باغی نہ بننا چاہئے۔ اور اگر پنڈت یا اسکے ہوا یہ کہیں کہ جانور کا عمل تو ایسا نہ تھا کہ جس پر وہ قتل کی سزا کا مستحق ہوتا نہ ایشور کی دی ہوئی

عمر ابھی تمام ہوئی تھی بلکہ الیشور کی عطا کی ہوئی عمر کے بہت سے سال ابھی باقی تھے لیکن مسلمانوں نے بغیر سابقہ عمل کے بیگناہ جانوروں کو وقت سے پہلے مار دیا اور الیشور کی دی ہوئی عمر کو پورا ہونے دیا تو اب وہ یہ بتائیں کہ ایشور زبردست ہوا یا مسلمان۔ ایشور کی قلمرو میں اسکا حکم تو نافذ نہ ہو سکا مسلمان جو چاہتے رہے کرتے رہے۔ ایشور بیگناہوں کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ اپنے قانون کو شکست سے بچا نہ سکا تو ایسے مجبور کو ایشور اور قادر مطلق ماننا خبط ہے اور جن مسلمانوں سے پنڈت جی کے ایشور کی بھی نہ چلی ان سے لڑنا اور چھیڑ چھاڑ کرنا حماقت اور بدبختی کی نشانی ہے۔

اب اسی مسئلہ کے ایک دوسرے پہلو پر نظر کیجیے۔ گوشت بہترین اور قوی ترین غذا ہے اور لذیذ بلکہ الذ ہے مقوی اور ضعف دور کرنیوالا ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ ایسی نفیس لذیذ مقوی نافع غذا مسلمانوں کو بغیر عمل سابق کے ملی تو تناسخ باطل ہوا اور اگر انھوں نے پہلی جون میں ایسے عمدہ عمل کئے تھے جن کی جزا میں وہ ایسی عمدہ غذا کے مستحق تھے تو پھر رونا اور اعتراض کرنا کیسا خود الیشور نے یہ غذا انھیں انکے عمل کے بدلے میں دی ہے اس پر اعتراض الیشور کی ابغاوت اور سخت توہین ہے بلکہ اس پر آریوں کو خوش ہونا چاہیئے کہ روئے زمین پر مسلمان ایسے مقبول بندے ہیں جنھیں گوشت جیسی غذا دی جاتی ہے۔ ہاں ایک وجہ رنج کی رہی ہے کہ مسلمانوں کو تو لذیذ کھانوں سے قوت وطاقت دی جاتی ہے اور آریوں کو عمر بھر دال اور ساگ کھانے کو دیئے جاتے ہیں، عمدہ غذا سے زندگی بھر محروم رکھے جاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے مسلمہ اصول کی بنا پر پہلی زندگی میں انکے پاس ایسے اچھے عمل نہ تھے کہ وہ ایسی عمدہ غذا کے مستحق ہو سکتے تو اب انہیں رنج کا کیا موقعہ اور مسلمانوں سے ذبح حیوانات کی کیا شکایت۔

جانداروں کے ذبح کو جرم بتانا اور تناسخ کو ماننا یہ ایسی دو متضاد باتیں ہیں جو کسی طرح جمع نہیں ہو سکتیں اور آریہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ان دونوں مسئلوں کو باہم ٹکرانے سے نہیں بچا سکے۔

اس سے عجیب تر معترض کی یہ نابینائی ہے کہ مسلمانوں کے ذبح گاؤ کو تو اس نے اپنے عقیدہ کے خلاف ظلم اور تکلیف بے سبقت عمل مانا لیکن اپنی گئو ماتا کو عمر بھر رسی باندھ کر ذلیل ترین

قیدی کیطرح مقید رکھنا اور اسکے نوزائیدہ بچے کو بغیر کسی پچھلے عمل کے اسکی ماں کے سامنے علیحدہ
کر دینا اور جاندار کی قدرتی غذا اس سے چھین لینا بچے کی مجبوری قید بھوک پیاس میں تڑپا کر ان
ماں کے پاس پہنچنے اور دودھ پینے کو ترسنے کی روح فرسا اور جگر کو پاش پاش کر ڈالنے والی مصیبت
میں گئو کو مبتلا کرنا اور بچے کی بیکسی اور بے بسی کے دردناک منظر اسکی ماں کی نگاہوں کے سامنے
لانا اور پھر بچے کا دودھ چھین کر پی جانا یا دودھ دینے میں اگر گائے راضی نہ ہو اور خداداد غذا کو وہ
اپنے بچے کیلئے بچا کر رکھنا چاہے تو اسکے پچھاند باندھنا گوسنگ ڈالنا، لاٹھیوں سے مار کر طرح طرح
کی ایذائیں دینا جس میں تمام ہندو مبتلا ہیں، تمام آریہ گرفتار ہیں، قرنوں سے انکی نسلیں یہ
ستمگاری کرتی چلی آئی ہیں، یہ کیوں ظلم نہیں ہے پنڈت نے اسکی مخالفت کیوں نہیں کی؟ اپنے
معتقدین کو اس بیرحمی سے کیوں نہیں روکا۔ اس سے بڑھ کر وہ مصائب ہیں جو انکی ماتا گئو
کے شوہر بیل مہاراج پر نازل ہوتے ہیں، لالہ اور پنڈت سب انہیں کے قابو کرنے کیلئے ناتھ
ڈالتے ہیں اور پتا جی سے سواری لیتے ہیں اور اگر وہ آہستہ چلے تو آریے مار مار کر لہولہان کر ڈالتے
ہیں، گیسے معاذ سعد پتر ہیں جنھیں کبھی پتا جی کی تکلیف کا دھیان بھی نہیں آتا۔ زمین جوتنے
میں بیل کی کیسی مرمت کیجاتی ہے۔ اسکی ساری زندگی پٹتے کٹتی، مار کھانے اور رات دن
مصیبتیں جھیلنے میں گذرتی ہے بغیر سابقہ عمل کے یہ تمام طریق ظلم ہوا اور ایسے ظلم ہوا کہ ملک کے
ہر ہر بیل پر زندگی بھر یہ ظلم ہوتا ہی رہا۔ اسی طرح دوسرے حیوانات ہاتھی گھوڑے خچر وغیرہ
کو مقید کر کے کیا کیا تکلیفیں نہیں دی جاتیں مگر پنڈت جی نے کبھی آریوں سے ان بے محابا
مظالم کے ترک کر دینے کی اپیل نہیں کی۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ ان حیوانات پر حکومت تسلط اور
اپنے اختیار سے انہیں کام میں لانا انسانی حق ہے۔ کوئی قابل اعتراض بات نہیں تو پنڈت کا اعتراض
ہر پہلو سے لغو باطل اور غلط ہے۔

اب ایک پہلو پر اور نظر ڈالئے تاکہ آپکو معلوم ہو جائے کہ ذبح گاؤ کا کام جس کے مسلمان مرتکب
ہیں ہندوستان اور یہاں کے باشندوں پر عظیم ترین احسان ہے، اسلئے کہ ہندوستان کے وسیع

ملک میں مسلمانوں کی لاکھوں بستیاں ضلع شہر قصبے ایسے موجود ہیں کہ جن میں روزانہ بکثرت گائے ذبح کیجاتی ہیں اگر یہ فرض کیجئے کہ آٹھ کروڑ مسلمانوں میں سے چار کروڑ ایسے ہیں جو گائے کا گوشت نہیں کھاتے باوجودیکہ ہرگز یہ نسبت نہیں ہے مسلمانوں میں گوشت کھانیوالوں کا تناسب اسی فیصدی سے کسی طرح کم نہیں ہے لیکن اگر انتہا درجہ کی کمی کیجائے اور یہ فرض کر لیا جائے کہ نصف مسلمان گائے کا گوشت نہیں کھاتے تو بھی چار کروڑ کھانیوالے ہونگے اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ ایک گائے کو دو سو مسلمان کھاتے ہیں، یہ بھی فرض اقل ہے ورنہ اوسطاً فیصدی ایک گائے کی نسبت بڑھی ہے لیکن کم سے کم آپ یہی مانئے کہ ایک گائے دو سو آدمی کھاتے ہیں تو چار کروڑ آدمی دو لاکھ گائیں کھائینگے۔ اس حساب سے کم از کم دو لاکھ گائیں ہندوستان میں روزانہ ذبح ہوجاتی ہیں یہ اس صورت میں ہے جبکہ مسلمانوں کی نصف تعداد کو گاؤ خوار نہ مانا جائے باقی نصف کی غذا بھی اتنی قلیل مانی جائے لیکن اب آپ غور کیجئے کہ جس ملک میں روزانہ دو لاکھ گائیں صرف مسلمانوں کی خوراک میں آجاتی ہوں اور صدیوں سے مسلمان اسی نسبت سے گوشت کھاتے رہے ہوں باوجود اسکے بھی گائے کی قلت نہ ہو گوشت کی گرانی نہ ہو باوجود ہندوؤں کی کوششوں اور رکھشا خانوں کی بھرتیوں اور گئو شالوں کی حفاظتوں کے گائے بغیر گرانی کے نہایت آسانی سے اس کثیر تعداد میں روزانہ بہم پہنچ جاتی ہو تو اگر ایک سال کیلئے مسلمان گائے کا ذبح ترک کر دیں تو ہندوستان میں گایوں کی تعداد سات کروڑ تیس لاکھ زیادہ ہوجائے اور لالہ لوگ اپنی غذا کے دانے بھی انہیں کھلا دیں تو بھی انہیں کفایت نہ کریں تمام جنگل ویران ہوجائیں۔ سبزہ کا نام نشان کہیں باقی نہ رہے غلہ بھی انکی ماتا جی کھاجائیں جب بھی بھوکی کی بھوکی رہیں۔ ملک تباہ ہوجائے کبھی اس تحریک کی معقولیت پر ہندوؤں نے غور نہیں کیا اب پنڈت جی سے پوچھئے کہ اگر مسلمان گوشت کھانا ترک کر دیں تو ہندوؤں کے الشور سے بھی ملک کا انتظام نہ ہو اور گاؤں کی بڑھی ہوئی تعداد ہندوستان کی ساری پیداوار ہضم کر جائے پھر بھوکی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندوستان کی اقوام گائے کی

قربانی اور اسکے ذبح کی عادی تھیں۔ ہندوؤں کی کتابوں میں اسکے ناقابل انکار ثبوت ملتے ہیں علاوہ بریں گئے کے خون کا تنہا مسلمانوں پر الزام لگانا بھی انصاف کا خون ہے جبکہ گائے کے اجزاء میں سے ایک جزو گوشت تو مسلمانوں کے حصہ میں آتا ہے۔ اسکو بھی تنہا مسلمان نہیں کھاتے بلکہ بہت سی وہ قومیں بھی کھاتی ہیں جو کو مردم شماری میں ہندو لکھا یا جاتا ہے اور جنکی تعداد ہندو اپنے میں شامل کر کے نشستیں حاصل کرتے ہیں۔ گوشت کے علاوہ دوسرے اجزاء سینگ ہڈی، تانت، چمڑا یہ سب ہندوؤں کے استعمال میں آتا ہے بڑے بڑے بھگت بننے والے گھوڑوں کے ساز چمڑے استعمال کرتے ہیں، باگیں ہاتھوں میں تھامے پھرتے ہیں، ہینڈ بیگ، سوٹ کیس وغیرہ بکثرت چیزیں چمڑے کی استعمال کرتے ہیں۔ پانی کے نلوں میں چمڑے کی کٹوریاں لگائی جاتی ہیں اور وہ ہمیشہ پانی میں ڈوبی ہی رہتی ہیں، پانی انہیں پر ہو کر آتا ہے، وہی پانی استعمال کرتے ہیں کروڑوں روپیہ کا چمڑہ اور سینگ وغیرہ ہندوؤں کے استعمال میں آجاتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہندو گئو ماتا کے جسم کے اجزاء استعمال بھی کریں چمڑے کی جوتیاں بھی بنائیں اور ان پر گاؤ کشی کا الزام نہ آئے، سارا غصہ مسلمانوں ہی پر رہے پھر چمڑے کی تجارتوں میں ہندوؤں کا دخیل ہونا یہ کیوں گئو ہتیا نہیں بتایا جاتا۔ اور جو مال گائے کے اجزاء کی تجارت سے حاصل کیا جائے وہ ہندوؤں کے لئے کس طرح جائز سمجھا جاتا ہے جب ہندوؤں کے نزدیک گائے کا ذبح کرنا اور اسکی جان لینا ظلم ہے تو اس ذریعہ سے جو دولت پیدا کی گئی بس ایسی ہی ہے جیسے رہزنی یا قزاقی سے ثروت حاصل کرلی جائے۔ لیکن پنڈت جی نے ہندوؤں کی طرف رخ نہیں کیا۔ ان کے اعتراض کی توپ کا دہانا فقط مسلمانوں ہی کی طرف ہے۔ ہندو گئو ہتیا بھی کریں تو اس پر چیں بجبیں نہیں ہوتے۔

یہ بات ضرور غور طلب تھی کہ اگر ہندو چمڑہ، سینگ، ہڈی، تانت وغیرہ گئے کے اجزاء کا استعمال مطلقاً ترک کر دیتے تو مسلمانوں کیلئے گوشت اس قدر گراں ہو جاتا کہ اسے بڑے بڑے دولتمند ہی کھا سکتے تھے۔ گائے کی قیمت تو چمڑے ہی سے حاصل ہوتی ہے اسلئے ذبح

کی جس قدر بھی کثرت ہوگی چمڑے کے کاروبار کی ترقی سے ہوگی تو اس ذبح کا ذمہ دار ہندو کو ٹھہرانا چاہئے تھا مگر پنڈت جی نے انہیں بالکل صاف چھوڑ دیا اس سے معترض کی نیت اور کدورت قلب کا پتہ چلتا ہے۔

اعتراض:۔ پنڈت نے آیہ کریمہ احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم الآیہ کا نہایت جاہلانہ غلط ترجمہ لکھ کر اسپر انتہا درجہ کا لغو اعتراض کیا ہے اسکی عبارت ملاحظہ فرمایئے:۔ "روزے کی رات تمہارے واسطے حلال کی گئی کہ رغبت کرنا اپنی بی بیوں سے وے تمہارے واسطے پردہ ہیں اور تم ان کیلئے پردہ ہو اللہ نے جانا کہ تم خیانت کرتے ہو پر اللہ نے معاف کیا تم کو پس ان سے ملو اور ڈھونڈو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے یعنی اولاد اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ ظاہر ہو جاوے تمہارے واسطے کالے دھاگے سے سفید دھاگہ یا رات سے دن نکلے" یہ پنڈت جی کا غلط ترجمہ تھا اب آپ اس پر اعتراض لکھتے ہیں۔

یہ تحقیق ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کا مذہب جاری ہوا تب یا اس سے پہلے کسی نے کسی پرانک سے پوچھا ہوگا کہ چاندراین برت جو ایک مہینہ بھر کا ہوتا ہے اسکا طریق بیان کرو شاستر کا طریق یہ ہے کہ چاند کی کلا کے گھٹنے بڑھنے کے مطابق لقموں کو گھٹانا بڑھانا اور دوپہر کے وقت کھانا کھانا چاہئے اس کو نہ جانکر پورانک نے کہا ہوگا کہ چاند کو دیکھ کر کھانا کھانا چاہئے اس چاندراین برت کو مسلمانوں نے اس قسم کا بنا لیا لیکن برت میں مجامعت منع ہے یہ ایک بات انکے خدا نے بڑھکر کہدی کہ تم روزے کی رات کو مجامعت بھی کیا کرو اور رات میں جتنی دفعہ چاہو کھاؤ۔ بھلا یہ روزہ کیا ہوا کہ دن کو نہ کھایا رات کو کھاتے رہے۔ یہ بات قانون قدرت کے خلاف ہے کہ دن میں نہ کھانا اور رات کو کھانا۔

جواب:۔ جس شخص کو ترجمہ کرنے اور بات سمجھنے کا سلیقہ نہ ہو اسکا اعتراض اسکی بے علمی و نافہمی کا ثبوت ہے اور پھر اعتراض کیسا رکیک اور لایعنی جس سے معترض کی حقائق شناسی کا پردہ فاش ہوتا ہے آپ لکھتے ہیں کہ یہ تحقیق ہوتا ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وید کی

دھرم کی تحقیق کس پایہ کی ہوتی ہے - اسی سے انکے مذہب اور تمام اعتقادیات کی حقیقت معلوم ہو جائیگی - معمولی سے معمولی عقل و فہم کا انسان کسی واقعہ کی نسبت تحقیق کا لفظ اس وقت زبان پر لاتا ہے جب اسکو واقعہ کی صحت قطعی طور پر معلوم ہو اور یقینی ذرائع سے شک و شبہ رفع ہو چکے ہوں دلائل اور شواہد سے اطمینان کامل حاصل ہو گیا ہو اور وہ جانتا ہو کہ واقعہ ہرگز اسکے خلاف نہیں اور اسکے ناقابل انکار ثبوت اسکے پاس موجود ہیں - لیکن پنڈت کی اصطلاح اور اسکے لغت میں تحقیق کے یہ معنی نہیں - آپکے یہاں تحقیق اسکا نام ہے کہ واقعہ کی نسبت نہ کوئی ثبوت ہو نہ کوئی دلیل نہ کہیں سے خبر آئی ہو نہ اس پر شہادت گزری ہو نہ افواہ ہو نہ کانوں کان اسکا کچھ پتہ ہو سپنے میں بھی نہ دیکھا ہو بلکہ جس طرح افیونی پینک میں کوئی تصور باندھ لیتا ہے اسطرح کا کوئی وہم پیدا ہو گیا وہ آپکے یہاں تحقیق ہے جہاں تحقیق اتنی زبردست ہو اس مذہب کی حقانیت کیسی کچھ ہوگی - اس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ وہمیات کے بادشاہ ہیں اور آپکا سرمایہ تحقیق بے اصل اوہام ہیں چنانچہ یہاں آپکی تحقیق کیا ہے یہ کہ جب مسلمانوں میں کا مذہب جاری ہوگا تب کسی نے پوران انکے سے پوچھا ہوگا - اسنے کہا ہوگا یہ ہوئی تحقیق جس کا مدار ہوا ہوگا اور پوچھا ہوگا اور کہا ہوگا پر ہے - تاریخ تو اس تحریر کے سامنے بیکار ہو گئی واقعات کے لئے نقل و خبر کی حاجت ہی نہ رہی - ہوا ہوگا سے سارے عقدے حل ہو گئے - اس تحقیق نے تو ضیائی پالاو کو بھی مات کر دیا کاش پنڈت جی اس تحقیق سے ویدک دھرم کی تاریخ تصنیف کر جاتے تو بڑا مزہ دیتی جہاں تحقیق کا یہ حال ہے وہاں کی معمولی خبریں تو بالکل برعکس ہوتی ہونگی - یہی تحقیق ہے جسکے اعتبار سے پنڈت جی اپنے آپکو محقق کہتے ہیں - اعتراض کا حاصل صرف اتنا ہے کہ اسلام میں روزہ ہندوؤں کے شاستر سے لیا ہوگا - اول تو بے ثبوت بات محض لغو ہوتی ہے ثانیاً کہاں ہندو اور کہاں مرکز اسلام اس زمانہ کے ہندو نہ عرب جانتے تھے نہ سمندر پار کا سفر جائز سمجھتے تھے تو پوران انکے کہاں جا مرا ہوگا علاوہ بریں آپکے برت کو مسلمانوں کے روزے سے نسبت کیا - برت

میں کواکب پرستی ہے اسلئے چاند کے گھٹنے بڑھنے کے ساتھ لقمے گھٹائے بڑھائے جاتے ہیں۔ پھر برت میں ترک خورد ونوش کہاں - دودھ اور دودھ کی بنی ہوئی چیزیں کھویا، مکھن، بالائی وغیرہ کھاتے پیتے رہتے ہیں اور دن دہاڑے دوپہر کے وقت سب کچھ کھا جاتے ہیں اسکو روزہ سے کیا علاقہ جو خاص رضائے الہٰی کیلئے رکھا جاتا ہے اور کسی مخلوق کیلئے نہیں مسلمانوں کے نزدیک مخلوق پرستی شرک و کفر ہے نہ انکے لقمے چاند کے گھٹنے بڑھنے سے شمار ہوتے ہیں نہ چاند دیکھ کر کھانیکا حکم نہ دوپہر میں کھانیکی اجازت برت میں نفس پر مشقت ہی کیا ہوئی جب دوپہر میں کھالیا اور دودھ وغیرہ کھاتے پیتے رہے مسلمانوں کا روزہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور تمام دن وہ کھانے پینے مجامعت کرنے سے باز رہتے ہیں باوجودیکہ ہر قسم کے لذائذ پاس ہوتے ہیں لیکن خدا کا بندہ رضائے الہٰی کیلئے کسی کیطرف التفات نہیں کرتا۔

بھوک اور پیاس کی شدت سے روزہ دار کے نفس کو جو تعب پہنچتی ہے وہ تو آپکو جب معلوم ہو کہ ایک ماہ مسلمانوں کے ساتھ روزہ دار کی مثل کھانا پینا ترک کرو اور انکا وقت جو جاگنے اور محنت کرنیکا ہے اسمیں ترک خورد ونوش کارے دارد - روزہ دار کو خدا کی بیشمار نعمتوں کی قدر معلوم ہوتی ہے اور اس زبان و دل سے شکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں عملی طور پر قادر مطلق کی کبریائی کا اعتراف ہوتا ہے اور روزہ دار کی زبان حال کہتی ہے اے میرے پیارے مالک میں ہمہ تن احتیاج ہوں ہر دم کاہش اور گھٹنے میں ہوں میرے اعضاء و جوارح تھکتے ہیں بھوکے ہوتے ہیں اگر انہیں وقت پر مناسب غذا نہ ملے تو وہ ناکارہ ہو جائیں تیری کریمی ہے کہ تو اپنے فضل سے غذا عنایت فرماتا ہے اس سے میرے جسم میں توانائی آجاتی ہے روزہ کی حالت میں بھوک اور پیاس نے مجھ پر تیری نعمتوں کی قدر ظاہر کی میں اپنی عاجزی بے بسی اور عرفان بندگی سے عاجز ہوا میرے حالات نے مجھے بتایا کہ تو ہی کارساز ہے تیرے ہی فضل پر میری زندگی اور آسائش کا مدار ہے - میں ہر آن تیرا محتاج ہوں تجھے راضی رکھنا مجھے ہر کام

سے زیادہ ضروری ہے۔ تیری طاعت و عبادت میرا مقدس فرض ہے اے میرے رب میرے حقیقی سچے منعم تو میرا مالک ہے میری موت حیات آسائش تکلیف سب کچھ تیرے ہاتھ میں ہے تو قادر مطلق ہے جو چاہے کرے میں تیری یاد میں تیری رضا کیلئے اپنے خواہشات ترک کرتا ہوں تیرے حکم کے حضور نیاز مندی کی گردن جھکاتا ہوں اپنے عیش راحت کو تیری رضا پر قربان کرتا ہوں اس قسم کے مخلصانہ بندگی و نیاز کے جذبے روزہ دار کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں بھوک پیاس کی شدت روزہ کی خشکی اعضاء میں ضعف ہر وقت اسکو مولیٰ کی یاد دلاتے رہتے ہیں اور عطیات خداوندی کی قدر اسکو معلوم ہوتی ہے سپاس گزاری کی شان پیدا ہوتی ہے خود بینی اور اسباب پر تکیہ اپنی عقل و تدبیر پر اعتماد غفلت عن اللہ جو بدترین بیماریاں ہیں روزہ انکا بہترین علاج ہے۔ صبح سے شام تک کا بیداری و ہوش کا وقت جس میں ہر شخص کو علیٰ قدر حیثیت و مرتبت کسی نہ کسی طرح کی محنت و مشقت کرنا پڑتی ہے روزہ کی قیدوں و پابندیوں میں بے آب و نان گزارنا اور بے خور و نوش بسر کرنا تزکیہ نفس کا بہترین نسخہ ہے۔ پھر رات آتی ہے غروب آفتاب افطار کا وقت ہے پانی کے چند قطرے یا نمک کی ایک کنکری یا خرما یا چند میوہ اور دال کے دانوں سے افطار کیا بھوک اور پیاس کی شدت میں طبیعت مچلتی ہے کہ خوب سیر ہو کر کھائے آسودہ ہو کر بیٹھے کہ اتنے میں اذان مغرب کی آواز کان میں آتی ہے اور اللہ کا منادی حی علی الصلواۃ کہکر فریضہ مغرب کے ادا کے لئے بلاتا ہے یہ عاشق صادق اور سچے پرستار کے امتحان کا وقت ہے کہ پکارنے والا حاضری دربار کیلئے پکارتا ہے اور بھوکا پیاسا بندہ وہ صدا سنتے ہی الوان نعمت و انواع و اقسام فواکہ و اطعمہ سے بیدریغ ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور اپنی بھوک پیاس اور اپنے حوائج اور نفس کے خواہشات کو نماز پر قربان کر ڈالتا ہے گھر سے نکلتا ہے مسجد میں حاضر ہوتا ہے با طمینان نماز ادا کرتا ہے نماز سے فارغ ہو کر گھر آیا کھانا سامنے لایا گیا حسب قدر خواہش ہوئی کھایا اب طبیعت آرام کیطرف مائل ہے دن کا تھکا ہوا بدن راحت چاہتا ہے آنکھوں میں خمار پیدا ہوتا ہے

اعضاء بکھرتے ہیں کہ نمازِ عشاء کا وقت آجاتا ہے موذن کی پیاری آواز کان میں آتی ہے اور پیارے مالک کی عبادت کیطرف اخلاص کیساتھ بندوں کو بلاتی ہے۔ نیند مچل رہی ہے اعضاء میں سستی اور تکان ہے مگر روزہ داران میں سے کسی کی پرواہ نہ کر کے مسجد کو روانہ ہو جاتا ہے اور نماز فرض کے بعد تراویح میں قرآن شریف کھڑے ہو کر خشوع و خضوع کے ساتھ سنتا ہے نہ ہے تصدیر کہ بندہ مولیٰ کا کلام سنے محب کے کان محبوب کی پیاری باتیں سنے لطف اندوز ہوں اور سنتا بھی کس شان ادب سے کہ ظاہری و باطنی طہارت کے ساتھ پاک لباس میں پاک جگہ دست بستہ حاضر ہے اور دل و دماغ چشم و گوش اور اسکی تمام کائنات زندگی محو عبادت ہو رہی ہے تمام عالم سے تعلقات قطع ہو کر ایک واحد لاشریک لہ کی طاعت میں مصروف امام آگے کھڑا ہوا انہیں آداب کیساتھ قرآن کریم سناتا ہے اور تمام مقتدی اسکے پیچھے صف بستہ ہو کر قرآن حکیم سنتے ہیں کیا مجال ہے کسی کو جنبش ہو جائے کوئی ادھر ادھر دیکھ سکے بوڑھے بوڑھے آدمی شوق و ذوق میں اپنے رب کا کلام کھڑے ہو کر سنتے ہیں کبھی دنیا میں کوئی کتاب اس ادب کے ساتھ نہیں سنی گئی۔ شب کی ایک تہائی یا اس سے زیادہ وقت تک تراویح میں مشغول رہتے ہیں اب دو تہائی یا اس سے کم رات رہ گئی اس میں سوتا ہے اسی میں سحری کا انتظام کرتا ہے اسی میں سحری پکاتا ہے اور کھاتا ہے اب لگنے وقت میں اگرچہ پابندیاں اٹھا دی گئی ہیں مگر تھکا اور ماندہ بدن سو جاتا ہے لذائذ نفسانیہ کیطرف طبیعت کو میلان ہی نہیں ہوتا بلکہ بہت سے بندگانِ خدا ایسے ہیں جو تھوڑی دیر سو کر اٹھ جاتے ہیں اور شب کا بقیہ حصہ نماز تہجد یا تلاوت قرآن پاک میں صرف کرتے ہیں بہت سے رمضان مبارک کی شب میں سوتے ہی نہیں اور تمام رات طاعت الٰہی میں بیدار رہتے ہیں۔ یہ روزہ کی شان ہے کہاں یہ زہد افریں عبادت اور کہاں پنڈت جی کا برت اس میں نفس کو تعب ہی کیا ہے اور پھر وہ کو اکب پرستی ہے یہ ظاہر پرستی یہ پنڈت جی کے حوصلہ کی بات ہے کہ انہوں نے روزہ کے مقابل برت کا ذکر کر دیا اور پھر انکو روزہ پر یہ اعتراض بھی ہے کہ روزہ دار کو شب میں کھانے اور پینے اور مقاربت کرنیکی اجازت دیگئی

ہے اس اعتراض سے پنڈت کا منشاء کیا ہے۔ کیا آپکی عقل و دانائی یہ چاہتی ہے کہ مہینہ بھر تک
تمام اوقات روز و شب میں کھانے پینے اور تمام ضروریات زندگی سے روک دیا جائے۔ ایسا
حکم وہی دے سکتا ہے جو عقل سے کورا اور علم سے عاری ہو جس نے جاندار کو پیدا کیا ہے وہ اسپر
تکلیف کا اتنا ہی بار رکھیگا جتنے کہ برداشت کی قوت اسکو عطا فرمائی ہوگی مہینہ بھر تک اسطرح بھوکا
پیاسا رکھنا روزہ اور عبادت تو نہ ہوا قتل و ہلاک ہوگیا اور اگر پنڈت جی کے نزدیک یہی عبادت
ہے تو انہیں بتانا چاہئے تھا کہ انکے مذہب نے ایسے برت کی تعلیم دی ہے جسمیں مہینہ بھر تک خورد
و نوش اور آسائش حیات کے اسباب ترک کر دیئے جائیں کبھی آریوں سے ایسا برت رکھا کر
دنیا کے سامنے ایک نظیر تو پیش کی ہوتی تا کہ یہ سمجھ میں آتا کہ پنڈت جی جو بات کہہ رہے ہیں ممکن العمل
تو ہے لیکن اگر پنڈت جی نے ایسا برت جاری کیا ہوتا اور آریہ مان بھی لیتے تو آریوں کا صفحۂ ہستی
پر نام و نشان باقی نہ رہتا لیکن پنڈت جی نے ایسے برت کا حکم نہ دیا اور جب انکے نزدیک برت
کی یہی شان ہونا چاہئے تھی تو اپنے گھر والوں کیلئے یہ حکم نہ دینا کیا معنے اس سے صاف معلوم ہوتا
ہے کہ معترض کی نظر میں بھی اسکا اعتراض محض باطل ہے اب رہی یہ بات کہ کھانے پینے کی اجازت
دیدی جاتی مقاربت کی اجازت کیوں دی گئی۔ مذکورہ بالا بیان سے اسکی حکمت بھی ظاہر ہے
لیکن مزید تفہیم کیلئے پھر شرح بیان کر دیا جاتا ہے کہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے تمام اقوام
تمام بلاد پر اسکا حکم نافذ ہے اسمیں مختلف قوت اور مختلف طاقت کے لوگ اسکے زیر حکم ہیں
ایسے عالمگیر دین کے احکام اسقدر وسیع اور حکیمانہ ہونے چاہئیں کہ عالم کی کسی نسل و قوم کے
انسان کو اسپر عمل ناممکن و متعذر نہ ہو جائے دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو زندگی بھر مقاربت
نہ کریں تو انکو پرواہ بھی نہ ہو اور ایسے بھی ہیں جنہیں ہفتہ دو ہفتہ صبر کرنا بھی دشوار ہے اور انکی
طاقت انہیں مجبور کر دیتی ہے ایسی حالت میں سب کیلئے ایک ماہ تک ترک مقاربت کا حکم دینا
حکمت کے خلاف تھا اس لئے حکیم مطلق نے اسکی اجازت دی تا کہ تمام دنیا اسپر عمل کر سکے اور
روزہ کسی قوم اور کسی نسل کیلئے بھی ناممکن نہ ہو جائے علاوہ ازیں یہ بھی حکمت ہے کہ حتی

طویل مدت تک ترک مقاربت کا حکم دینے سے ایسا نہ ہو کہ قوی انسان غلبہ خواہش سے رات دن اسی خیال میں رہیں اور تخیلات فاسدہ روحانیت کو ترقی کرنے سے مانع ہو اس اجازت میں جو فائدہ ظاہر ہے کہ انسان کو روزہ کی حالت میں فارغ القلب اور شہوات کی امنگیں ایک سیلاب کی طرح امنڈ کر اسکے ذوق طاعت کو خراب نہ کر سکینگی اور توجہ الی اللہ یکسوئی کیساتھ حاصل رہے گی معترض بیچارہ ان حکمتوں کو کیا جان سکتا ہے یہ تو سالک و عارف کے سمجھنے کی باتیں ہیں ع
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست - اسی سلسلہ اعتراض میں پنڈت نے یہ بھی کہا ہے کہ دن کو نہ کھایا رات کو کھاتے رہے یہ بات تو قانون قدرت کے خلاف ہے پنڈت کے ہوا خواہ بتائیں کہ ایسا قانون قدرت پنڈت جی نے کہاں ملا اسکا کچھ حوالہ تو بتائیے پتہ تو دیجئے یہ قانون قدرت کس نے بنایا خود پنڈت جی نے بنایا تو ایشور پر اسکی پابندی کیسے لازم ہوئی اور اگر ہوئی تو ایشور پنڈت جی کے حکم کا مطیع ہوا اس فرمانبردار کو کسطرح ایشور کہا جائے عجب مذہب ہے جس میں بندہ حکمران ہے اور ایشور فرمانبردار اور پھر یہ عجب بات ہے کہ جو چیز پنڈت جی کے عقیدہ میں قانون قدرت کے خلاف ہے یعنی انکے اعتقاد میں ایشور کے اختیارات سے باہر ہے اسکو صدہا سال سے مسلمان کر رہے ہیں اور ایشور کی قدرت اسکو روکنے سے عاجز ہے عجب سروشکتی مان ہے کہ جو کام بندہ کر سکے وہ ایشور سے نہ ہو سکے پنڈت جی کا اعتراض ہے بہت معنی خیز کیسے کیسے لطیفے دیئے ہیں اور کیا کیا کمالات اپنے عقل و فہم کے دکھائے ہیں اب یہ بھی غور کرنا ہے کہ دن کو نہ کھانا اور رات کو کھانا اصول طب کے بھی خلاف نہیں ہے اگر ہوتا تو وہ مسلمان روزہ رکھ کر اپنی تندرستی سے ہاتھ دھو بیٹھتے مگر مسلمانوں کی تندرستی بحمد اللہ ہندوؤں سے زیادہ بہتر ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا طریق عمل طب کے خلاف نہیں پھر وہ قانون قدرت کس اصول سے بنا ہے کہ دن کو نہ کھانا اسکے خلاف ہو گیا انسان کو بسا اوقات ایسی صورتیں پیش آجاتی ہیں کہ دن کو کھانا نہیں ملتا یا کھانے کا موقع میسر نہیں آتا اگر کسی آریہ کو ایسا اتفاق ہو جائے تو اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ رات کو بھی کھانا نہ کھائے ورنہ پنڈت جی کے نزدیک قانون

قدرت کے خلاف ہو جائیگا اور جب پورے ۲۴ گھنٹے کھانا نہ کھایا تو اگلے روز کھانا تو پنڈت جی کے
نزدیک قانون قدرت کے خلاف ہی نہیں بلکہ قانون شکنی ہوگا تو یہ نتیجہ نکلا کہ اگر کسی آریہ کو
ایک وقت کھانا نہ ملے تو تازندگی کھانے سے محروم کر دیا جائے پنڈت جی کے بنائے ہوئے مذہب
پر عمل کریں تو آریوں کو بہت جلد ایشور کی بھی سول نافرمانی کرنی پڑے اور پورا پورا ہی سوراج
مل جائے اور اگر آریوں نے ایشور کا پاس کیا اور ایشور کے حکم کو نہ لوٹنے دیا تو ایشور کیلئے آریوں
کا دنیا میں زندہ رکھنا محال ہو جائیگا۔ یہ ہیں نتیجے پنڈت جی کے اس دعوے کے کہ دن میں
نہ کھانا اور رات کو کھانا خلاف قانون قدرت ہے انمیں پنڈت جی خلاف قانون قدرت
کس کو کہتے ہیں دن میں نہ کھانے کو یا رات میں کھانے کو؟ اگر رات کے کھانے کو غلط کہیں تو
غلط ہے تمام دنیا اسکے خلاف عامل ہے ہر ملک میں ہر مذہب و ملت کے لوگ رات کو
کھاتے ہیں اور رات کے کھانے سے نہ بیمار ہوتے ہیں نہ مرتے ہیں تو اسکو خلاف قانون
قدرت کہنا باطل ہے رہا دن میں نہ کھانا تو یہ کونسے قانون قدرت کے خلاف ہے اور جو
برت پنڈت جی تجویز کرتے ہیں اسمیں بھی نہ کھانا کچھ نہ کچھ التزام تو ہے ہی خواہ رات میں
ہو یا دن میں ہو وہ کیوں خلاف قانون قدرت نہیں کیا انسان کو ہر وقت کچھ نہ کچھ کھاتے
رہنا قدرت نے لازم کیا ہے ایسا ہو تو مریضوں کے پرہیز بھی خلاف قانون قدرت ہو
جائیں روزہ بھی ایک طرح کا پرہیز ہے دوسرے پرہیز جسمانی صحت کیلئے ہوتے ہیں یہ
روحانی قوت کیلئے ہے ہر چیز کو خلاف قانون قدرت کہنا ایک لایعنی دعوے ہے جبکہ
کوئی ثبوت و تائید بہم نہیں پہنچتی۔

پنڈت جی نے آیہ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذی یقاتلون سے چند آیتیں قطع و
برید کر کے لکھیں اور ایسے ہی بے جوڑ ترجمہ اسطرح لکھا "اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم
سے لڑتے ہیں مار ڈالو تم انکو جہاں پاؤ، قتل سے کفر برا ہے یہانتک ان سے لڑو کہ کفر نہ
رہے اور ہو وے دین اللہ کا انہوں نے جتنی زیادتی کی تم پر اتنی ہی زیادتی تم انکے ساتھ کرو۔

اعتراض ۲:- اس تراشیدہ قطع برید کئے ہوئے ترجمہ پر پنڈت جی نے یہ اعتراضات کئے ہیں اگر قرآن میں ایسی باتیں نہ ہوتیں تو مسلمان لوگ اتنا بڑا ظلم جو کہ غیر مذہب والوں پر کیا ہے نہ کرتے - بلا قصور کسی کو مارنا سخت گناہ ہے انکے نزدیک مذہب اسلام کا قبول نہ کرنا کفر ہے اور کفر سے قتل کو مسلمان لوگ اچھا مانتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ جو ہمارے دین کو نہ مانیگا اسکو ہم قتل کرینگے چنانچہ وہ ایسے ہی مذہب والوں سے ظلم کرنا سکھاتا ہے ان سے پوچھنا چاہئیے کہ کیا چوری کا عوض چوری ہی ہے جتنا نقصان ہمارا چور وغیرہ چوری سے کریں کیا ہم بھی انکا چوری سے کریں یہ بالکل بے انصافی کی بات ہے کیا کوئی جاہل ہم کو گالیاں دے تو ہم بھی اسکو گالیاں دیں - یہ بات نہ خدا کی نہ خدا کے معتقد عالم کی نہ خدا کی کتاب کی ہو سکتی ہے - یہ تو صرف خود غرض لا علم آدمی کی ہے -

جواب :- جھوٹ افترا بہتان ایسے عیوب ہیں جنکو دنیا کا ہر نیک طبیعت آدمی ذلیل اور ننگ انسانیت سمجھتا ہے جس دین کے بانی یا حامی اپنے دین کو رواج دینے کیلئے جھوٹ و کار برآری کرنے پر مجبور ہوں اور دوسرے کسی دین سے نفرت دلانے کیلئے انکے پاس افتراء و بہتان کا ہی آلہ ہو اسی کو وہ کام میں لاتے رہے ہوں ایسے مذہب کے باطل ہونے پر خود انکا طریق عمل عمر کا گواہ ہے جسکی شہادت پر کوئی جرح نہیں ہو سکتی پنڈت جی کا یہی دستور اور طریقہ ہے کہ وہ دوسرے ادیان کو بالخصوص اسلام کو جھوٹے غلط خلاف واقع بہتانوں سے متہم کر کے اپنی قوم کو اس سے روکنا چاہتے ہیں انہیں اندیشہ لگا ہوا ہے کہ اسلام کی تعلیمیں دنیا کو اپنی طرف جذب کر لیگی اسلئے وہ اور دوسرے کفار کیطرح اسلام کو بدنام کرنے کیلئے جھوٹے بہتان لگانے پر مجبور ہیں کیا ستم ہے کہ قرآن پاک کی آیتوں میں قطع برید کر ڈالی اور پھر قطع برید کرنیکے بعد بھی جو کچھ باقی رہا وہ اصلاً قابل اعتراض نہ تھا اسکو سابرا کہا خلاف تہذیب و انسانیت کلمات لکھے طوفان اٹھائے بہتان گھڑے غرض جو کچھ انکا ضمیر اجازت دیتا تھا وہ سب کچھ کیا اور حق کا مقابلہ کرنے والے کی یہی حالت ہوتی ہے - اب پنڈت جی کے

اعتراضات جدا جدا لکھ کر جواب دیا جاتا ہے نقرہ منسوب بقرآن پاک۔ "اللہ کی راہ میں لڑو جو تم
سے لڑتے ہیں مار ڈالو تم انکو جہاں پاؤ"۔ اعتراض "اگر قرآن پاک میں ایسی باتیں نہ ہوتیں تو
مسلمان اتنا بڑا ظلم جو کہ غیر مذہب والوں پر کیا ہے نہ کرتے بلا قصور کسی کو مارنا سخت گناہ ہے۔

جواب یہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا تھا وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا
تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من
حیث اخرجوکم والفتنۃ اشد من القتل خدا کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں
اور حد سے نہ گزرو اللہ تعالیٰ حد سے گزرنیوالوں کو پسند نہیں فرماتا اور انہیں قتل کرو جہاں پاؤ
اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا اور فتنہ قتل سے سخت تر ہے۔

پنڈت جی تو یہ اڑا گئے کہ حد سے نہ گزرو اللہ حد سے گزرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا اور
یہ بھی کہ انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا درمیان سے جملے کم کرنے کے بعد بھی جو
باقی رہا اس پر بھی اعتراض ناممکن تھا اسلیئے انکو طوفان اٹھانا تھا۔ باندھنا پڑا کہ اگر قرآن میں
ایسی باتیں نہ ہوتیں تو مسلمان اتنا بڑا ظلم جو کہ غیر مذہب والوں پر کیا ہے نہ کرتے۔ اسی اعتراض
میں دو بہتان ہیں پہلا یہ کہ قرآن پاک نے معاذ اللہ ظلم کی تعلیم دی باوجودیکہ اسکی تعلیم سراسر
حق و عدل یہ فرمایا ہے کہ تم ان سے مقاتلہ کرو جو تم سے مقاتلہ کرتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو
اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا تو کیا پنڈت جی کا یہ مطلب تھا کہ کفار مسلمانوں کو
قتل کریں تو تب بھی ہتھیار نہ اٹھائیں خاموشی سے قتل ہو جائیں جو قوم محارب ہو کر دراز
دستی کرے اسکے مقابلہ کی اجازت دینا اور اس مقابلہ میں کسی حد سے تجاوز نہ ہونے دینا اسکا
لحاظ رکھنا انتہا درجہ کا عدل ہے اس منصفانہ حکم پر یہ بہتان اٹھانا کہ قرآن پاک نے ظلم
کی تعلیم دی قرآن پاک پر نہایت قبیح افتراء ہے۔

دوسرا افتراء یہ ہے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں پر بڑا ظلم کیا۔ مسلمانوں نے ہمیشہ ہندوؤں
کے ساتھ ایسے سلوک کئے کہ اگر وہ تلاش کریں تو پچھلے زمانہ کے ہندوؤں نے بھی انکے ساتھ

ویسے سلوک نہ کئے ہونگے ریاستیں انہوں نے بخشیں جاگیریں انہوں نے عطا کیں عہدے
منصب انہوں نے دیئے اور آج تک مسلمانوں کے دیئے ہوئے عطئے انکے پاس موجود
اور وہ ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن یہ آپکی قوم کی خصلت ہے خواہ اسکو اچھا کہئے کہ وہ
کی سپاس گزاری درکنار اسکے درپئے آزار ہو جاتے اور مسلمانوں کو ظالم بتاتے ہیں۔ یہ بات
بڑی ناسپاسی اور دنائت کی ہے اور اگر واقعات کا تجسس کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ مسلم
نے اپنی سلطنت کے عہد میں جس وقت ہندوؤں کے ساتھ بہت کریمانہ سلوک کئے اسو
بھی یہ ناسپاس قوم شوریدہ سری کرتی ہی رہی روزمرہ ہندوستان کے کسی نہ کسی گوشہ
فتنہ اٹھ رہا تھا اور کوئی نہ کوئی قوم سر اٹھاتی رہتی تھی اسپر مسلمانوں کو ظالم کہنا کیا طوفان ہے

ان دو بہتانوں پر اس اعتراض کا دارومدار ہے لیکن اگر شان تحقیق کے خلاف نہ
تو پنڈت جی ذرا گریبان میں منہ ڈالکر دیکھیں انکے مذہب نے کیسی کیسی ستمگاریاں سکھ
ہیں اور ہندوستان کی سرزمین میں ہندو کیسے کیسے لرزہ خیز مظالم کر رہے ہیں۔

خود پنڈت جی ستیارتھ پرکاش کے چھٹے باب میں سبھاپتی یعنی کونسل کے پریسیڈ
یا بادشاہ کیلئے یہ اوصاف تحریر کئے ہیں۔ بجلی کی مانند فی الفور فنا بو یا نیوالا ہو بدچلن لوگو
کو خاک کر دینے کیلئے آگ جیسا ہو۔ شریروں کو طرح طرح سے باندھنے قید کرنیوالا ہو۔ (
۱۸) عاقل لوگ تعزیر ہی کو کہتے ہیں شک نہیں کہ بلا تعزیر سب ورن مذموم ہو جائیں
سب انتظام درہم برہم ہو جائے۔ (صفحہ ۱۸۲) یہ تو بادشاہ کے اوصاف کا ایک ادنیٰ سا نمونہ
پنڈت جی حملہ آور دشمن کی مدافعت کو بھی ظلم قرار دیتے ہیں وہی بادشاہ کو یہ ستمگاریاں س
آئین عدل جانتے ہیں اس دانائی اور انصاف پر افسوس تعصب کی یہ کارفرمائی ہے کہ
جی کو دوسرے کی خوبی بھی عیب نظر آئے اور اپنے عیوب بھی اچھے معلوم ہوتے۔ لڑنے وال
لڑنا آپنے قابل اعتراض قرار دیا اور اسی منہ سے اسی کتاب ستیارتھ کے صفحہ ۱۹۴ میں
ہیں۔ جب رعایا پرور راجہ کو کوئی اپنے سے چھوٹا خواہ برابر کا خواہ بڑا جنگ کیلئے طلب

تو کشتریوں کے دھرم کو یاد کر کے میدان جنگ میں جا ئیسے ہرگز پہلو تہی نہ کرے بلکہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ ان سے اسطرح جنگ کرے جس سے اپنی فتح ہو۔

اسطرح جنگ کرنیکا مطلب یہ ہے کہ چاہیے دغا کرنی پڑے دھوکا دینا یہ سب کچھ دشمن پر غلبہ پانیکے لئے کر گزرنا چاہیئے چنانچہ پنڈت جی اسکے بعد ہی لکھتے ہیں "جو راجہ لوگ میدان جنگ میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانیکی خواہش میں بے خوف سے پیٹھ نہ دکھا کر اپنی تمام طاقت سے جنگ کرتے ہیں وہ راحت کو پاتے ہیں اس سے کبھی ہٹنا نہیں چاہیئے ہاں کبھی کبھی دشمنوں کو مغلوب کرنیکی غرض سے انکے سامنے سے چھپ جانا واجب ہے کیونکہ جس ڈھنگ سے دشمن کو مغلوب کر سکیں وہی کام کرنے چاہئیں۔ یہ ہیں ہاتھی کے دانت کھانیکے اور دکھانیکے اور، مسلمانوں کیلئے تو دشمن کی مدافعت بھی قابل اعتراض اور اپنی خود غرضی کیلئے دھوکے اور فریب تک کام میں لانیکی تعلیم کرتے ہیں۔ اس مضمون کی مزید شرح دیکھنی ہو تو پنڈت کا یہ کلام دیکھئے جو ص۱۹۸ میں لکھتے ہیں۔ جنگلی بگلا تصور باندھے ہوئے مچھلی کے پکڑنے کو تاکتا رہتا ہے ویسے ہی ضروریات کی فراہمی کیلئے غور کیا کرے دولت وغیرہ چیزوں اور طاقت کو بڑھا کر دشمن کو فتح کرنے کیلئے شیر کی مانند طاقت کو کام لائے اور چیتے کی مانند چھپکر دشمن کو پکڑے۔ نزدیک آئے ہوئے طاقتور دشمن سے خرگوش کی مانند دور بھاگ جائے اور بعد ازاں انکو حکمت سے پکڑے۔ یہی پنڈت صاحب جو مسلمانوں کی مدافعانہ و منصفانہ جنگ پر معترض ہیں اپنی کتاب میں اپنی قوم کو کیا کیا خونخوارانہ سفاکیاں سکھاتے ہیں عدل و انصاف تو کیا سچائی اور دیانت داری کو بالائے طاق رکھکر دشمن کے ساتھ چال اور فریب کی تلقین و تعلیم کرتے ہیں۔ دو ایک تعلیمیں اور ملاحظہ فرمائیے ستیارتھ صفحہ ۲۰۵ میں لکھتے ہیں۔ دشمن سے میل کر کے وقت مناسب تک صبر کرے دنیا کو آنکھیں کھولکر اس تعلیم پر غور کرنا چاہیئے اور اگر اپنی جان عزت عزیز ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہندوؤں کا میل دوستی و محبت نہیں ہے جس پر مغرور ہو کر اپنی حفاظت سے غافل ہو جانا درست ہو وہ میل بھی کرتے ہیں تو پالیسی سے موقع کی تاک میں رہتے ہیں اس میل کا مقصد

یہ ہوتا ہے کہ دشمن کو غافل کر لیا جائے اور آپ اندرونی تیاری کرتے رہیں اور موقع پ
دشمن کو ہلاک کر ڈالیں ان تعلیمونکو دیکھ کر بھی جس کو ہوش نہ آئے اور ہندوؤں سے
میل سے دھوکا کھائے اسکی برابر بیوقوف کون ہے پنڈت جی اسی صفحہ میں لکھتے ہیں ج
میں طاقت یا بار برداری کی کمی ہو تو دشمنوں کو بہ تحمل تمام کوشش کر کے ٹھنڈا کرے۔ ب
ہندوؤں کی نرمی اور اظہار موافقت کی حقیقت اپنی کمزوری کے وقت دشمن کو دوست ب
اسکو مغالطہ میں رکھ کر اپنے آپ ہر دم مقابلہ کی تدابیر میں رہنا اور جب طاقت آجائے تو پھر اس
دوستی کا انجام یہ ہے جو پنڈت صاحب اسی صفحہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب اپنی طاقت یو
کو خوش اور مضبوط دیکھے اور دشمن کی طاقت برخلاف اسکے کمزور ہو جائے تب دشمن
جنگ کرنیکے واسطے کوچ کرے۔ اب اس میل محبت کا نتیجہ نکل آیا جو لوگ ہندوؤں کو
طرح صاف دل سمجھتے اور انکی خوشامد میں آکر انہیں دوست سمجھ بیٹھے ہیں وہ اپ
ہلاکت میں ڈال رہے ہیں انہیں اچانک معلوم ہوگا کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے
برباد کیا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو انکے شر سے محفوظ رکھے۔ یہ قوم اپنے محسن کو بھی چھوڑ نیوالی
حتیٰ کہ پنڈت جی صفحہ ۲۰۶ میں لکھتے ہیں جس کی پناہ لی ہو اس کے کاموں میں نقص
تو اس سے بھی اچھی طرح بلا اندیشہ جنگ ہی کرے۔ جان بچانے اور پناہ دینے والے کیل
سلوک ہیں تو ایسی قوم پر اعتبار کرنیوالا کسقدر نادان و بے خرد ہے اسی ستیارتھ صفحہ ۲۰۸
لکھتے ہیں۔ اپنی طاقت کو مکمل کر کے اور کوئی خاص مقصد مشہور کر کے دشمن سے تھوڑے
آہستہ آہستہ جائے۔ یعنی بے خبری میں حملہ کرے اور دشمن کو مغالطہ دے کہ یہ کسی اور مقصد
تیاری کر رہے ہیں۔ انسان کا شکار کھیلنے کیلئے کیا کیا چلے تعلیم کئے جا رہے ہیں۔ ہند
صاحب کی اس تعلیم پر پورا پورا عمل کرتے ہیں۔

پنڈت صاحب کی رحمدلی کا کچھ اور بھی اندازہ کرنا ہو تو ستیارتھ کا صفحہ ۲۱۰ دیکھئے
وہ لکھتے ہیں کسی وقت مناسب سمجھے تو دشمن کو چاروں طرف سے گھیر کر روک رکھے ا

کو تکلیف پہنچا کر چارا خوراک پانی اور لکڑی کو تلف و خراب کر دیوے۔ اسی کے آگے
دشمن کے تالاب شہر کی فصیل اور کھائی کو توڑ پھوڑ دیوے۔ رات کے وقت ان کو
ے اور فتح پانیکی تجاویز کرے۔ پنڈت صاحب کی تعلیموں کا یہ مختصر نمونہ پیش کیا گیا
رکھتے ہوئے قرآن کریم کی منصفانہ تعلیم پر اعتراض کرنا جسمیں دشمن حملہ آور
سلمانوں کو مردانہ وار انکی مدافعت کی اجازت دی گئی ہے اور ساتھ ہی حد سے تجاوز
مانعت فرمادی ہے عاقلوں کے نزدیک نہایت شرمناک اعتراض ہے۔

ض) کا دوسرا فقرہ:- انکے (یعنی مسلمانوں کے) نزدیک مذہب اسلام کا قبول
نہ ہے اور کفر سے قتل کو مسلمان لوگ اچھا جانتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ جو ہمارے دین کو
نکو ہم قتل کر دینگے چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے رہے ہیں اور مذہب کی خاطر لڑتے لڑتے
ت وغیرہ کھو کر برباد ہو گئے۔

ب:- یہ پنڈت جی کے اعتراض کا دوسرا جزو ہے وہ مذہب قبول نہ کرنیکو کفر قرار دینا
کے قتل کو اچھا جاننا دونوں باتیں قابل اعتراض اور غلط قرار دیتے ہیں تو انکے نزدیک
انصاف یہ ہے کہ مذہب کے قبول نہ کرنے والوں کو کافر بھی لکھا جائے یہ تو گمان نہیں ہے
ت صاحب اسقدر جاہل ہونگے کہ کافر کے معنے بھی نہ جانتے ہونگے۔ لفظ مشہور ہے
عوام کے زبان زد ہے ہر شخص جانتا ہے کہ اسلام کے نہ ماننیوالے کو کافر کہتے ہیں تو کیا
جی کے نزدیک انصاف اور سچائی اسکا نام تھا کہ اسلام کے نہ ماننے والے کو بھی اسلام ماننے
سلم کہا جاتا۔ کیا آپ جھوٹ بولنے کو پسند کرتے ہیں اور مسلمانوں پر اسلئے اعتراض کرتے
انوں نے سچ بولدیا اور اسلام سے انحراف کرنیوالے کو کافر یعنی منکر اسلام کہدیا یہ کس
سے جرم ہوا کسطرح لائق اعتراض ٹھہرا کیا پنڈت جی ویدک دھرم کے نہ ماننے والے کو
اور وجود الٰہی کے منکر کو ناستک نہیں کہتے ہیں۔ کتاب کی کتاب انکے سخت ترین
بھری ہوئی ہے۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کو برا کہنے میں انہوں نے کیا کمی کی ہے۔

شودر کا لفظ اور اسکے احکام تو ویدوں میں بھی آئے ہیں ملکش آپکی رات دن کی بول چال ہے اگھوری اور سمارگیوں پر جو عنایتیں آپنے کی ہیں اور پنڈتوں اور برہمنوں کی جسطرح اہانتیں آپکے قلم ہوئی ہیں اسکے نقشے اسی ستیارتھ میں موجود ہیں تہذیب کے خون بہانیکے بعد ایک سیدھے لفظ کافر پر آپنے اعتراض کر دیا کوئی وجہ اعتراض کی تو بیان فرمائی ہوتی۔ کافر کا لفظ گالی نہیں ہے اسکے معنی کسی کے نسب ذات قوم پر طعنہ کرنا نہیں ہے اسلام کے نہ ماننے والے کو کافر کہتے ہیں اس پر آپکو کیا اعتراض اور ایسے لایعنی اعتراضوں سے کتاب بھر دی پھر جھوٹی رعایت بھی کراتے ہیں آپ تو ادھرمی کی خدا کے منکر کی دین والوں کے نزدیک تو سب سے بڑا مجرم دین کا مجرم ہے آپکو اسپر بھی اعتراض ہے کہ مسلمان کافر کے قتل کو اچھا کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو ہمارے دین کو نہ مانیگا ہم اسکو قتل کریں گے۔ یہ آپکی ناواقفیت کی بات ہے تمام کفار کیلئے قتل کا حکم نہیں ہے اہلِ ذمہ کے ساتھ مسلمان وہی سلوک کرتے ہیں جو مسلمان کیساتھ کرتے ہیں یہی شریعت نے بتایا ہے ذمی کفار مسلمانوں کی سلطنت میں آسائش کیساتھ رہتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا اور بقول پنڈت جی کے مسلمانوں کے یہاں تمام کفار کا قتل ضروری ہوتا اور وہ اپنی سلطنت میں ایسا کرتے ہی رہے ہوتے تو آج بھارت ورت میں ہندو جنتا کا نام نہ ہوتا صدیوں تک اس ہندوستان میں مسلمانوں نے جرأت کیساتھ حکمرانی کی اتنے طویل عرصہ میں اگر بتدریج قتل بھی ہوتا تو ہندوؤں کا نام و نشان نہ رہا ہوتا مگر ہوا یہ کہ مسلمانوں نے اپنے عہدِ حکومت میں ہندوؤں کو عزتیں دیں منصب دیئے عہدے دیئے فراخدلی کیساتھ وزارت کے جلیل منصبوں پر متمکن کیا ریاستیں دیں حکمرانی بخشی اسپر بھی انکے ساتھ دغا کیگئی اور انہوں نے اپنے اس طریق عمل میں تبدیلی نہ کی اور تنگ دلی کا داغ گوارا نہ کیا اسپر آپ کہتے ہیں کہ وہ ایسا ہی کرتے رہے ہیں اگر وہ ایسا کرتے رہے ہوتے تو آپ ایسا کہنے والے ہی نہ ہوتے یہ کام آپنے کئے ہیں ہندوستان کی قدیم اقوام کو آپنے تاخت و تاراج کیا ہے تم نے انہیں قتل کیا تم نے انہیں غلام بنایا تم نے انہیں آبادیوں سے ویرانو کو نکالا۔ تم نے انکا نام دلیو اور راکھشش رکھا تمہارے ظلم و ستم سے بچنے کیلئے انہیں درندوں

ے جنگلوں کے سوا کہیں پناہ نہ ملی آجتک وہ اسی خانہ بدوشی و ویرانی کی زندگی کا عذاب
ت رہے ہیں۔ بھیل بھانتو، بھوڑے، کنجر، مٹے مارڑے جوانگ یہ سب آپ ہی کے ممنون
ان ہیں کہ دنیا ترقی کرتی چلی جا رہی ہے اور انہیں اسوقت تک بھی گھر در کیا جھونپڑی
بھی میسر نہیں ہے وہ جنگل کے وحشی جانوروں سے زیادہ خراب زندگی جیتے ہیں آپ بھلا
جرم تو بتایئے۔ منوسمرتی میں اور وید میں انکی خطا صرف یہی تو بتائی گئی ہے کہ وہ چار قوموں
ے باہر اور ایشور کے پاؤں سے پیدا ہوئے ہیں۔ عاقل دنیا کے نزدیک سفاکی اور ظلم کا یہ بہانہ
وں نفرتوں کا مستحق ہے محض اپنی قوم نہ ہونیکی وجہ سے کسی کا خون مباح کر دینا چاروں
وں میں سے نہیں ہے اسلیئے اسے غلام بنانا جائز ہو گیا وہ دیکھے تو اسکی آنکھ نکالنا حلال
ر دیا گیا۔ بلی اور کتے کے ساتھ بھی یہ سلوک نہیں کیا جاتا اگر محنت مشقت کر کے وہ کچھ پیسے
کما لے تو آپکے دھرم کا حکم ہے کہ اسے مفلس کر دو پیسے چھین لو۔ وہ کسی مال کا مالک نہیں ہو
سکتا ایشور نے اسے غلامی ہی کیلئے بنایا ہے آپنے اپنے ساتھ ایشور کو بھی اس ظلم میں شریک
کیا آپکی تاریخیں خونخوارانہ مظالم سے بھری ہوئی ہیں اسکے باوجود آپ اسلام جیسے عدل و
انصاف کے دین پر اعتراض کریں۔ اسلام میں جسطرح ذمی کافر کو امن ہے ایسے ہی مستامن کو
بھی پناہ دی جاتی ہے اور وہ بادشاہ اسلام کی حفاظت و ذمہ داری میں امن و امان کے
ساتھ رہتا ہے کوئی اسکو گزند نہیں پہنچا سکتا اسی طرح جزیہ دینے اور اطاعت کرنیوالوں پر
تلوار نہیں اٹھائی جاتی عورتوں بچوں بوڑھوں کے قتل کی ممانعت ہے قتال کس سے کیا
جاتا ہے صرف اس سے جو کارساز عالم سے باغی ہو مسلمانوں کے درپئے ایذا و آزار ہو نہ اطاعت
قبول کرے نہ جزیہ دے نہ امن چاہے سرکش متکبر بنا ہو اسلامیوں کے خلاف درپئے جنگ
ہو یہ مضمون خود اس آیت میں موجود تھا جسپر پنڈت صاحب نے اعتراض کیا وقاتلوا فی
سبیل اللہ الذین یقاتلونکم پنڈت نے خود اسکا ترجمہ کیا ہے "اللہ کی راہ میں لڑو ان
سے جو تم سے لڑتے ہیں"۔ دنیا میں کون عاقل کہے گا کہ محارب جنگجو کے سامنے سر جھکا کر گردن

کتنا بینا دانائی ہے۔ جب ایک قوم کسی جماعت پر چڑھکر آئے تو اپنے تحفظ و بقا کیلئے اس کی
مدافعت ضروری ہوجاتی ہے۔ اب مدافعت کرنیوالا کسی عاقل کے نزدیک مورد الزام نہیں
ہوسکتا کیا پنڈت جی اور انکے ہمنوا گوارا کرتے ہیں کہ اگر کوئی قوم انپر حملہ آور ہو تو خاموشی
کیساتھ گردنیں کٹا کٹا کر مرجائیں اور اسکی مدافعت نہ کریں جب یہ اپنے لئے گوارا نہیں عالم
کی کوئی قوم گوارا نہیں کرتی تو ایسی جنگ کسطرح قابل اعتراض ہوسکتی ہے آیت میں ایک
بڑا مزیدار کلمہ فی سبیل اللہ کا بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جنگ کا مقصد
نہ مال و دولت اور سلطنت و حکومت کی طمع ہوتی ہے نہ اقطاع ارض پر قبضہ نہ زر و جواہر کا
لالچ نہ غضبانی جذبے۔ انکی جنگ نفسانیت سے بالکل پاک اور للہیت کیساتھ ہوتی ہے اس
وصف میں مسلمان تمام دنیا سے منفرد ہیں اور سارے جہان میں یکتا ہیں کہ انکے تیغ و سنان
کو دنیوی مقاصد کیلئے حرکت نہیں ہوتی وہ سر کٹاتے اور خون بہاتے ہیں تو اللہ کیلئے، دین کی
لئے سچائی اور راستبازی کیلئے حقانیت و خدا پرستی کیلئے یہ بات تو دنیا کی ہر قوم کو پانی پانی کئے
دیتی ہے جنگ کا ایسا پاک جذبہ اسلام کے سوا عالم میں کس نے بتایا ہے یہ مقام اور یہ پاک حال
کس قوم کو میسر آیا ہے جو لڑا نفس کیلئے لڑا جوش غضب میں انتقام کیلئے لڑا یا طمع دولت و مال
کیلئے لڑا حرص کیلئے انسانی خونوں کی ندیاں بہائیں ایسا خراب حال شخص اس پیکر تقدس
پر معترض ہو جس نے جنگ جیسا ہولناک میدان بھی ہمیشہ للہیت اور خدا پرستی کے جذبوں
سے طے کیا ہو تو اس معترض پر ہزار بار نفرین دہ طمع کا اندھا زاہد پاکباز پر اعتراض کرے۔ یہ
منہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پھر پنڈت جی اور انکے ہمنواؤں سے پوچھئے کہ اس اعتراض نے آپکی
عزت پر کیا اثر ڈالا آپ ایک آدمی کی جان کے بدلے میں قاتل کا خون بہا دیتے ہیں اسکو عدل
و انصاف کہتے ہیں مگر کیسے خدا شناس ہیں کیسے خدا پرست ہیں کہ خدا کے منکر کے قتل پر چیں
بجبیں ہوتے ہیں اعتراض کرتے ہیں تو آپکے نزدیک خدا کی اتنی عزت ہے ایشور کا اتنا مرتبہ ہے
کہ اسکا انکار کرنیوالا ایک چمار کے قاتل کی برابر بھی مجرم نہیں سمجھا جاتا یا یوں کہئے کہ آپکے

نزدیک آپکا دین ایسا حق نہیں ہے کہ اسکے منکر کو کافر کا خطاب دیا جا سکے اور اس سے انحراف ولغاوت شدید ترین جرم ٹھہرے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود پنڈت جی کے دل میں اپنے دین کی حقانیت کا نقش نہیں ہے مسلمان اپنے دین کو حق جانتا ہے اور اس سے انحراف کو ہر جرم سے بدتر جرم قرار دیتا ہے اور یہی خدا شناسی کی شان ہے۔ پنڈت جی کی دیانت بھی قابل دید ہے اعتراض میں لکھا ہے کہ بلا قصور کسی کو مارنا سخت گناہ ہے۔ اور خود ہی آیت کا ترجمہ لکھا لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں تو جو لڑتا ہے جنگ کرتا ہے حملہ آور ہوتا ہے وہ بے قصور ہے اور جو مدافعت کرتا ہے اپنی جان بچاتا ہے وہ بے قصور مارنے والا اور گنہ گار ہے۔ یہ کس ملک کا انصاف ہے کہاں کی دیانتداری اور سچائی ہے جس مذہب کے پیشواؤں کی دیانت کا یہ حال ہو اسکی نسبت دنیا خود رائے قائم کرے۔

پنڈت جی نے مسلمانوں پر یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ وہ مذہب کی خاطر لڑتے اپنی سلطنت وغیرہ کھو کر برباد ہو گئے سلطنت کھوا تو غلط بات ہے آج بھی مسلمانوں کی دنیا میں بہت سی سلطنتیں موجود ہیں سلطنت افغانستان سلطنت ایران سلطنت عراق سلطنت ہائے عرب سلطنت ترکی سلطنت مصر سلطنت افریقہ و مراکش وغیرہ مسلمانوں کی سلطنت تو آجتک دنیا سے معدوم ہوئی نہیں اور اگر مذہب پر مسلمانوں نے سلطنت قربان کی ہو تو انہیں مبارک حق کے حامی اور صدق کے علمبردار کو ایسا ہی کرنا چاہئے کہ وہ صدق و حق کی حمایت میں ملک و مال کی پرواہ نہ کرے اور حکومت و سلطنت کو دین حق پر فدا کر دے لیکن اپنی تاریخ پر تو ایک نظر فرمائیے ہندو لوگ نے اپنی حکومت و سلطنت کس چیز میں گنوائی اور وہ کسطرح برباد ہوئے کہ آج انکی سلطنت کا روئے زمین پر نام و نشان نہیں ہے خدا کی وسیع زمین میں وید ماننے والونکی سلطنت کا پھریرا کسی خطہ پر نہیں لہراتا انکا سکہ کسی گاؤں میں بھی نہیں چلتا یہ کس عمل کی پاداش ہے جو ساری کی ساری قوم غلامی کی زندگی جیتی ہے اور صدیاں کی صدیاں اسی حال میں ذلت وخواری کیساتھ گزر چکی ہیں ان کے اعتقاد میں تو نعمت آخرت کوئی چیز نہیں ہے جو یہ سمجھا جائے

کہ نیک عمل کی جزا آخرت میں مل جائیگی انہیں جو کچھ ملنا ہے انکے اعتقاد میں تناسخ کے چکر میں یہیں دنیا کے اندر ملنا ہے اور ملی دنیا میں ذلت محکومی غلامی ہزار برس سے زیادہ ہو چکے کہ نا سلطنت کی شکل خواب میں بھی نظر نہ آئی تو معلوم ہوا کہ ایشور کے یہاں اس دھرم کا یہی ثمرہ ہے اب اگر آزادی کی خواہش ہو غلامی سے نکلنا ہو تو ہزار برس کے تجربہ کو مشعل راہ بناؤ اور اس مذہب کے پھندے گلے سے اتار کر پھینکدو جسکی بدولت دنیا ذلت و رسوائی کیساتھ بسر کرنی پڑی اس مذہب کی طرف آؤ جسکی سلطنت دنیا سے کبھی ایک دن کیلئے بھی معدوم نہیں ہوئی وہ کون ہے وہ دین اسلام ہے پنڈت جی نے اسی سلسلہ اعتراض میں تحریر فرمایا ہے ان سے یعنی مسلمانوں سے پوچھنا چاہئے کہ چوری کا عوض چوری ہی ہے۔ اس سے آپکا مطلب یہ ہے کہ جب حملہ آور مقابلہ شروع کرے اور گردنیں اڑانے لگے تو اسکی مدافعت کیلئے قرآن کریم کا یہ حکم دینا کہ لڑنے والوں سے لڑو۔ یہ ایسا ہے جیسے چوری کے بدلے چوری کرنا یہ بات ایسی صریح البطلان ہے جسکو رد کرنیکی بھی حاجت نہیں ہر شخص جانتا ہے کہ چوری جرم ہے گناہ ہے حرام ہے جو مستحق سزا ہے لیکن قاتل کا دفع فرض ہے اپنی حفاظت ہے ہم اسطرف متوجہ نہیں ہوتے اور ہم پر اس اعتراض کا کچھ اثر نہیں ہے دنیا کی نظر میں ایسے اعتراض ایک مضحکہ خیز بات ہیں اور خود معترض کے سرشار تعصب ہونیکی دلیل ہیں لیکن اس موقع پر ہم آریوں کو انکے پیشوا کے کلام کیطرف توجہ دلاتے ہیں وہ جب پنڈت جی کو اپنا دینی پیشوا مان چکے ہیں تو پنڈت صاحب کے حکم کیسامنے فرمانبرداری کیساتھ گردن جھکا دینا انکی سعادت ہے وہ اس اصول پر عمل کرنا شروع کریں کہ اگر کوئی شخص حملہ آور ان پر حملہ کرے تو اسکے جواب میں ہاتھ اٹھانا حملہ کرنا لڑائی لڑنا وہ ایسا ہی برا سمجھیں جیسا چوری کے بدلہ میں چوری کرنا کوئی پیٹ دے تو پٹ جایا کریں مار دے تو مار کھا لیا کریں اور یہ سمجھ کر دل کو تسلی دے لیا کریں کہ یہی پنڈت کا حکم اور یہی دھرم کا نیم ہے اگر آریوں نے پنڈت جی کی اس تعلیم پر عمل نہ کیا تو بیچارے کی بات رائیگاں گئی نہ اپنوں نے مانی نہ غیروں نے اور انکے اصول کو ٹھکرا دینا پیشوا ماننے کے خلاف

بھی ہے ابھی تک آریہ اس پر عامل نہیں ہیں بلکہ وہ خود جنگجو بنے ہوئے ہیں ہمسایہ قوموں کے درپئے آزار رہتے ہیں انہیں طرح طرح کے دکھ دیتے اور ایذائیں پہنچاتے ہیں۔

آریو کچھ تو پنڈت جی کی لاج رکھو اور شانتی کا یہ اصول جو پنڈت جی نے تعلیم کیا ہے اختیار کرو پھر دیکھو دنیا سے کس قدر جلد تمہارا سفر ہوتا ہے اور بعد کی قوموں میں تمہارے اس بھولے پن اور پنڈت جی اس موثر تعلیم کا کیا خوب تذکرہ رہتا ہے۔

اور اللہ نہیں دوست رکھتا ہے فساد کو اے لوگو جو ایمان لائے ہو داخل ہو بیچ اسلام کے (پارہ ۲ سورہ البقرہ)

اعتراض:۔ اگر خدا فساد نہیں چاہتا تو کیوں آپ ہی مسلمانوں کو فساد کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور مفسد مسلمانوں سے دوستی کیوں کرتا ہے مگر مسلمانوں کے مذہب میں داخل ہونے سے خدا راضی ہوتا ہے تو وہ مسلمانوں ہی کا طرفدار ہے سب دنیا کا خدا نہیں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نہ قرآن خدا کا بنایا نہ اس میں کہا ہوا سچا خدا ہو سکتا ہے۔

جواب:۔ نہ مسلم مفسد ہیں نہ انہیں فساد کا حکم دیا گیا بلکہ فساد کو شریعت اسلامیہ نے حرام کیا اسکی ممانعت پر بہت تاکیدیں فرمائیں خود یہ آیت بھی فساد کی ممانعت میں ہے اس سے بڑھ کر حق سے دشمنی اور اسکی عداوت کیا ہوگی کہ جو کتاب فساد کو روک رہی ہے اور جو آیت اس کو مذموم قرار دیتی ہے اسکو پیش کر کے مسلمانوں پر اور خداوند عالم پر فساد کا بہتان باندھا چونکہ مسلمانوں کا دین سچا ہے فساد اور تمام بری باتوں سے روکتا ہے اللہ کی راہ بتاتا ہے دین الٰہی ہے اس لئے اللہ اس سے راضی ہے اور اسمیں داخل ہونیوالوں سے راضی بھی ہے اور دنیا میں جو اسلام کے مخالف ہیں حق کے دشمن ہیں فسادی اور جھگڑالو ہیں باطل پرست ہیں ان سے راضی ہونا خلاف حکمت ہے خدا کی شان نہیں۔ یہ اعتراض عناد اور ناخداشناسی پر مبنی ہے۔

اور اللہ رزق دیتا ہے جسکو چاہتا ہے بیشمار۔ (منزل اول پارہ دوم سورۃ البقرہ آیت ۲۰۹)

اعتراض:۔ کیا بلا گناہ و ثواب کے خدا ایسے ہی رزق دیتا ہے؟ تو پھر بھلائی برائی کا کرنا یکساں ہے کیونکہ رنج و راحت حاصل ہونا اسکی مرضی پر ہے اسلئے دھرم سے منحرف ہو کر مسلمان کو

ن مانی کہتے ہیں اور کئی اس قرآن کے فرمودہ پر اعتقاد نہ رکھ کر دہر ماتمی ہوتے ہیں۔

جواب :- آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی شان رزاقی اور اسکی عطا کا بیان ہے اور اسکی قدرت کاملہ وحکمت بالغہ کا ذکر ہے کہ وہ جسکو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے پنڈت جی کی ذہنی رسائی پرواز سے بھی یہ مقام بالاتر ہے وہ عطا وسخا کے پاکیزہ وشاہانہ اوصاف سے بالکل نابلد بیخبر ہیں کہ قوم اپنے معمولات و مالوفات کی خوگر ہوتی ہے پنڈت جی کی زندگی اس قوم میں گزری ہے جس کا طرز معاش بالکل سودی لین دین ہے داد دہش سے وہ کیا واقف ہوں کیا چیز ہے وہاں تو دینا بھی لینے کیلئے ہے اور یہ معاملہ انکے دماغوں پر اسقدر غالب آگیا کہ وہ امتنان و احسان کے معنی کا تصور کرنے سے بھی عاجز ہو گئے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے احسان کا ذکر و بیان دیکھ کر گھبرا اٹھے اور کہنے لگے کیا بلا گناہ ثواب کے خدا ایسے ہی رزق دیتا ہے یعنی انکے نزدیک الشعور کی مقدرت میں بھی کمی ہے کہ بغیر عوض کسی کو کچھ دے سکے انہوں نے اپنی زندگی میں یہی تجربہ کیا ہے کہ کوئی مہاجن کسی کو بغیر اپنے فائدہ کے کچھ نہیں دیتا اس سے انہوں نے اپنے معبود کے حق میں بھی یہی قیاس کیا ہے کہ وہ بھی بلا معاوضہ کسی کو کچھ نہیں دے سکیگا یہی بنائے اعتراض ہے اور یہ اس قوم کی بہت تنگدلی و تنگ نظری ہے کہ جود و احسان کی صفت سے بالکل معریٰ ومحض بیخبر ہے اگر یہ کہا جائے کہ اس قوم کے بھی تمام افراد یکساں ہی نہیں بعض ان میں بھی سخی ہوتے ہیں تو پنڈت جی پر اور زیادہ سخت الزام عائد ہوگا کہ انہوں نے نیک مزاج انسانوں کیلئے بھی جو صفت تسلیم کرلی وہ بھی خدا کیلئے نہ مانی اور اس شہنشاہ عظیم الشان مالک کون ومکان کی جود و احسان کا مرتبہ اسکی مخلوق انسان سے بھی کم کر دیا اور شان الٰہی کو عیب لگایا اور اسکے کمال جود وکرم کا انکار کر دیا بلکہ اسکو ناممکن ٹھہرایا ایک طرف تو صفات الٰہی کے انکار کا شدید جرم دوسری طرف وید میں غلط بیانی اور ویدک دھرم میں جھوٹی تعریف پنڈت جی کے اس مضمون سے لازم آتی ہے ویدک دھرم نے خدا کے جو نام بتائے ہیں وہ پنڈت جی کی اس تحریر کے بموجب جھوٹے ٹھہرتے ہیں اور انکی اتنی ہی حقیقت ثابت ہوتی ہے جتنی کسی ایک محتاج نادار کا نام مہر راج

یا نکٹے بدہیکل کا نام سندر یا کمزور و ناتواں کا نام دیو رکھنے کی ہو سکتی ہے جیسے یہ سب نام جھوٹے
ہیں ایسے پرمیشور کا لفظ بھی ہے جسکے معنی تو اعلیٰ قدرت والا ہیں مگر وہاں قدرت کا حال پنڈت جی
یہ بتلاتے ہیں کہ وہ بغیر عوض ایک حبہ کسی کو دینے پر قادر نہیں۔ تمام عالم نعمتوں سے بھرا ہوا
محتاج بھوکے مر رہے ہیں مگر پنڈت جی کے نزدیک انکے خدا کو یہ قدرت نہیں کہ اس بیشمار دولت
نعمت میں سے ایک لقمہ بھی کسی کو عطاءً کرماً دے سکے اسپر بھی اسکا نام پرمیشور رکھنا کیا بالکل
ایسا نہیں ہے جیسا کسی بھکاری منگتا کا نام داتا رکھ دینا اسی طرح اسکا نام آنند یعنی راحت
بخشنے والا یہ بھی غلط اور جھوٹ ہے لوگ مصیبتوں میں مرتے رہیں اور وہ کسی کو محض کرم سے ایک
آن کیلئے راحت نہ بخش سکے پھر بھی نام آنند، ایسے نام رکھنا تو خدا کیسا ٹھٹھا مسخرہ پن کرنا ہے اسیطرح
اسکے ناموں میں ویدک دھرم سے ایک نام سروشکتیمان بنایا ہے جسکے معنی کامل القدرت قادر کے
ہیں یہ نام بھی پنڈت جی کے اعتقاد پر جھوٹا اور غلط ہے جس بیچارے کی مجبوری کا یہ عالم ہو
وہ کسی کا قصور معاف نہ کر سکے خطا نہ بخش سکے ایک آن کیلئے آرام و راحت نہ پہنچا سکے اسکا نام
سروشکتیمان یعنی کامل القدرت رکھنا تمسخر ہے مضحکہ ہے اسکی توہین ہے۔ یہ خدا تو نہیں تمہارا
دل لگی کا ایک کھلونا ہے جس سے مسخرہ پن کیا کرتے ہو اور اس سے بڑھکر اسکا ایک نام دیا
رکھ دیا۔ دیا کے معنی ہیں کثیر العطا عمیم الاحسان وسیع الجود اور صفت اسکی آپ یہ بیان کرتے
ہیں کہ وہ مفت ایک جو کسی کو نہیں دے سکتا تو اسے احسان کس لغت میں کہتے ہیں اور یہ عطا
کس معنی سے ہوئی بڑا ہی خوش قسمت معلوم ہوتا ہے آپکا وہ فرضی ایشور جو بغیر دیا ہی کے دیا
بن گیا۔ یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی بھیک منگا محتاج اپنا نام راجہ رکھ لے دینے کو تو خاک نہیں اور
ہیں دیالو کیا کہنا ع فلاطون ہیں مگر بیمار سے پرہیز کرتے ہیں۔

ایسے ہی بھگوان اسکا نام رکھا ہے بھگوان کے معنی ہیں صاحب دولت و حشمت تو وہ
صاحب دولت و حشمت کیا ہوئے جنہیں اپنی مرضی سے ایک کوڑی خرچ کرنے اور دینے کا
اختیار نہیں اسی طرح ایک نام شیو ہے جسکے معنے عافیت کا بخشنے والا۔ جو دکھ ہی کچھ بھی بخشنے وا

نہ ہوا اسے شیو کہنا کسطرح صحیح ہوسکتا ہے کسی نے خوب کہا ہے ع

وہ مفلس ہے پاس اسکے کوڑی نہیں ہے
دیالو اسے کہنا بالکل خطا ہے۔

نہیں اسکو قدرت کہ دے ایک دانہ
وہ اک جو کسی کو نہیں بخشتا ہے

نہ بدنام اس کو کرو کہہ کے داتا
وہ مجبور ہے نام ہی کا خدا ہے

لگاؤ نہ دل اس سے وہ کچھ نہیں ہے
نہ قادر نہ مالک نہ صاحب عطا ہے۔

جو قادر ہے معطی ہے صاحب کرم ہے
وہ اللہ ہے، وہ ہمارا خدا ہے۔

جھکاؤ جبیں اسکے آگے جھکاؤ
وہی نعمت و سلطنت بخشتا ہے۔

ویدوں کا آغاز پراتھنا سے ہوتا ہے ابتدائی جملے دعاؤں کے ہوتے ہیں جس میں طرح طرح کی حاجتیں ایشور کے سامنے پیش کی جاتی ہیں قسم قسم کی استدعائیں کی جاتی ہیں جب پنڈت جی کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے کسی کو کچھ نہیں دے سکتا تو یہ دکھا دے کی دعائیں جھوٹا ہیڈنگ غلط عنوان نہیں تو کیا ہے اور جس کتاب کا عنوان ہی واقفیت سے دور ہو اسکے آئندہ مضامین کی نسبت آپ ہی بتایئے کیا کہا جائے پھر ایسی کتاب کو دینی کتاب قرار دینا خلق کو انکے عملوں کی قدر رنج یا راحت پہنچائے جس طرح ایک ملازم تنخواہیں تقسیم کرنیوالا مجبور ہے جسکی جتنی تنخواہ واجب ہے اتنا اسے دیدے ایک حبہ کم وبیش نہیں کر سکتا اگر سے تو اسپر اس سے جواب طلب ہو۔ اسکے افسر دار وگیر کریں یہی حیثیت پنڈت جی نے ایشور کی قرار دی ہے کہ وہ ایک مزدوری بانٹنے والا ہے جس نے جتنا کام کیا اسکا مقرر معاوضہ اسے دیدیا اسکا وہ ایک مجبور ملازم کیطرح پابند ہے اپنی طرف سے ایک حبہ کسی کو نہیں دے سکتا نہ کسی کا ایک حبہ روک سکتا ہے جب یہ بات ہے تو پرارتھنا دعا والتجا کس لئے ایک شخص کے جیسے عمل ہیں پرارتھنا کیجئے نہ کیجئے انکا بدلہ دینا اسپر واجب ولازم ہے اور وہ اسکا بھگتان کرنے کیلئے مجبور ہے اور کسی کو دینا ہی پڑیگا۔ اور اگر عمل کچھ نہیں ہے یا خراب عمل ہیں تو لاکھ پرارتھنا کرو رات دن مانگے جاؤ وہ دینے کا کچھ اختیار ہی نہیں رکھتا تو اب ویدوں میں پرارتھنا کی تلقین تعلیم

کس فائدہ کیلئے اسکا کیا ثمرہ ہے یہ طلب بے حاصل کیوں کی جاتی ہے اور ایک مجبور محض کی
جھوٹی تعریفیں کیوں کرائی جاتی ہیں درحقیقت آریہ کا یہ اعتقاد خدائی کی عزت اور جلالت
الوہیت کے نہ پہچاننے سے ہے اگر وہ شان خدائی سے کچھ بھی واقف ہوتے تو اسکو رحم وکرم سے
اسطرح معرا کر کے بدنام نہ کرتے اسی غلط عقیدہ کی بنا پر پنڈت جی نے یہ اعتراض کر دیا کہ
"کیا بلا گناہ و ثواب کے خدا ایسے ہی رزق دیتا ہے" اور یہ نہ سمجھے کہ بھیک دیتا ہے یہی کرم ہے
یہی شان خدائی ہے یہ نہ ہو تو اسمیں اور بندہ مجبور میں کیا فرق ہے کیا ظلم ہے۔ اپنی سی مجبوری
کو شان خدائی سمجھا جا رہا ہے اور جو دین پاک شان الہی بیان کرتا ہے اسپر جا بجا نہ اعتراض
کئے جاتے ہیں۔ اب رہا پنڈت جی کا یہ اعتراض کہ خدا کیلئے عطا وکرم یعنی بغیر عمل کے بخشش
فرمانا ثابت کرنے سے لوگوں میں گناہوں کی جرات اور دلیری پیدا ہوگی یہ بھی بالکل لغو ہے
اگر پنڈت جی کبھی کسی مدرسہ میں پڑھے ہونگے تو انہوں نے دیکھا ہوگا کہ طلباء کو انعام دیئے
جاتے ہیں انعام وہی چیز ہے جو اظہار خوشنودی کیلئے بے لحاظ معاوضہ دیا جائے امیر اپنے نوکروں
کو حکومتیں اپنے ملازموں کو انعام دیتی ہیں باوجودیکہ انکے کام کا معاوضہ تنخواہ انہیں مل جاتا
ہے پھر بھی انعام واکرام داد دہش ہوتی رہتی ہے اور یہ عام تجربہ ہے کہ جو لوگ مورد انعام و
اکرام ہوتے ہیں وہ مزدوروں کی طرح خود سر نہیں بنجاتے بلکہ موقع آتا ہے تو جانیں قربان
کر دیتے ہیں۔ پنڈت صاحب کو یہ تجربہ کہاں بہم پہنچا کہ عنایت وکرم کا لازمی نتیجہ گناہگاری و
بغاوت ہے دنیا کا ہر شخص اس سے واقف ہے کہ انسانی طبیعت کا مقتضا یہی ہوتا ہے کہ آدمی
اپنے محسن کا سپاس گزار رہے۔ عرب میں مثل مشہور ہے الانسان عبد الاحسان تو کرم
الہی کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ بندے اسکی طاعت میں سرگرم رہیں اگر پنڈت جی کے اصول کے
مطابق داد دہش کا لازمی نتیجہ فساد اعمال ہوتا تو دنیا کے عقلا اور تمام حکومتوں کے والی
اس خطرناک مہربانی سے دست کش کر لیتے اور دنیا سے انعام واکرام کا نام ہی ناپید ہوجاتا
مگر جب ایسا نہیں ہے تو تمام دنیا کا عملی اتفاق اسپر شاہد ہے کہ عنایت وکرم اور بے معاوضہ

داد دہش ایک بہترین عمل ہے اور اسکے نتائج بہت اعلیٰ ہیں الحمد اللہ پنڈت جی کے اعتراض کی رکاکت ولغویت آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئی۔

پنڈت جی سے یہ اور دریافت کر لیجئے کہ انکے اعتقاد میں وید تمام انسانوں کی ہدایت و تبلیغ کیلئے ہے یا مخصوص لوگوں کے واسطے۔ اگر کسی مخصوص جماعت کیلئے ہو تو بقول انکے ایشور پر اس قوم کی طرفداری کا الزام پنڈت جی کے اعتقاد میں ایشور ہونیکے منافی ہے تو لا محالہ انکو کہنا پڑیگا کہ وید تمام انسانوں کی ہدایت درستی کیلئے ہے کتاب الٰہی کو ایسا ہی ہونا چاہئے اگر تمام انسانوں کیلئے وید مانا جائے تو ان میں نیک بھی ہیں رشی اور منی بھی برہمچاری بھی ہیں بد بھی ہیں پاپی بھی ہیں مہا پاپی بھی ہیں ایسے بھی ہیں جن کی عمریں گناہوں میں بغاوت و سرکشی میں ظلم و جفا میں خراب حال میں گزر گئیں رہنمائی اور سیدھی راہ کا بتانا منزل مقصود کا پتہ دینا تو بڑی نعمت ہے۔ یہ پاپیوں کو کس استحقاق سے ملی جب پنڈت کا اصول یہ ہے کہ کوئی نعمت یا کلفت بغیر بدلہ کے نہیں مل سکتی تو اتنی بڑی نعمت کا بغیر بدلے کے ملنا پنڈت جی کے اپنے مسلمات و اعتقادات کے لحاظ سے انکے اس اصول کو باطل کرتا ہے نہ تنہا اسی اصول کو بلکہ انکے تمام دین ہی پر پانی پھیر دیتا ہے۔

اور سوال کرتے ہیں تجھ سے حیض کی بابت جواب دے کہ وہ ناپاکی ہے پس کنارہ کرو عورتوں سے بیچ حیض کے اور مت نزدیک جاؤ انکے یہاں تک کہ پاک ہوں پس جب نہا لیں پس جاؤ انکے پاس اس جگہ سے کہ حکم کیا تم کو اللہ نے بی بیاں تمہاری کھیتیاں ہیں واسطے تمہارے پس جاؤ کھیت اپنے میں جسطرح چاہو۔ تم کو اللہ لغو قسم میں نہیں پکڑتا۔

اعتراض:۔ ایام حیض میں مجامعت نہ کرنیکا حکم تو اچھا ہے لیکن عورتوں کو کھیت سے مشابہت دینا اور یہ کہنا کہ جسطرح چاہو انکے پاس جاؤ انسان کی شہوت بھڑکانیکا موجب ہے اگر خدا لغو قسم پر نہیں پکڑتا تو سب جھوٹ بولیں گے قسم توڑینگے اس سے خدا جھوٹ کا اجرا کرنیوالا ہو جائیگا۔

جواب :۔ معترض نے تعصب سے مغلوب ہو کر عقل و دیانت دونوں کا خون کر دیا اور آیات میں قطع برید کر دی کہاں کی آیت آیت کہاں ملادی درمیان کی آیتیں جنکا مضمون سے قوی ربط ہو چھوڑ دیں شوق اعتراض میں اس قسم کے تصرفات شاید ویدک دھرم میں جائز سمجھے جاتے ہوں۔ یہ تو پنڈت صاحب کی دیانت کا نمونہ تھا اور ایسے نمونے انکے کلام میں بہت موجود ہیں اب دانائی قابل دید ہے جو اعتراض کے لفظوں سے برس رہی ہے آپکا اعتراض یہ ہے کہ "عورتوں کو کھیت سے مشابہت دینا اور یہ کہنا کہ جسطرح چاہو انکے پاس جاؤ انسان کی شہوت بھڑکانیکا موجب ہے"۔ نادان نے یہ نہ سمجھا کہ کھیت سے تعبیر کرنیکے معنی ہی یہ ہیں کہ اپنی بی بیوں کیساتھ محض اقتضاء شہوت مدنظر نہ ہو بلکہ حصول اولاد اور بقائے نسل مقصود ہو کیسی پاکیزہ عبارت میں کیسی پاکیزہ تعلیم دی اور اسکی خوبی کو پنڈت جی بھی سمجھتے ہیں اور انہوں نے قرآن کریم کی اس عبارت سے سبق لیا ہے مگر یہ سعادتمندی ہے کہ جس سے فیض پایا ہو جس سے نکتہ سیکھا ہو اسی پر غلط اور لغو اعتراض کرنے کے لئے بے محابا زبان کھولدیں کھیت سے تشبیہ تو پنڈت جی نے خود ہی دی ہے حاسی ستیارتھ پرکاش ص ۱۵۳ پر پنڈت جی خود لکھتے ہیں۔

"کسان یا مالی جاہل ہو کر بھی اپنے کھیت یا باغ کے سوائے اور کہیں بیج نہیں بوتے جبکہ معمولی بیج اور جاہل کا یہ دستور ہے تو جو شخص سب سے اعلیٰ انسانی جسم کے درخت کے بیج کو برے کھیت میں کھوتا ہے وہ بڑا ہی بیوقوف کہلاتا ہے" پنڈت جی نے اس عبارت میں خود عورت کو کھیت سے تشبیہ دی اور اس تشبیہ کا یہ فائدہ بھی سمجھے کہ جسطرح کاشتکار کو اپنا بیج بے محل ضائع نہ کرنا چاہئے اسیطرح آدمی کو اپنا تخم اپنی ہی کھیت میں ڈالنا چاہئے گویا کہ اس تشبیہ میں زناکاری کو روکنے کے معنی ہیں۔ یہ اقرار کرتے ہوئے یہ کہہ دینا کہ اس تشبیہ میں شہوت بھڑکانا ہے کسقدر عناد ہے ہم اس مدعا پر کچھ زیادہ کہنا نہیں چاہتے کیونکہ پنڈت جی کی اپنی عبارت انکے لئے ایسا مسکت جواب اور انکے عناد کی شہادت ہے جس سے وہ کسی طرح خلاص نہیں پا سکتے رہا شہوت بھڑکانا اسکا الزام اسلام اور قرآن پر تو ایسا ہے جیسا کوئی شخص آفتاب

کے طلوع ہم یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس سے بڑا ہی اندھیرا ہو جاتا ہے مگر نبوت کا سر و سامان دیکھنا ہو تو پنڈت جی کی کتابیں اس قسم کے ذوق رکھنے والوں کیلئے بڑی دلچسپی کا سامان ہیں اسوقت صرف ایک عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں جس سے بظاہر ہو جائیگا کہ پنڈت جی نے اپنا حال دوسروں کی طرف نسبت کیا پنڈت جی کی تحریروں سے اس قسم کی بہت سی شہادتیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر میری تہذیب اس قسم کا ذخیرہ پیش کرنیکی اجازت نہیں دیتی اسلئے میں صرف ایک عبارت وہ بھی ایسی جو اس رنگ میں سب سے ہلکی ہے پیش کرتا ہوں پنڈت صاحب اسی ستیارتھ پرکاش ص ۲۹ میں لکھتے ہیں

"زچہ دودھ نہ پلاوے دودھ روکنے کیلئے پستان کے منہ پر ایسی دوا لگادیں جس سے دودھ نکلنا بند ہو جائے اس طریق پر عمل کرنے سے دوسرے مہینہ میں عورت دوبارہ جوان ہو جاتی ہے

صاف گوئی قابل داد اور تہذیب لائق تعریف شہوت انگیزی کی تعلیم میں یہ جذبہ شاید ہی کسی عیش پرست کو سوجھا ہو کہ اپنی لذت کیلئے عورت کو جوان رکھنے کیلئے بچوں کو دودھ تک سے محروم کر دیا جائے حریص سے حریص جانور بھی ایسا نہیں کرتا۔ یہ حال اور ہم پر اعتراض جو یہ تعلیم دے کہ اپنی بیویوں سے بھی جو تعلقات ہیں انکا مقصد نسل انسانی کی بقا ہونا چاہیئے شہوت کے خیال سے طبیعت کو بچانا چاہیئے۔ ہم پر اعتراض کرنا اچھے کو برا بتانا اور اپنے گریبان میں منہ نہ ڈالنا کتنی حیاداری کی بات ہے اور جس مذہب کا بانی اس قسم کے حرکات کا مرتکب ہو اسکو مذہبوں کی فہرست میں شمار کرنا لفظ مذہب کی توہین ہے کوئی باطل مذہب بھی اس اعلان کیساتھ جھوٹ بولنے کی اجازت تو نہ دیتا ہوگا۔

پنڈت جی کے اسی اعتراض کا ایک نمونہ یہ ہے کہ اگر خدا لغو قسم پر نہیں پکڑتا تو سب جھوٹ بولیں گے قسم توڑیں گے اس سے جھوٹ کا اجرا کرنیوالا ہو جائیگا۔ (ستیارتھ پرکاش ص ۷۷۱)

معاذ اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اس افترا پردازی کی کوئی حد ہے اس جھوٹ کی کوئی انتہا ہے آدھی آیت لکھی اور اسکا غلط سلط ترجمہ کیا آدھی چھوڑ گئے تاکہ دنیا کو مغالطہ دیا جاسکے یہ عمل کس دین اور کس آئین میں جائز ہے کہ ایک عبارت میں سے درمیان کا جملہ نکال لیا جائے اور اول آخر کے حصے لکھ کر ان پر اعتراض کیا جائے۔ ارباب دانش کیلئے پنڈت جی کا یہ طرز عمل اسکی

دلیل ہے کہ معاند متعصب کو بھی قرآن کریم میں اعتراض کی جگہ نہیں ملتی اسلئے وہ مجبور ہوتا ہے کہ اعتراض کرنیکے لئے قرآن پاک کے معانی میں بیجا تصرف کرے اسکے مضامین میں تراش خراش کرے یہاں پنڈت جی درمیان سے جو عبارت چھوڑ گئے اس میں یہ تھا لا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ پنڈت جی نے اسے اپنے مخالف مدعا سمجھا اسلئے امانت دیانت کی گردن ماری پھر بھی جو جزو آیت کا لکھ کر اعتراض کیا ہے اسمیں کمال یہ ہے کہ معنی جناب کے ذہن نشین و خاطر گزین نہیں ہیں سمجھنے سے پہلے اعتراض ہو رہا ہے تو جس اعتراض سے پہلے فہم کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہو وہ اعتراض کیا وقعت رکھتا ہے ابھی تک پنڈت صاحب کو یہ تو خبر ہی نہیں کہ قسم میں کیا ہوتا ہے اور لغو سے کیا مراد ہے جب تک آدمی یہ نہ سمجھ لے کہ اس لفظ سے قائل کا مدعا کیا ہے اسوقت تک اسکی نسبت کوئی رائے کسطرح قائم کر سکتا ہے جب آپ یہ جانتے ہی نہیں قسم کیا چیز ہے کس کو کہتے ہیں تو آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اسپر گرفت کرنی چاہئے یا نہ کرنی چاہئے لغو سے مراد یہ ہے کہ آدمی کا ارادہ قسم کا نہیں نہ محل قسم کا ہے بے ضرورت بغیر ارادہ کے زبان سے کلمہ قسم نکل گیا تو اسپر گرفت نہ ہوگی یہ عین مقتضاء انصاف ہے اچھے اچھے بولنے والوں کی زبان لغزش کر جاتی ہے اور کبھی کوئی کلمہ بے ارادہ زبان پر جاری ہو جاتا ہے اسپر کوئی عاقل گرفت نہیں کرتا وہ قابل درگزر ہوتا ہے بلکہ ایسے کلمہ پر گرفت کرنیوالا قابل اعتراض سمجھا جاتا ہے اگر پنڈت جی یہ سمجھ لیتے تو شاید اعتراض نہ کرتے۔

اعتراض ۱۔ کون ہے وہ جو قرض دے اللہ کو اچھا پس دگنا کرے اسکو واسطے اسکے۔ (منزل اول سپارہ دوم سورۃ البقر آیت ۲۳۹)

اسپر پنڈت جی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ بھلا خدا کو قرض لینے سے کیا؟ کیا جس نے ساری خلقت کو بنایا وہ انسان سے قرض لیتا ہے؟ ہرگز نہیں ایسا تو بلا سمجھے کہا جا سکتا ہے۔ کیا اسکا خزانہ خالی ہو گیا تھا کیا اسکو ہنڈوی پرچہ سوداگری وغیرہ میں مصروف ہونے سے خسارہ پڑ گیا تھا جو قرض لینے لگا؟ اور ایک کا دو دو دینا قبول کرتا ہے یہ ساہوکاروں کا کام ہے؟ ایسا کام

تو دیوالیہ یا فضول خرچوں اور کم آمدنی والوں کو کرنا پڑتا ہے خدا کو نہیں ؟

جواب جو انسان کا جوہر سخن گوئی اور سخن فہمی ہے اور اسی میں وہ دوسری مخلوق سے امتیاز رکھتا ہے جو شخص اس سے محروم ہو اسکو انسان کہنا ایسا ہی ہوگا جیسا کسی پتھر کی تصویر کو آدمی کہدینا بلکہ اس سے بھی بدتر صدقات اور غربا کی دستگیری کی اسلام نے تعلیم دی اور کتاب الٰہی نے اسکی ترغیبیں ایسے حسن ادا کے ساتھ بیان فرمائی ہیں جو دل میں اثر کرتی ہیں اور طبائع انسانیہ اس سے پند پذیر اور منتفع ہوتی ہیں ساتھ ہی ان میں نیکیوں کے جذبے اور بنی نوع کی ہمدردی کا ذوق پیدا ہوتا ہے فصاحت و بلاغت کے جوہر نظر آتے ہیں اور اہل خرد خواہ کسی مذہب و ملت یا کسی قوم و نسل کے ہوں اس عبارت سے صحیح مدعا تک پہنچ جاتے ہیں اور اس طرز بیان سے استمداد کرتے ہیں جسکو ذرا بھی زبان دانی کا شعور یا سلیقہ ہے وہ جانتا ہے کہ استعارات میں ادائے مدعا شان فصحا و طریق حسن ہے اللہ کو قرض دینے کا یہ مطلب کہ راہ خدا میں محتاجوں پر صرف کرنا اجر و جزا کا موجب ہے اور جس طرح قرض دینے سے مال ضائع نہیں ہوتا بلکہ مدیون کے پاس محفوظ رہتا ہے اسی طرح صدقات مال کے زوال کا سبب نہیں ہیں جیسا کہ دنیا پرستوں کا خیال ہے بلکہ وہ مال صاحب مال کیلئے سبب خیر و برکت ہیں اسپر یہ سمجھنا کہ خدا کو قرض لینے کی ضرورت پیش آگئی ہے اور وہ دیوالیہ ہو گیا ہے پنڈت جی جیسے دماغ کے شخص کا کام ہو سکتا ہے جاہل بھی عبارت سے مطلب سمجھ سکتا ہے مگر پنڈت جی کے دماغ کو رسائی حاصل نہ ہوئی اس لطیف استعارہ پر اعتراض، اور کبھی گریبان میں منہ ڈالکر نہیں دیکھا کہ وید میں کیسے کیسے گندے استعارے موجود ہیں جنکا نقل کرنا بھی ہمیں گراں اور ناپسند خاطر ہے اور ساتھ میں ہی دھرم کا ترجمہ وید دیکھئے اور پنڈت جی کو انکے محبوب طرز سخن کی داد دیجئے۔ پنڈت مہی دھر نے عبارت وید کا جو ترجمہ کیا ہے اسکو کوئی شائستہ آدمی دیکھنا پسند نہ کریگا فحش مضامین ایسی بےحیائی کے طریقہ پر بیان کئے گئے ہیں کہ اوباشوں کو بھی اس سے شرم آجائے۔ پنڈت دیانند صاحب اس تعلیم کے حامی ہیں اور اسکو ذوالنکار استعارہ بتاتے ہیں ایسے شرمناک استعارے

میں بدترین فحش گالی کے الفاظ میں اسکو ادا کرنا پنڈت جی پسند کرتے ہیں اور اس نفیس تعلیم پر معترض ہیں کیا دماغ اسی طریق کلام کا خوگر تو نہیں ہو گیا ہے کہ شائستہ گفتگو اور لطافت کلام سے طبع والا مانوس نہ ہوتی ہو۔ در در حقیقت انسان کا ذوق جب بگڑ جاتا ہے تو وہ اپنے مالوفات کو دنیا کی بہتر نعمتوں پر ترجیح دیتا ہے خواہ وہ کیسی ہی ناقص ہوں افیونی نشہ والے جو نشوں کے عادی ہیں انکے سامنے وہ دنیا کی تمام نعمتوں کو ہیچ جانتے ہیں اور اصحاب ذوق سلیم کو نا آشنا قرار دیتے ہیں اگر اسطرح حسن ادا قرآنی پر کوئی فاسد الذوق معترض ہو تو جائے حیرت نہیں۔

اعتراض:۔ آیہ منھم من اٰمن ومنھم من کفر ولو شاء اللہ ما اقتتلوا ولکن اللہ یفعل ما یرید کا ترجمہ لکھا ہے انمیں سے کوئی ایمان لایا اور کوئی کافر ہوا جو اللہ چاہتا تو نہ کرتے جو چاہتا ہے اللہ کرتا ہے۔ اس پر پنڈت جی یہ اعتراض کرتے ہیں کیا جتنی لڑائیاں ہوتی ہیں وہ سب اللہ کی مرضی سے ہوتی ہیں۔ کیا وہ ادھرم کرنا چاہتا ہے تو کر سکتا ہے اگر ایسی بات ہے تو وہ خدا ہی نہیں کیونکہ نیک آدمیوں کا یہ کام نہیں کہ صلح توڑ کر لڑائی کرا دیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قرآن (معاذ اللہ) نہ خدا کا بنایا اور نہ کسی دیندار عالم کا بنایا ہوا ہے۔

جواب:۔ خداوند عالم عز وعلا تبارک و تعالیٰ پر اعتراض اور اسکی جناب پاک میں دریدہ دہنی اور بیباکی تو کفار کا شعار ہے اور یہی بے ادبی اور بیباکی انکے بطلان و خسران کی دلیل و برہان ہے معقول اور مہذب انسان خواہ مخواہ برے کلموں سے کسی انسان کا ذکر بھی گوارا نہیں کرتا اور اگر کسی آدمی کے حق میں بھی کوئی شخص ناشائستہ کلمہ کہے تو وہ جاہل بدتمیز وحشی بے تہذیب سمجھا جاتا ہے۔ پنڈت صاحب شان الٰہی میں زبان درازی کر کے دنیا کے سامنے اپنے علم و تہذیب کا نمونہ پیش کیا کرتے ہیں اور اعتراض کرنے میں تو آپکی قابلیت اس درجہ کمال کو پہنچ چکی ہے کہ آپ جس چیز پر اعتراض کیا کرتے ہیں اعتراض اس سے چھو تک نہیں اسکا رخ دوسری ہی طرف ہوتا ہے قرآن پاک کی جو آیت پنڈت جی نے نقل کی اسمیں یہ کہیں نہیں کہ

جتنی لڑائیاں ہوتی ہیں وہ سب خدا کی مرضی سے ہوتی ہیں یہ محض افترا ہے اور ایسا جیسا بہتان
کہ خدا کی پناہ قرآن کریم کی آیت سامنے موجود ہے اسکا ترجمہ پنڈت جی نے خود لکھا ہے۔ نہ آیت
میں ہے نہ ترجمہ میں ہے کہ سب لڑائیاں خدا کی مرضی سے ہوتی ہیں مگر پنڈت جی نے اپنے دل
سے یہ مضمون تراشکر قرآن کریم پر اعتراض کر دیا یہ اعتراض قرآن کریم پر تو نہ ہوا بلکہ معترض کی
دیانت اور سچائی کا مرثیہ ہو گیا۔ غضب خدا کا اس قدر جھوٹ آیت سامنے ہے ترجمہ خود لکھ رہے
ہیں صفحہ دو صفحہ کا فاصلہ بھی نہیں ہوا ہٹ سے جھوٹ بولدیا کچھ تو شرم کی ہوتی منع قتال کا تحت
مشیت ہونا اور چیز اور قتال کا پسندیدہ اور موافق مرضی ہونا دوسری بات کہاں یہ کہاں وہ
کجا زمین کجا آسمان اگر معترض تو بہا متی بنا ہوا ہے جو تماشائیوں کی نگاہ میں دھول جھونکنا چاہتا
ہے۔ لیکن یہ اسکی نادانی ہے۔ دنیا اتنی بے سمجھ نہیں ہے جو اتنے کھلے فریب کو بھی نہ پہچانے۔ اللہ حکیم
ہے نیکی کا حکم دیتا ہے بدی سے منع فرماتا ہے لا تفسدوا فی الارض اسکا حکم ہے یعنی زمین
میں فساد نہ کرو فساد سے وہ راضی نہیں ہاں جو قتال رفع فساد کیلئے ہو اسکو مذموم سمجھنا غلط
ہے۔ قتل و خونریزی بری چیز ہے لیکن قاتل کو قتل کرنا امن کی حفاظت ہے اور قتل ناحق کو روکنے
کی تدبیر ہے وہ عین حکمت ہے اسکو خون ناحق کی طرح قابل ملامت قرار دینا جہل و ضلال ہے
تمام لڑائیوں کو خدا کی مرضی سے بتانا پنڈت کا افترا تھا اسکے ہوا خواہوں کو اس سے شرمندہ ہونا
چاہیئے۔ "ادھرم" کیا بلا ہے کیا خدا کیلئے بھی کوئی دھرم تجویز کیا ہے اسکے لئے بھی کچھ فرائض و پابندیاں
ہیں جو نادان خدا کی یہ شان جانتا ہو وہ خلق میں جس قدر گمراہی پھیلائے کم ہے۔

اعتراض ب۔ آیت الکرسی۔ قرآن کریم میں ایک آیت ہے اسمیں حضرت رب العزت تبارک
و تعالیٰ کی وحدانیت اور اسکے صفات کا نہایت روح پرور ایمان افروز بیان ہے معرفت کے
طلب گاروں کیلئے وہ فیض کا ایک عجیب سرچشمہ ہے اسکی تجلیاں تاریک دلوں کو منور کر دیتی
ہیں پنڈت صاحب کی آنکھوں پر تعصب کا چشمہ ہے مگر اس تعصب کا جو بینائی سے بالکل محروم کر
دے آپ نے اس عینک سے اس آیت کو دیکھنا چاہا پوری آیت میں سے دو جملے لئے جو آیت

شریف میں جدا جدا تھے انکے درمیانی جملے حذف کر کے دونوں کو ملا کر ایک کر دیا یہ تو آپکی تراش خراش آپکی دیانت و سچائی کا ایک معمولی کرشمہ ہے اس قسم کے کئی تو پنڈت جی میں بھرے ہوئے ہیں جو دو جملے پنڈت جی نے اعتراض کیلئے اخذ کئے ہیں ان میں کا ایک جملہ یہ ہے لہ ما فی السموات والارض اسکے معنی ہیں اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں۔ یعنی موجودات ارضی ہوں یا سماوی سب کا مالک اللہ ہے اس میں اسکی مالکیت کا بیان بھی ہے اور ملک عظیم کا اظہار بھی اور ایک لطیف پیرایہ میں رد شرک بھی کہ مشرکین جس کسی کو اسکا ساجھی کرتے ہیں اور شریک قرار دیتے ہیں وہ یا تو سماویات میں سے ہے جیسے چاند سورج اور کواکب جن کی پرستش کی جاتی ہے یا اسکے ماتحت ارضیات کے قبیل سے جیسے دریا پہاڑ پتھر حیوان نباتات وغیرہ جنکی ہندو اور دوسرے بت پرست پرستش کرتے ہیں ان سب کیلئے ارشاد فرمادیا کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور ظاہر ہے کہ مملوک معبود نہیں ہو سکتا تو کائنات ارضی و سماوی میں سے کسی موجود کی نسبت معبودیت کا اعتقاد باطل ہے توحید کا شیدائی تو اس اندازِ تعلیم پر فدا ہو جاتا ہے لیکن پنڈت جی جیسا متعصب شخص اس ایمانی و روحانی تعلیم پر زبانِ اعتراض کھولتا ہے اور اپنی سفاہت کا اسطرح اظہار کرتا ہے۔

اعتراض جو آسمان و زمین پر چیزیں ہیں وے سب انسانوں کے واسطے خدا نے پیدا کی ہیں اپنے واسطے نہیں کیونکہ اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

جواب یہ اب اس اعتراض کو اس جملہ مبارکہ سے کیا لگاؤ ہے جس میں کائنات ارضی و سماوی کی مالکیت کا بیان فرمایا گیا اسمیں ضرورت کا کیا دخل۔ کیا پنڈت اور اسکا دین خداوند عالم کو مالک نہیں جانتا اور یہ کسطرح ممکن ہے جب پیدائش کی نسبت اسکی طرف کرتا ہے اور اسی کا پیدا کیا ہوا بتاتا ہے تو مالکیت میں کیا شبہ رہا آیت میں بیان مالکیت ہی کا تھا وہاں یہ ذکر نہ تھا کہ کس کے نفع اور آسائش کیلئے یا کس حکمت کیلئے پیدا کیا۔ پیدا کرنیوالا وہ ہی مالک وہ ہی اپنی ملک اور خلق میں سے جس چیز سے جسے چاہے نفع پہنچائے۔ بے شبہ وہ ضرورت و حاجت

سے پاک ہے اتنا بھی پنڈت جی نے قرآن پاک ہی سے دیکھا جس میں شان الٰہی یوں بیان کی گئی ہے غنی عن العلمین ورنہ پنڈت جی بیچارے کیا جانتے تھے کہ اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر چیز کا خالق و مالک ہونا ہی ہر چیز سے غنی و بے نیاز ہونیکی دلیل ہے جو سب کا پیدا کرنے والا ہے سب اسکے محتاج ہیں وہ سب سے بے نیاز ہے محتاج وہی ہوتا ہے جو خالق نہ ہو ملک ذاتی نہ رکھتا ہو جیسا کہ پنڈت جی کا دھرم اپنے فرضی ایشور کو مانتا ہے وہ کسی چیز کا کسی ذرہ کا کسی روح کا کسی جیو کا خالق نہیں تو مالک بھی نہیں اور جب خالق و مالک نہیں تو غنی بالذات نہیں اسکی حکومت تو روح کی مہربانی سے چل رہی ہے روحیں گناہ کرتی ہیں تو آریوں کے اعتقاد میں ایشور کو حکومت کا موقع ملتا ہے آریوں کا ایشور روحوں کا ایک مجسٹریٹ ہے کہ بنائی ہوئی تو اسکی کوئی چیز نہیں جبر و تعدی سے ان پر سطوت قائم کئے ہوئے ہے جہاں یہ اعتقاد ہے وہاں پنڈت جی کا ذاتی مالکیت سے جھک اٹھنا اور بدک کچھ زیادہ قابل حیرت و استعجاب نہیں وہ بیچارے اپنے عقیدے کی بنا پر مالک بالذات اور خالق سمجھنے سے عاجز و قاصر ہیں مگر یاں ہمہ پنڈت جی کا اعتراض تو آیت شریف سے کوئی علاقہ ہی نہیں رکھتا اگر کسی نے یہ کہا ہوتا کہ آسمان و زمین کی چیزیں اسنے اپنی ضرورت کیلئے پیدا کی ہیں تو یہ اعتراض درست ہو سکتا تھا کہ وہ ضرورت سے پاک ہے اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں مگر یہاں یہ کسی نے کہا ہی نہیں قرآن پاک میں ہے تو یہ ہے کہ وہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا مالک ہے اس پر یہ اعتراض کس طرح چسپاں ہو سکتا ہے آریوں میں لکھے پڑھے آدمی ہی سوچیں تو۔

شوق اعتراض میں پنڈت جی کچھ ان کہی بھی بول گئے اور اعتراض کے کل پرزے ملا کر دیکھئے تو اسکی کوئی چول درست نہیں آپ لکھتے ہیں "کہ جو آسمان و زمین پر چیزیں ہیں وے سب انسانوں کے واسطے خدا نے پیدا کی ہیں، زمین پر انسان بھی تو ہیں وہ کس کیلئے پیدا کئے ہیں اور انسانوں کے علاوہ جسقدر چیزیں ہیں وہ سب انسانوں کیلئے پیدا کی ہیں۔ جب آپ نے یہ تسلیم کر لیا تو گوشت خوری پر اعتراض اور گئو کو ماتا بنانا اسکی پوجا کرنا اسکے عوض مسلمانوں

کے خون بہانا یہ سب باطل ہوا جو چیز ہمارے ہی لئے خدا نے پیدا کی ہے اگر ہم اسکو اپنی غذا بنائیں تو پنڈت جی کا کیوں دل دکھتا ہے "آپ کیوں برا مانتے ہیں جو ہمارے لئے پیدا ہوئی ہم اسے کام میں لائیں غذا بنائیں تو انہیں بگڑنے کا کیا موقع۔

آیت شریفہ کے دوسرے جملہ مبارکہ وسع کرسیہ السموات والارض پر پنڈت جی نے یہ اعتراض کیا "جب اسکی کرسی ہے تو وہ محدود المکان ہوا جو محدود المکان ہے وہ خدا نہیں کیونکہ خدا تو ویاپک یعنی ہمہ جا موجود بذاتہ ہی ہے۔

جواب:۔ اس علم و قابلیت کی داد تو کچھ آریہ ہی دینگے جن بیچاروں کے نزدیک ایسی دور از علم و عقل باتیں ہی قابل سماعت ہوں اور ہذیانات کے باوجود کوئی شخص سلیم الحواس ہی نہیں بلکہ پیشوائی کے لائق سمجھا جائے پنڈت نے اتنا ہی سمجھا کہ اسکی کرسی ہے انہیں یہ معلوم نہیں کہ آسمان بھی اسیکا اور زمین بھی اسکی تری بھی اسکی خشکی بھی اسکی۔ ہندوستان بھی اسکا اور ہر اقلیم اسکی سب کا وہی مالک ہے لیکن اسکے یہ معنی کہ وہ مکانی ہے اور مکان میں محدود ہے کس طرح سمجھے جا سکتے ہیں پنڈت جی کو مالک اور ساکن و متمکن میں فرق معلوم نہیں ملک کے ہر ایک خطہ کو بادشاہ کی ملک بتایا جاتا ہے اور اسکا کہا جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سرکاری جنگل ہے یہ شاہی رقبہ ہے تو اسکے معنی کوئی جاہل بھی نہیں سمجھتا کہ اس گاؤں یا اس رقبہ میں بادشاہ سکونت رکھتا ہے۔ پنڈت جی کی اتنی سمجھ ہے کہ کسی مکان کے مالک ہونے کو آپ اسمیں رہنا اور محدود ہونا سمجھتے ہیں ایسا محروم العقل انسان اگر کسی بلیغ کلام پر اعتراض کرے تو اس بیچارے کے اعتراض سے اس مقدس کلام کو کیا نقصان یہ تو کسی مسلمان کی زبان سے پنڈت جی کے گوش زد ہو گیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ محدود و محاط نہیں ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا ہے وھو بکل شیٔ محیط مگر اس گوش زدہ لفظ کے معنی پنڈت جی بیچارے کیا سمجھتے آپنے بہت اونچی اڑان اڑ کر جو خدا کی توصیف کی وہ یہ ہے کہ خدا ویاپک یعنی ہمہ جا موجود بذات ہی ہے۔ ان کلموں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا قائل علم و عقل دونوں سے عاری ہے کیونکہ جسکی ذات

کو ہمہ جا موجود مانتا ہے تو ہمہ جا اسی کیلئے مکان ہوا اب اسے نامحدود کس منہ سے کہا جائیگا

اعتراض :۔ قرآن کریم میں نمرود کافر مدعی ربوبیت کیساتھ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا مناظرہ مذکور ہے اسکا ایک جزو یہ ہے۔

قال ابراھیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الذی کفر واللہ لا یھدی القوم الظالمین۔

پنڈت جی نے یہ آیت نقل کر کے اسکا ترجمہ ان الفاظ میں لکھا ہے۔ اللہ آفتاب کو مشرق سے لاتا ہے پس تو مغرب سے لے آ۔ تب وہ کافر حیران رہ گیا تحقیق اللہ گناہگاروں کو راہ نہیں دکھلاتا۔ یہ غلط سلط ترجمہ لکھنے کے بعد پنڈت جی نے یہ اعتراض کیا

"دیکھئے لاعلمی کی بات یہ ہے آفتاب نہ مشرق سے مغرب اور نہ مغرب سے مشرق کبھی آتا جاتا ہے وہ اپنے محور میں گردش کرتا رہتا ہے اس سے تحقیق جانا جاتا ہے کہ قرآن کے مصنف کو علم ہیئت و جغرافیہ بھی نہیں آتا تھا۔ اگر گنہگاروں کو راہ نہیں بتلاتا تو پرہیزگاروں کیلئے بھی مسلمانوں کے خدا کی ضرورت نہیں کیونکہ دھرماتما تو دھرم کی راہ میں ہوتے ہیں جو گمراہ ہوں انکو راستہ بتلانا چاہئے اسلئے اس فرض کا ادا نہ کرنا قرآن کے مصنف کی بڑی غلطی ہے۔

جواب :۔ پنڈت جی کی کٹرک اور گرج قابل دید ہے آپنے علم ہیئت اور جغرافیہ کا نام ہی ہی کہیں سن پایا ہے اور آپکو یقین ہے کہ آفتاب محوری حرکت کرتا ہے اسکے سوا اسمیں اور کوئی حرکت نہیں علم ہیئت کی اس قابلیت کی داد تو کچھ انکے عقیدت مند ہی دینگے جنہیں پنڈت جی علم سینہ کے ذریعہ بتا گئے ہیں کہ فقط محوری حرکت سے رات دن کے انقلاب کس طرح پیدا ہوتے ہیں پنڈت جی نے یہاں وید کے علم ہیئت اور اسکے دلائل کا کچھ اظہار نہ کیا جو انکے اعتقاد میں سرچشمہ معلوم ہے اب اگر پنڈت جی کے ہوا خواہوں میں انکی کچھ محبت باقی ہو تو وہ وید کے اوراق تلاش کریں اور حرکت آفتاب کے متعلق وید میں کیا لکھا ہے اسے معرض تحریر میں لائیں تو دنیا کو انکے علم و قابلیت کا کچھ اندازہ ہو۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گفتگو نمرود بادشاہ سے تھی جو خدائی کا مدعی تھا اور آثار قدرت کو اپنی طرف نسبت کر کے ربوبیت کا دعوی کرتا تھا اسکے مقابلہ میں جو دلیل حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش فرمائی اسنے تو نمرود کو ساکت و حیران کر دیا مگر اس کے ہزاروں برس بعد پنڈت جی اس دعویدار خدائی کے طرفدار بنے اگر پنڈت جی نمرود کے وقت میں ہوتے بھی اور اپنی یہ گفتگو پیش کرتے تو نمرود اور اسکی قوم اتنی کو دان اور بیوقوف نہ تھی جو اپنی طرفداری میں ایسی خلاف علم و عقل بات پیش کرا کے مزید رسوائی پسند کرتی اتنا وہ لوگ جانتے تھے کہ آفتاب کی اپنی حرکت اور کواکب کی طرح مغرب سے جانب مشرق ہے اور حرکت قریہان سب کو مشرق سے مغرب کی طرف لیجاتی ہے حجت یہ قائم کی گئی تھی کہ ایک کوکب کو اسکی حرکت کے خلاف حرکت میں لانا اور گردش دینا یہ تو قدرت الہٰی کی تاثیر ہے۔ اے ربوبیت کے دعویدار تجھ سے یہ بھی نہ ہو سکیگا کہ تو آفتاب کو اسکی حرکت کے موافق حرکت دے کہ یہ سہل ہے نمرود اور اسکی قوم کے لوگ علم نجوم کے جاننے والے تھے وہ اس دلیل کو سمجھ کر حیران ہو گئے مگر پنڈت جی تو محسوسات تک میں بے ادراک ہیں آفتاب کی حرکت جانب مشرق سے مغرب کو محسوس ہے ہر کوئی دیکھتا ہے جس نے صبح و شام دیکھی ہے جس کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اس نے دیکھا ہے کہ آفتاب صبح مشرق میں تھا اور مغرب کی جانب سیر کرتا رہا شام کو سمت مغرب میں غروب کر گیا۔ لیکن پنڈت جی کو اتنا نظر نہ آیا عمر بھر گزری اور آپکو یہ نہ سوجھا کہ آفتاب کدھر سے کدھر کو چلتا ہے آپ جغرافیہ کی کتابیں ٹٹول رہے ہیں ہندوستان کے نقشہ ہی میں نہ دیکھ لیا آسمان کیجانب دیکھنا اور دن میں چلتا ہوا سورج نظر آنا آپ کیلئے دشوار تھا تو پھر کسی بنئے کے بہی کھاتہ ہی کو تلاش کیا ہوتا جس میں کسی کو سوئی نظر نہ آئے آپکو سورج نظر نہیں آتا یہ زور بینائی قابل تعریف ہے اور یہ بات تو بھلا پنڈت جی اور انکے بہوا خواہ کیا سمجھے ہونگے کہ کواکب کی اپنی حرکت جانب مشرق سے مغرب کو ہے اور حرکت محسوسہ قسریہ ہے مگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برہان قوی نے خدائی کی مدعی نمرود کو عاجز و حیران کر دیا اور وہ ساکت و لاجواب ہو گیا۔ اور اسکے دعوی کا بطلان جیسا

دیکھنے والوں پر ظاہر ہوا خود اسکے اپنے اوپر بھی اسکے آثار مرتب ہوگئے کوئی ذی علم شخص ہوتا تو حضرت خلیل کے اس استقامت حجت اور برہان روشن کی تعریف میں رطب اللسان ہوتا اور کہتا کہ سبحان اللہ کیا دلیل قائم فرمائی ہے یہ نبی ہی کا کام تھا اور ایسے سرکش مدعی خدائی کو اس قدر عاجز و شرمندہ کر دینا ہادی حق کا ایک بڑا کارنامہ ہے مگر پنڈت جی بیچارے سوچتے یہ ہیں کہ اگر وہ اس کی تعریف کریں تو کوئی ان سے یہی پوچھے گا کہ آپ جنہیں ہادی مانتے ہیں انکا بھی تو کوئی کارنامہ پیش کیجئے تو وہ بیچارے ایسا کارنامہ کہاں سے لائینگے کھسیا کر عاجز و مجبور نمود کے طرفدار ہو گئے اور بات عقل و علم ہی سے گری ہوئی نہیں بلکہ محسوسات کے خلاف زبان پر لائے قرآن پاک پر اعتراض کرنیوالے اسی طرح ذلیل و رسوا ہوتے ہیں۔

پنڈت جی کا دوسرا اعتراض اس آیت پر یہ ہے کہ اگر خدا گنہگاروں کو راہ نہیں بتاتا تو پرہیز گاروں کیلئے بھی مسلمانوں کے خدا کی ضرورت نہیں کیونکہ دھرماتما تو دھرم کی راہ میں ہوتے ہی ہیں جو گمراہ ہیں انکو راستہ بتلانا چاہیے۔

جواب :۔ پنڈت جی نے آیت کے ترجمہ میں خطا کی لا یھدی کا ترجمہ راہ نہیں بتلاتا غلط ہے اسی طرح ظلمین کا ترجمہ محض گنہگار۔ آیت میں کافر کا بیان ہے نظم عبارت کا جاننے والا اور طرز کلام سے فہم مطلب حاصل کرنے کی قدرت والا جانتا ہے کہ آیت کریمہ میں ایک کافر سرکش کا ذکر ہے جو کفر میں اسقدر راسخ تھا کہ خدائی کا دعوی کرتا تھا اور خود اپنی حقیقت جانتے ہوئے اور اپنے عجز اور بے بسی کو پہچانتے ہوئے اور اپنے اوپر قدرتی آثار کے تغیرات متواتر دیکھتے ہوئے اپنے آپکو خدا کہتا تھا لوگوں سے اپنے آپکو خدا کہلواتا تھا اسکا تذکرہ فرما کر ارشاد کیا کہ اللہ ظالم قوم کو راہ نہیں دیتا یعنی جس نے براہین ساطعہ و حجج لائحہ سے قصداً آنکھیں بند کرلیں وہ ظالم ہے اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اپنے آپکو منزل مقصود تک پہنچنے سے روکا منزل مقصود تک پہنچانیوالے تک پہنچنے کیلئے مجبور نہ کیا جائے تاکہ وہ اپنے انتہائی سرکشی و عناد کی سزا پائے جس طرح روز روشن میں آفتاب رہنمائی کرتا ہے اور راستہ صاف اور واضح دکھا دیتا ہے کہ

منزل کا جویا اسکی روشنی میں بآسانی مقصود تک پہنچ جاتا ہے اگر کوئی سیاہ بخت آفتاب سے
عداوت کر کے آنکھوں پر پٹی باندھ لے اور آفتاب سے فائدہ نہ اٹھانیکی قسم کھالے تو آفتاب
اس کو منزل تک نہ پہنچائے گا اور منزل سے محروم رہنا اور بھٹکتے پھرنا اور جابجا ٹکریں مارنا اور
ٹھوکریں کھانا یہ اسکے عناد کی منصفانہ سزا ہوگی اسی طرح اس متکبر مدعی خدا کو راہ تو دکھائی گئی
حضرت رب العزت تبارک وتعالیٰ کے ربوبیت وقدرت کاملہ کی ظاہر دلیلیں تو اسکے سامنے پیش
کی گئیں جن سے وہ عاجز ولاجواب ہوگیا اور اسکو اور اسکی جماعت کو اسکے دعاوی کا بطلان آفتاب
سے زیادہ روشن نظر آگیا لیکن اسکی سیاہ دلی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ دلیلوں سے عاجز ولاجواب
ہونیکے باوجود اس نے قبول حق کا ارادہ نہ کیا اور اپنی اسی گمراہی پر اڑا رہا تو اب اسکی حکیمانہ
ومنصفانہ سزا یہی ہے کہ اسکو بغاوت وعناد کی سزا بھگتنے دی جائے حکمت دار العمل کا اقتضا ہی
نہیں ہے کہ اسے قبول حق کیلئے مجبور کر دیا جائے لہذا پنڈت جی کا یہ کہنا کہ خدا گنہگاروں کو راہ نہیں
تبلاتا محض کذب اور باطل اور منطوق آیت کے صریح خلاف ہے صریحا تو مذکور ہے کہ راستہ بتا
دیا دلیل قائم کی عاجز ولاجواب کر دیا خود پنڈت نے اسکو نقل کیا پھر خود یہ کہدینا کہ خدا راستہ نہیں
بتاتا دانشمندی وصداقت سے کسقدر دور ہے۔ پنڈت جی کو ہدایت کا ترجمہ معلوم نہیں اور وہ نہیں
جانتے کہ ہدایت کہاں ارات کے معنی میں آتا ہے اور کہاں ایصال الی المطلوب کے معنی میں
ایسی بے علمی میں جو اعتراض کیا جائے وہ ایسا ہی لغو ہوتا ہے۔ پھر پنڈت جی کا یہ کہنا کہ پرہیزگاروں
کیلئے رہنمائی کی ضرورت ہی نہیں دھرماتما تو دھرم کی راہ میں ہوتے ہی ہیں اور انہیں خدا کی راہ
نمائی کی ضرورت نہیں بلکہ عقل انسانی ہی منازل خداشناسی کے جاننے کیلئے کافی ہے تو پھر نہ
وید کی ضرورت ہے نہ شاستر کی نہ رشی کی نہ تربیت کی نہ تعلیم کی سب کو دیا سلائی دکھاؤ پھر
آریہ کس منہ سے وید کو خدا کی کتاب بتاتے ہیں جب بغیر اسکے ہی انسان خدا کی راہ جان سکتا ہو
تو وید کی کیا ضرورت ہے۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ آدمی پرہیزگار خدا کی کتاب اور ربانی تعلیم ہی
سے ہو سکتا ہے اور منازل خداشناسی تک رسائی اسی کے فضل سے میسر آتی ہے اسی حکمت کا تقاضا

ہے کہ رسول بھیجے جاتے ہیں کتابیں آتی ہیں جو کوئی پرہیزگار بنتا ہے وہ انہیں سے بنتا ہے اور جو ان کتابوں سے منحرف ہو عداوت کرے رسولوں کی تعلیم کا مخالف رہے وہ منزل مقصود سے محروم رہتا ہے اب پنڈت جی اور انکے معتقدین یہ بھی بتائیں کہ کیا انکے اعتقاد میں وید اپنے مخالفوں کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے جو پنڈت جی کے عقیدہ میں گنہگار ہیں اگر ایسا نہیں تو پھر پنڈت جی وید اور وید کے ایشور کیلئے کیا کہیئے اور اگر سب کو اپنے راہ راست پر پہنچا دیا ہے تو پھر دنیا کے تمام مذاہب وادیان اور انسان کے تمام طبقوں کو صحیح راہ پر مانیں اور مخالفت کیسی بلکہ وہاں تو حقیقت یہ ہے کہ نہ اپنوں کو نفع پہنچاتا ہے نہ بیگانوں کو نہ موافقوں کو نہ مخالفوں کو جسطرح کہ سراب نہ قریب والے کو سیراب کر سکتا ہے نہ دور والے کو۔

کہا پرندوں میں سے چار پرندے لے پھر انکو اپنے ساتھ ہلا تاکہ پہچان ہو جائے پھر ہر پہاڑ پر انمیں سے ایک ایک ٹکڑا رکھدے پھر انکو بلا دوڑتے تیرے پاس چلے آئینگے (سپارہ سوئم)

اعتراض:۔ واہ واہ دیکھو جی مسلمانوں کا خدا شعبدہ بازوں کی طرح کھیل رہا کیا ایسی باتوں سے خدا کی خدائی ظاہر ہوتی ہے عقلمند لوگ ایسے خدا کو خیرباد کہکر کنارہ کشی کرینگے اور جاہل لوگ پھنسیں گے اس سے بھلائی کے بدلے برائی انکے بدلے پڑیگی۔

جواب:۔ اس سفاہت و نادانی کی کیا نہایت ہے کہ قدرت الٰہی کے آیات جو معرفت کا اصلی ذریعہ ہیں انکو پنڈت نے شعبدہ بازی اور کھیل کہدیا معاذاللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ خداشناس ہی خدا کی قدرت جان سکتا ہے جو بصیرت کی روشنی سے محروم ہو وہ برگشتہ بخت کب یہ سعادت پا سکتا ہے دشمن عقل پنڈت کے نزدیک آفتاب و ماہتاب کواکب کے تمام نظام انکی لرزشیں لیل و نہار کے تعاقب دادوار فصول کے تبدل اور انکی تاثیرات عالم جمادات کے عجائب اور عالم نباتات کی حیرت انگیز حالتیں اشخاص کا گوناگوں حالتوں میں تبدیل ہونا اور ہر حالت پر جداگانہ احکام کا مرتب ہونا اور خود پنڈت کا اپنا وجود اسکا کبھی شیرخوار بچہ ہونا کہ دانت بھی پیدا نہ ہوئے ہوں کبھی قریب بلوغ حالت میں شوخ وشنگ بھاگے بھاگے پھرنا کبھی طالب علموں کی قطار میں کتاب بغل

دبلے چلنا کبھی جوان توانا ہونا کبھی ضعیف القوت بوڑھا ہونا یہ سب حالتیں کیا پنڈت نے خود پیدا کی ہیں یا اسکے ماں باپ نے اسکا وجود کس متصرف کے دست تصرف میں انقلاب کے دھکے کھا رہا ہے اور کون اپنی تاثیرات قدرت کی رنگارنگی دکھا رہا ہے پنڈت ان تمام تصرفات کو اپنے سلیقہ دتمیز سے شعبدہ وبازیگری کہیگا یا کیا کریگا۔ ہر ایک سلطنت اپنے نائبوں کو اپنے نشان دیتی ہے اس مخصوص نشان سے وہ پہچانے جاتے ہیں فوج کے ہر ہر سپاہی کے پاس شاہی نشانی ہوتی ہے اور تمام افواج کے سپہ سالار بھی نشانیاں رکھتے ہیں انکی وردیاں بھی خاص ہوتی ہیں ان وردیوں نشانیوں سے ہر شخص انکو پہچان لیتا ہے تو ضرور ہے! اور اقتضاء حکمت یہی ہے کہ حضرت رب العزت جس کسی کو ہدایت خلق کیلئے مبعوث فرمائے اسکے ساتھ قدرت کے وہ نشان ہوں جن کو دیکھ کر دیدنا یقین کر سکے کہ یقیناً ربانی شہادتیں اس ہادی کیساتھ ہیں تو یہ ضرور حق پر ہے اور اللہ کی طرف سے مامور و مبعوث ہے اگر ایسا نہ ہو تو خدا کے فرستادے جھوٹے مدعیوں سے کسطرح ممتاز ہونگے مگر چونکہ پنڈت کے دین میں ایسا کوئی شخص نہ تھا جس کو آثار قدرت کی تائید حاصل ہوتی اسلئے وہ بیچارہ اس تائید کے ساتھ تمسخر کرنے لگا اور اپنی بیچارگی وعاجزی پر نظر کر کے اسنے مقربان بارگاہ حق کے الہٰی تمغوں اور خدائی نشانوں کو شعبدہ بازی بتادیا یہ ایسا ہی ہے جیسے نہایت کریہہ منظر حبشی اپنی قوم میں حسن وجمال کا مدعی ہو اور وہاں کسی طرف سے ایک عالم آرا ترک صاحب جمال پہنچے تو کالا بھجنگا حبشی اسکا منہ چڑانے لگے اس منہ چڑانے اور شکل بگاڑنے سے ترکی جمیل کے حسن وجمال میں تو کوئی نقصان نہیں آئیگا مگر سیاہ روحبشی کا چہرہ منہ چڑانے سے اور بھی بگڑ جاویگا۔ پنڈت کا یہ اعتراض اس منہ چڑانے سے زیادہ ذلیل تر ہے کاش آریوں کے صاحب فہم وخرد لوگ اس ذلیل حرکت کو نفرت کی نظر سے دیکھیں اور پنڈت کی اس دریدہ دہنی پر افسوس کریں۔

جس کو چاہے حکمت دیتا ہے۔ (منزل اول سپارہ سوم)

اعتراض :۔ اگر جسکو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے تو جس کو نہیں چاہتا حکمت نہیں دیتا ہوگا

یہ بات خدا کی نہیں بلکہ جو طرفداری چھوڑ کر سب کو حکمت کی ہدایت کرتا ہے وہی خدا اور سچا واعظ ہو سکتا ہے دوسرا نہیں۔

جواب :۔ دیکھنے والے خیال کرینگے کہ اس کلام کا قائل نہایت کودن اور سادہ لوح ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ جس دین کا پابند ہے اسکے اصول واعتقاد ایسی بے خردانہ باتیں کہنے پر مجبور کرتے ہیں وہاں ایشور کو نمائش کیلئے نام کا قادر مطلق مانا گیا ہے اور حقیقت میں اسکو تحصیل کے چپراسی کی برابر بھی اختیار نہیں آریوں کے اعتقاد میں جہاں کا تمام کاروبار گنا ہوں کے صدقے میں چل رہا ہے اور ہر شخص اپنے عمل کی جزا و سزا استحقاق سے پاتا ہے ایشور میں کچھ بھی قدرت نہیں وہ کسی کو ایک حبہ نہیں دے سکتا ایک چپہ بھر زمین نہیں دے سکتا ایک قطرہ پانی نہیں دے سکتا بیمار کو تندرست نہیں کرسکتا کسی کی تکلیف کو لمحہ بھر کیلئے گھٹا نہیں سکتا جہاں یہ اعتقاد ہو جہاں خدا کی شان ایسی مجبوری سمجھی گئی ہو جہاں خدائی کے اختیارات نواب بے ملک کی برابر بھی نہ ہوں وہ اپنی مشیت سے کچھ دینا کسطرح مان سکتے ہیں وہ تو اسی کو خدا سمجھتے ہیں جو مجبور محض ہو اور قدرت واختیار سے اسکا کوئی واسطہ اور علاقہ نہ ہو آریوں کے بنائے ہوئے قانون قدرت کی ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہو پنڈت کو خدا کے قادر مختار کی قدرت کاملہ کا تصور ہی نہیں ہوا اسلئے وہ اس لفظ سے جھجک گیا اور دنگ گیا گھبرا اٹھا ایک زمیندار اپنی مرضی سے کاشتکار کو جو چاہے انعام دیسکتا ہے ایک آقا اپنے نوکر و غلام کو نواز سکتا ہے ہر حیثیت کا آدمی دوسرے شخص کو اپنے املاک میں سے جو چاہے ہبہ کرسکتا ہے مگر آریوں کا ایشور ایسا نہیں کرسکتا وہ مجبور ہے یہ اسکی قدرت کاملہ ہے اسکے گیت گائیے یا باجہ بجائے پھر ایسے خستہ حال مجبور ایشور کو مانا ہی کیا اور اسکا کیا حاصل اب پنڈت سے یہ کہئے کہ نصیحت اور وعظ تو جب ہی کسیکو نافع ہو سکتا ہے جب وہ صاحب فہم ہو مگر پنڈت کی رائے میں اسکے اصول و دین میں ایشور کیلئے ضروری ہے کہ ہدایت ہر شخص کو پہنچا دے تو لازم ہے اسی ایشور پر کہ کسی کو مجنوں مخبوط الحواس فاطر العقل پیدا نہ کرے اگر اس نے کچھ لوگ عاقل پیدا کئے کچھ مجنوں تو ہدایت کا سب تک پہنچانا جو اسکا فرض تھا

ادا نہ ہوا اب بتلائے پنڈت کہ ایشور پر طرفداری کا الزام آیا یا نہیں آیا اب ایسے ایشور کی کیا سزا اور پنڈت کی زبان پر یہ کلمہ آئے کہ سب کو ہدایت پہنچا دی جائے کسقدر حیرت ناک بات ہی کتنی شرم کی بات ہے کتنی غیرت کی بات ہے بقول پنڈت کے وید کو ایک ارب چھیانوے کرور برس سے زیادہ گذر چکے مگر ابتک وہ دنیا کے سب انسانوں کو تو کیا پہنچتا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بھی نہ پہنچ سکا کیسی ہی خراب خستہ بھینسا گاڑی بھی ہوتی تو وہ بھی اتنی مدت میں لاکھوں چکر لگا چکی ہوتی مگر واہ رے ایشور کے وید اربوں برس گذر گئے اور گھر والوں تک کو نہ ملا اسپر یہ کہنا کہ حکمت کی بات سب کو پہنچانا چاہیئے یہ وہ طمانچہ ہے جو قائل اپنے منہ پر مار رہا ہے اس سے پوچھو کہ اگر وید ہی کوئی حکمت کی بات تھی تو اربوں برس میں بھی وہ کیوں ساری دنیا کو نہ پہنچی اور اسمیں کوئی حکمت کی بات نہیں ہے تو پھر اسپر کیوں سر منڈائے بیٹھے ہو اور کیوں اسکو کتاب الٰہی کہتے ہو ہم تو اللہ تعالیٰ کو قادر و مختار جانتے ہیں جس سرزمین میں چاہے بارش کرے اس خطہ کو سرسبز و شاداب بنا دے پھولوں سے مہکا دے میوونسے وہاں کے رہنے والوں کو آرام پہنچائے اور جہاں چاہے وبا پیدا کر دے اسکو اختیار ہے وہ مالک ہے تو کوئی دم نہیں مار سکتا کسیکی مجال نہیں کہ زبان ہلائے اور اگر ہلائے اور اس حکمت میں چون وچرا کرے تو وہ مجرم ہے باغی ہے ناخدا شناس ہے منکر قدرت ہے کافر بیدین ہے مستحق عذاب ہے فی النار کیا جائے گا پنڈت نے یہ نہ کہا یہ طرفداری کیسی وید سنسکرت میں کیوں ہو دنیا کی ہر زبان میں کیوں نہیں ایک خطۂ ہند کے ساتھ اسکی کیا خصوصیت ۔ یہ اعتقاد رکھتے ہوئے زبان کھولنا شرم۔

پھر چاہیگا معاف کریگا جسکو چاہیگا عذاب دیگا کیونکہ وہ سب چیزوں پر قادر ہے (پارہ ۳)

اعتراض: وہ کیا بخشش کے مستحق کو نہ بخشنا اور غیر مستحق کو بخشنا غیر منصف بادشاہ کا سا کام نہیں۔ اگر خدا جس کو چاہتا ہے گنہگار یا دھرماتما بناتا ہے تو روح کو گناہ وثواب کا کرنے والا نہ کہنا چاہیئے ۔جب خدا نے اسکو ویسا ہی کیا تو انسان کو تکلیف و راحت بھی نہ ہونی چاہیئے

جیسے سپہ سالار کے حکم سے کسی نوکر نے کسی کو مارا تو اسکا ثمرہ حاصل کرنیوالا وہ نہیں ہوتا ایسے ہی دے بھی نہیں۔

جواب:۔ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی مشیت و قدرت کا کیسا نفیس بیان ہے جس سے شان خدائی ظاہر ہوتی ہے ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ خدا کی یہی شان ہونا چاہئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہو ہر ممکن اسکے تحت و قدرت ہو کہیں اسے عجز پیش نہ آئے جو ایسا نہ ہو وہ خدا نہیں مجبور ہے عاجز ہے ضعیف و ناتوان ہے اگر آریہ ایشور کو ایسا نہیں سمجھتے تو اسکو خدا کہنا ہی غلط ہے اور اگر وہ یہ عموم قدرت تسلیم کرلیں تو آیت پر اعتراض کس درجہ کی لغویت ہے معاف کرنا اور عذاب کرنا مشیت میں ہو جسے چاہے معاف کرے جسے چاہے سزا دے یہی شان خدائی ہے اگر ایسا نہ ہو تو سزا دینے اور معاف کرنے میں وہ مجبور ہوگا مجبور ہونا خدا کی شان نہیں جو مجبور ہو خدا نہیں ہو سکتا جس کو اتنا بھی اختیار نہ ہو کہ اپنی مخلوق کو اپنی مرضی سے بخش سکے اور سزا دے سکے اسکو خدا کہنا کیا معنی رکھتا ہے خدا کے مرتبے اور اسکی صفات کے جاننے والے اور خدائی کی عزت پہچاننے والے قرآن کریم کے اس عارفانہ ارشاد کے سامنے سر جھکا دینگے اور جبین نیاز سجدہ میں رکھ دینگے کہ وہ بیشک مالک الملک ہے قادر مطلق ہے سزا دینا اور معاف کر دینا اس کے قبضۂ اختیار میں ہے اگر پنڈت کے اعتقاد میں اسکے پرمیشور کو یہ اختیار حاصل نہ ہو اور وہ گنہگار کا قصور معاف نہ کر سکے تو ویدوں میں پرارتھنا اور دعائیں کس لئے ہیں کیا یہ دنیا کو دھوکے اور مغالطے دیئے گئے ہیں ایشور سے التجائیں کیوں کی جاتی ہیں عجیب نہیں کہ پنڈت جی معاف کرنے اور عذاب دینے کے معنی بھی نہ سمجھے ہوں اگرچہ یہ اینی صاف بات ہے جس کو دیہاتی بھی سمجھ سکتے ہیں کہ سزا دینا اور معاف کرنا ان دونوں باتوں کا تعلق خطا دار سے ہوتا ہے کہ خطاوار کی خطا چاہے حاکم معاف کرے چاہے سزا دے تو پنڈت جی کے نزدیک وہ کونسا خطاوار ہے جسکو بخشنا انکے اعتقاد میں انکے ایشور پر واجب ہو جاتا ہے اور وہ کونسا خطاوار ہے جس کو سزا دینے کیلئے ایشور کو مجبور ہونا پڑتا ہے سزا دینے اور معاف

کرنیکا اختیار تو دنیا کے حاکم بھی رکھتے ہیں جو اتنا بھی اختیار نہ رکھتا ہو اسکو سروشکیتمان کہنا صریح جھوٹ ہے مغالطہ ہے لوگوں کو دھوکے میں ڈالنا ہے پھر جس کو چاہیگا معاف کریگا جسکو چاہیگا عذاب دیگا اس مضمون پر اعتراض کورانہ عناد سے ہے یا محض بے عقلی ہے پنڈت کو یہ معلوم نہیں کہ خدا کیلئے تمام صفات کمال ثابت ہیں ان صفات میں سے حکمت بھی ایک صفت ہے تو جو حکیم ہے اس سے کس طرح متصور ہے کہ وہ غیر حکیمانہ فعل کو چاہے لہذا جس امر کو وہ چاہیگا وہ ہی مقتضائے حکمت ہوگا اور جو مقتضائے حکمت امر پر اعتراض کرے وہ عقل دین دیانت سب کا دشمن ہے پنڈت کا یہ کہنا بالکل باطل ہے کہ روح کو گناہ و ثواب کا کرنیوالا نہ کہنا چاہیئے جب اپنے خداداد ارادے واختیار سے عمل کرتا ہے تو وہ عمل کیوں اسکی طرف منسوب نہ ہوا اور کس لئے اس عمل کی جزا یا سزا اس پر مرتب نہ کی جائے جہاں بندہ بے اختیار ہوتا ہے وہاں شریعت اسلام اس پر گرفت نہیں فرماتی مجبور محض کو نہیں پکڑا جاتا اسلئے مجنوں پر تکلیفی احکام نہیں ہیں جس سے بجبر کوئی جرم کرایا جائے اسپر مواخذہ نہیں ہے مواخذہ اور گرفت اسی پر ہے جسکو اختیار دیا ہے نیک بد بتا دیا ہے اپنی مرضی ظاہر فرما دی ہے پھر اس نے اختیار ہوتے ہوئے اسکے خلاف کیا تو ضرور وہ مجرم ہے خطاوار ہے قابل سزا ہے۔ پنڈت کی مثال غلط ہے "کہ سپہ سالار کے حکم سے کسی نوکر نے کسی کو مارا تو اسکا ثمرہ حاصل کرنیوالا وہ نہیں ہوتا" یہاں یہ کسی نے نہیں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جو کوئی کام کیا جائے اس پر سزا ہوتی ہے۔ سزا کا مستحق تو وہی ہوتا ہے جو حکم الٰہی کے خلاف کرے پنڈت کے اعتراض کا ایک ایک جملہ غلطیوں اور نادانیوں کا مجموعہ ہے۔

اعتراض: کہدیں اس سے بہتر خبر پرہیز گاروں کو کہ اللہ کے پاس بہشتیں ہیں جنمیں نہریں چلتی ہیں ان میں ہمیشہ رہنے والی پاک بیبیاں ہیں اللہ کی خوشی ہے اللہ دیکھتا ہے اپنے بندوں کو (منزل اول سپارہ سوم سورہ آل عمران)

بھلا یہ بہشت ہے یا طوائف خانہ؟ اس کو خدا کہیں یا سرین (عود) تو نکا دلدادہ کیا کوئی بھی عقلمند ایسی باتیں جسمیں ہوں اسکو خدا کی بتائی ہوئی کتاب مان سکتا ہے۔ خدا طرفداری کیوں

کرتا ہے جو بیبیاں ہمیشہ سے بہشت میں رہتی ہیں کیا وے یہاں سے پیدا ہوکر وہاں گئی ہیں
یا وہیں پیدا ہوئی ہیں اگر یہاں سے پیدا ہوکر وہاں گئی ہیں اور قیامت کی رات سے پہلے ہی
وہاں بی بیوں کو بلا لیا تو انکے خاوندوں کو کیوں نہ بلا لیا اور قیامت کی رات میں سب کا انصاف
ہوگا اس عہد کو کیوں توڑا اگر وہیں پیدا ہوئی تو قیامت تک وے کیونکر گذارہ کرتی ہیں اگر ان
کے واسطے آدمی بھی وہیں یہاں سے بہشت میں جانیوالے مسلمانوں کو خدا بی بیاں کہاں سے دے
گا اور جیسے بیبیاں بہشت میں (ہمیشہ رہنے والی) بنائیں ویسے مردوں کو وہاں ہمیشہ رہنے والی
کیوں نہیں بنایا اس واسطے مسلمانوں کا خدا بھی بے انصاف اور بے سمجھ ہے۔

جواب:- بیحیائی و بدزبانی کی انتہا ہوگئی کوئی سٹر بھنگ بھی ایسی بے محابا گالی گلوچ کی
ہمت نہ کریگا شرم اس قوم پر حیرت ہے جو ایسے گندہ ذہن بدزبان گلیر کو دین کا پیشوا سمجھے
جہاں پیشواؤں کے اخلاق کا یہ عالم ہے وہاں متبعین کے خصائل جیسے ہونے چاہئیں ظاہر ہے
گالی گلوچ کرنا اور بدزبانی پر اترا نا عاجزی کی نشانی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس
غریق تعصب کو کوئی اعتراض کی جگہ ہاتھ نہ آئی تو جھنجھل میں گالیاں بکنے لگا آیت شریف میں
تو نفیس مضمون تھا اس پر سیاہ دلی سے کیسا زہر اگلا ہے پرہیزگاروں کی جزا کا بیان تھا کہ
آخرت میں انکے لئے مسکن طیبہ و مناظر دلکشا اور انکا دائمی عیش و سرور ہے اور پاک بیبیاں
اور رضائے الٰہی عقل ہوتی تو ان نعمتوں کی قدر سمجھتا انسان رہنے کیلئے مکان کا محتاج ہے،
ایک نہ ایک مسکن اسکو ہر حال ناگزیر ہے تو لا محالہ جو مستحق انعام ہو مورد اکرام ہو لائق مرحمت
ہو اسکو بہتر مقام بہتر مسکن عطا کیا جانا قرین حکمت و انصاف ہے جو لوگ اکرام شاہی کے مورد
ہوتے ہیں انکی نفیس مکانوں میں میزبانی کیجاتی ہے اور قدر و منزلت مکان رہنے کو دیئے جاتے
ہیں تو جس نے اپنی زندگانی تقویٰ اور پرہیزگاری کے ساتھ راہ الٰہی میں صرف کی ہو اور کرم الٰہی
سے وہ مورد عنایت و مستحق کرامت بنا گیا ہو اسکے لئے ضرور ایسا ہی مکان ہونا چاہئے جس تک
اس دنیا میں انسان کی بلندی فکر بھی رسائی نہ کر سکے انصاف والا کرم والا داد و دہش والا،

کائنات کا مالک اپنے اطاعت شعاروں کو ایسی ہی جزا عنایت فرماتا ہے اور اسکی شان کرم کے یہی لائق ہے جس نے کریم کا دربار دیکھا ہی نہ ہو ہمیشہ مفلسوں اور گداگروں میں زندگی بسر کی ہو اسکی فکر کریمانہ جود و عطا تک کب پہنچ سکتی ہے اور عظیم و جلیل نعمتوں کا عطا کیا جانا اس کے خیال خام اور اسکی عقل ناقص میں کب آسکتا ہے وہ اس سلوک کا عادی رہا ہے اور جیسے برتاؤ اس نے دیکھے ہیں سب کو اسی اندازہ اور قیاس سے جانچتا ہے بہرحال انسان کے لئے مسکن ضروری ہے اور جس درجہ کا انسان ہو جس مرتبہ کا اسکا اخلاص اطاعت شعاری ہو جیسا تقویٰ اور پرہیزگاری وہ رکھتا ہو اسی کے لائق اسکو مسکن ملنا تقاضائے حکمت ہے اس لئے پرہیزگار ایمانداروں کے لئے جنتوں کے پاکیزہ دلکش منازل و مساکن ہیں اور ان میں ادراک عقل و فہم سے بالاتر زینت و زیبائش راحت و آسائش کے اسباب پھر اگر مسکن ہو کیسا بھی وسیع ہو کتنا بھی دلکشا ہو کیسے ہی سامانوں سے مزین ہو مگر تنہائی ہو اپنا ہم جنس کوئی نہ ہو تو طبیعت انسانی کی جبلت ہے کہ وہ ان سے لطف اندوز نہیں ہوتا اسکو وحشت ہوتی ہے تو جس نے اسکی راحت کیلئے اتنے کثیر سامان اور ایسے نفیس مکان عطا کئے اسکا کرم کب گوارا کر سکتا ہے کہ اس بندۂ مخلص کو تنہائی کی وحشت میں رکھ کر تمام نعمتوں سے بے لطف و بے کیف کر دے جہاں اتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہاں دل پسند مونس اور مرغوب و محبوب ہمدم بھی عطا کرنا شان کرم ہے کہ بغیر اسکے عیش و راحت اور فرحت و مسرت کمال کو نہیں پہنچ سکتے اسلئے بمقتضائے عقل بھی شایان ہے کہ نیکوں اور اطاعت شعاروں کو دار الجزا میں بہترین مساکن اور محبوب و مرغوب ہمدم و انیس عطا کئے جائیں اور جب یہ راحت و سرور اپنے کمال کو پہنچ جائے تو محبوب حقیقی کے رضا و خوشنودی کی سب سے اعظم نعمت اور اعلیٰ دولت مرحمت فرمائی جائے یہ عاقلانہ و حکیمانہ مضمون قرآن میں پڑھا عقل ہوتی تو مدح و ثنا میں زبان کھلتی دل اس کتاب کی طرف جھکتا صادق جذبات ایمان لانے پر مصر ہوتے مگر تعصب کی تاریکی میں جو گرفتار ہو اور عناد کی نابینائی جسکی چشم بصیرت کو فنا کر ڈالا ہو وہ ان خوبیوں کو کیا سمجھے اور بجوشش

تعصب میں اعتراض کی دھن ہو تو بیچارہ کیا کرے جبکہ ان مضامین میں کہیں گنجائش اعتراض باقی نہیں مجبوراً کھسیا کر گالیاں بکنے لگتا ہے قرآن کریم میں یہ ذکر تھا کہ جنت میں پاک بیبیاں عطا ہونگی اس پر گندہ دہن گستاخ نے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ اپنی ذہنیت کی گندگی کو قلم سے ادا کیا اور جنت کو بیڈ صرف طوائف خانہ لکھ دیا یہ لفظ کس قدر کریہہ کتنا خلاف تہذیب قابل نفرت ہے اتنا ہر شخص جانتا ہے مگر پنڈت اور اسکے ماننے والوں سے بجز اسکے کیا کہا جائے کہ بیبیوں کے رہنے کے مکان کو اگر تمہارے لغت و محاورہ میں طوائف خانہ کہا جاتا ہے تو تم سب طوائف خانوں ہی کی پیداوار ہو اور تمہارے سب کے گھر طوائف خانہ ہی ہیں یہ میرا کلام نہیں اسی معترض کا محاورہ اسکے گھر استعمال کر کے دکھا رہا ہوں اور وہ بھی ایک شمہ پنڈت سے پوچھئے تو اسکے دین و ملت میں پرہیزگاروں عبادت گزاروں کی کیا جزا بتائی گئی ہے انہیں رہنے کو جو جگہ ملے گی جسکا نام پنڈت جی نے مکتی خانہ رکھا ہے اسکی کیا شان و صفت ہے جنت کیطرح مزین اور اسباب عیش و راحت اور سامان زیب و زینت سے آراستہ و پیراستہ تو وہ کہہ نہیں سکتا کیونکہ یہ بات اسکے نزدیک قابل اعتراض ہے تو لامحالہ وہ مکتی خانہ ہیبت ناک جیل ہوگا یا وحشت ناک حوالات جہاں ایک مدت طویل تک بڑے بڑے برہمچاریوں اور سنیاسیوں کو قید تنہائی کاٹنی پڑیگی تو یہ انکے عمل کی جزا ہوئی یا سزا اسی کے بعد بد باطن معترض نے اور زیادہ بد زبانی کی ہے اور شان الٰہی میں بے قید بد معاشوں سے بھی زیادہ کمینے الفاظ ادا کئے ہیں اور اس جناب پاک کو عورتوں کا دلدادہ بتایا ہے کیا مردوں کیلئے جوڑے پیدا کرنا یہ عورتوں کا دلدادہ ہونا ہے اگر کہئے ہاں تو پوچھو کہ پھر دنیا میں عورتیں کیا خدا کے سوا کسی اور نے پیدا کر دی ہیں یا عورتوں کا پیدا کرنا اسکی شان و حکمت کے خلاف ہے اگر ایسا ہے تو پھر اسے خدا کیوں کہتے ہو اور اگر خلاف حکمت نہیں ہے بلکہ نعمت و کرم ہے تو اسکا اعتراف کیوں نہیں کرتے گالیاں کیوں بکتے ہو اور بد تمیزی سے اسکی شان میں زبان کیوں کھولتے ہو اسکے بعد معترض سیاہ باطن کی حالت اور زیادہ ابتر ہوئی اور اس شخص نے حوران بہشت کیلئے ایسے ناقص کلمے استعمال کئے جن سے

دنیا کے آوارہ بدچلن آدمی بھی پناہ مانگ جائیں معلوم نہیں اس شخص نے کس صحبت میں پرورش پائی ہے اور اسکی اخلاقی حالت کیوں اس قدر ردی اور زبوں ہے کہ وہ انسانیت کے درجہ سے گذر گیا ایسی بیہودہ باتیں کہ حوروں کی نسبت کہا کہ انکی عمر کیسے گذرتی ہوگی ایسے کمینہ پن کی باتیں کسی شریف الطبع انسان سے کس طرح صادر ہو سکتی ہیں اور کچھ بھی عقل ہوتی تو سمجھ لیتا کہ دنیا میں بھی پیدا کرنیوالے نے عورتوں کو پیدا کیا اور انکے لئے ایک ایسا زمانہ اور ایسی میعاد مقرر فرمادی جس میں قوائے شہوانیہ کالعدم ہوتی ہیں اور خواہشات کی خبر بھی نہیں ہوتی یہی سمجھ لیتا کہ اسکی قوم کی لڑکیاں بلوغ سے پہلے ماں باپ کے گھر کس طرح دن گزارا کرتی ہیں معترض کے اس ناقص مضمون کی شناعت اور برائی کے بہت شرمناک پہلو ہیں جنکو زیر قلم لانیسے طبیعت کراہت کرتی ہے اس لئے ان سے نظر ہٹاتا ہوں۔ پھر بھی اس قدر بیان بفضلہ تعالیٰ اسکے رد بالغ کے لئے کافی سے بہت زیادہ ہے اور اسکے ہوا خواہوں میں سے کسی کے امکان میں نہیں ہے کہ اسکا کوئی معقول جواب دے سکے اور معترض نادان نے جو حیا سوز جرم کیا ہے اس کی کوئی معذرت پیش کر سکے۔

- حضرت صدر الافاضل کی دینی و سیاسی رہنمائی۔
- دشمنانِ دین و ملت کی پر فریب سیاسی چالوں کی پردہ کشائی۔
- غیر منقسم ملک کی تحریکات پر نقد و نظر۔
- مسلمانوں کی اسلامی تدبیر و فلاح میں تجاویز۔
- ۱۳۳۹ھ سے ۱۳۵۳ھ تک کے حالات کی تاریخی دستاویز

یعنی

افاضاتِ صدر الافاضل

یہ کتاب عالم اسلام کے موجودہ مسائل و افکار میں دائمی رہنمائی کے علاوہ اسلامی و شرعی اور اصلاحی تجاویز پر مشتمل بے نظیر مجموعہ ہے۔ حضرت قدس سرہ کے انمول مضامین کا ذخیرہ اسکے سوا آپکو کہیں نہیں ملیگا۔ قیمت ساڑھے چار روپے علاوہ محصول۔

حیاتِ صدر الافاضل

صدر الافاضل، استاذ العلماء حضرت مولانا حکیم سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی قدس سرہ کی سوانح حیات پر کتاب سب سے پہلے ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی تھی جو کہ ہاتھوں ہاتھ ختم ہوگئی اب اسے دوبارہ نظر ثانی اور بہت سے اضافہ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے اس میں آپ موصوف کی پوری زندگی سیاسی و ملی اور مذہبی حالات کے سوا آپ کا مجموعۂ کلام بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ گویا کہ یہ علماء اہل سنت کی سو سالہ تاریخی حالات کا مستند و معتمد خزانہ ہے آخر میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس بنارس اور اجمیر شریف کے خطبات بھی شامل کر دیئے گئے ہیں۔ قیمت صرف تین ۳ روپے۔